واعظ

جلد چہارم

سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب کے مواعظ حسنہ کا مجموعہ
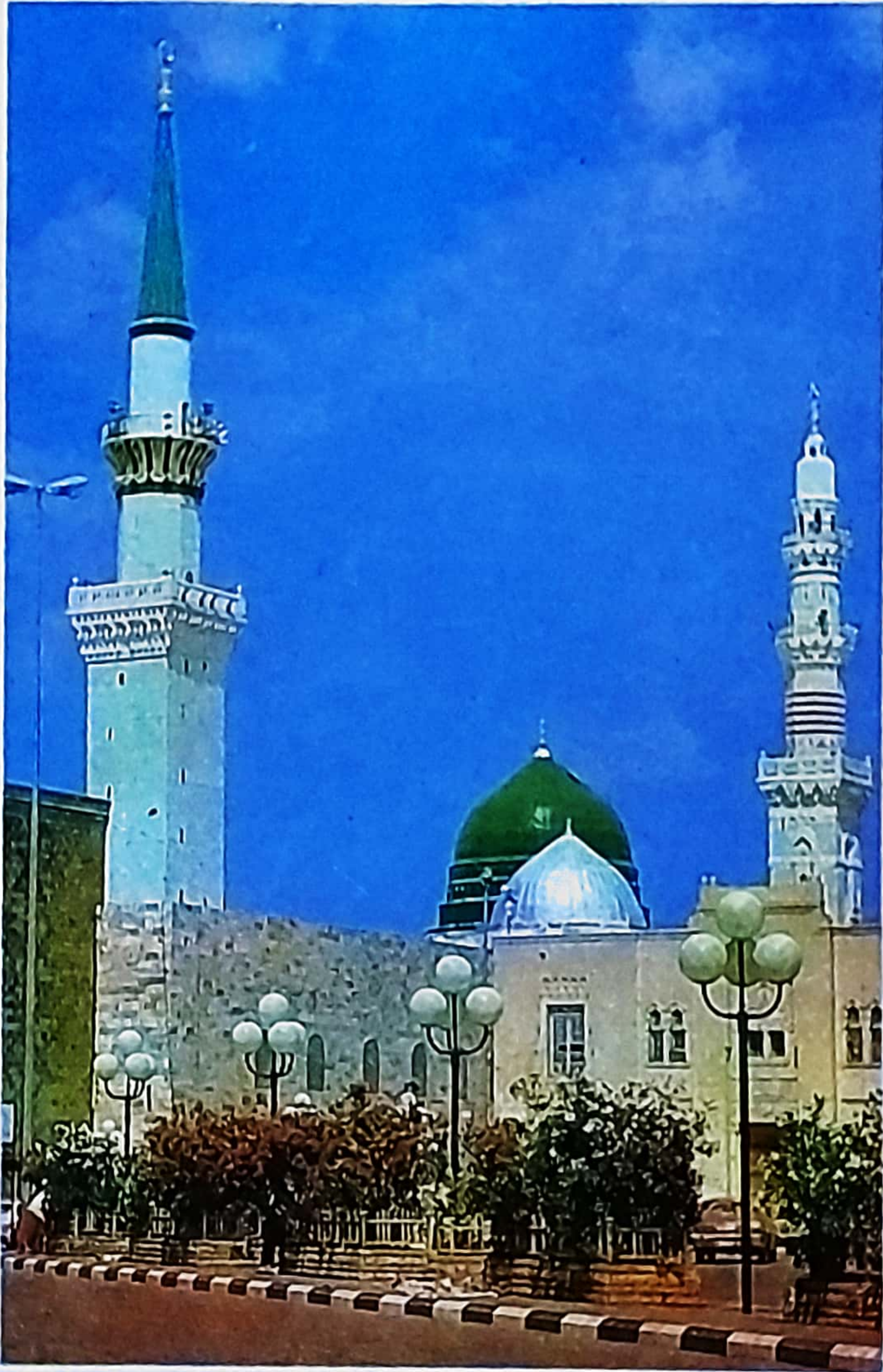
فرید بُک سٹال لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلطان الواعظین جناب مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب مدیر ماہنامہ طیبہ کوٹلی لوہاراں کے

مزید بارہ وعظوں کا بے نظیر مجموعہ

المسمّٰی بہ

واعظ

چوتھا حصہ (۴)

جس میں صداقتِ قرآن، حجیتِ حدیث، ضرورتِ فقہ، ختمِ نبوت، فضائلِ صحابہ کرام کے علاوہ مسائلِ جدیدہ مثلاً اسلامی مساوات، تسخیرِ قمر اور سائنس کے جدید انکشافات پر مشتمل مفصل اور مدلل وعظ درج ہیں، ہر وعظ مدلل اور عام فہم انداز میں لکھا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ حسبِ موقعہ حکایات، اشعار اور لطائف بھی سنائے گئے ہیں!

ناشر
فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار
لاہور

مصنف ——— سلطان الواعظین مولانا ابوالنور محمد بشیر صاحب

کاتب ——— محمد ابراہیم حضرت کیلیانوالہ

مطبع ——— جنرل پرنٹرز ۱۰/۲۲ ریٹیگن روڈ لاہور

قیمت ——— روپے

کتاب "واعظ"

از مؤلف

مقبولِ خاص و عام یہ واعظ کتاب ہے

حسنِ بیاں میں آپ یہ اپنا جواب ہے

میں کون ہوں بساط ہی میری بھلا ہے کیا

دراصل سب یہ فیضِ رسالتمآب ہے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

دُعا

ہمیشہ مدحتِ خیر الانام میں گزرے

دعا ہے عمر درود و سلام میں گزرے

نفس نفس ترا ذکرِ جمیل ہو لب پر

نفس نفس مرا کیفِ تمام میں گزرے

(حافظ مظہر الدین)

آ

وعظ سن کیف اور سرور میں آ

آ مری بزمِ رنگ و نور میں آ

دامِ بوجہل و بولہب سے نکل

شاہ کونین کے حضور میں آ

(صلی اللہ علیہ وسلم)

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

افضل و اعلیٰ اعظم و اکرم — صلے اللہ علیہ وسلّم

عظمتِ حوّا عظمت آدم — صلے اللہ علیہ وسلّم

اسمِ گرامی اسمِ اعظم — صلے اللہ علیہ وسلّم

درد کا درماں زخم کا مرہم — صلے اللہ علیہ وسلّم

ان کا کوکب تاباں چمکا — قریہ قریہ بستی بستی

بستی بستی عالم عالم — صلے اللہ علیہ وسلم

شانِ محمد ہے سبحانی — قامتِ زیبا ہے لاثانی

نورِ سراپا نورِ مجسم — صلے اللہ علیہ وسلم

صبحِ ازل اُن سے متجلّی — شام ابد اُن سے نورانی

آپ مؤخر آپ مقدم — صلے اللہ علیہ وسلّم

(حافظ مظہر الدّین)

تضمین

از مؤلف

حسنِ یوسف کا ہوا ایک جہاں میں چرچا
اِک نظر جس پہ پڑی اس پہ ہوا غش طاری

حضرت رُوح نے مردوں کو کیا ہے زندہ
قُم کہا جس کو حیات اس میں ہوئی ہے ساری

اور موسےٰ نے خدا سے یدِ بیضا پایا
نور کے چشمے ہوئے ہاتھ سے اُن کے جاری

سامنے آئی جو تصویر محمد میرے
خوبیاں اس میں نظر آئیں یہ مجھ کو ساری

ہوش کھو بیٹھا بشیر اس کا نظارہ کر کے
بے خودی میں یہ ہوا شعر زباں پر جاری

حسنِ یوسف دمِ عیسےٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

خدا کی قسم

ہے کلامِ الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرہ نور فزا کی قسم

قسمِ شبِ تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلفِ دوتا کی قسم

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خَلق کو حق نے جمیل کہا

کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا

کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں ترا محرمِ راز ہے روحِ امیں

تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

یہی کہتی ہے بلبلِ باغِ جناں کہ رضاؔ کی طرح کوئی سحر بیاں

نہیں ہند میں واصفِ شاہِ ہُدیٰ مجھے شوخیٔ طبعِ رضا کی قسم

اعلیحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

پہلی نظر

میری کتاب واعظ کی ہمہ گیر مقبولیت اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ اُسے ظاہر کرنے کے لیے مجھے کچھ لکھنا پڑے۔ ابتدا میں یہ کتاب میرے نام سے متعارف ہوئی اور احباب اس کا تعارف یوں کراتے رہے کہ یہ وہ "واعظ" ہے جو بشیر کی تالیف ہے اور اب احباب اجتماعات میں میرا تعارف یوں کراتے ہیں کہ یہ وہ واعظ ہیں جو "واعظ" کے مؤلف ہیں۔ آج وہ کون سا واعظ ہے جس کے پاس "واعظ" نہ ہو۔

واعظ کے تین حصے شائع ہو چکے ہیں اور اگر میں کہوں کہ ہر واعظ کے پاس ہر "واعظ" ہو گی تو غالباً یہ بات غلط نہ ہو گی واعظ کا پہلا حصہ لکھنے کے بعد احباب کے اصرار پر دوسرا حصہ لکھا۔ احباب نے پھر تیسرے حصہ کے لیے اصرار کیا تو تیسرا حصہ بھی لکھا اور واعظ کا انداز بیان کچھ ایسا ذوق افزا ثابت ہوا کہ تیسرا حصہ لکھ دینے کے بعد بھی مجھ سے ان کا پیہم اصرار رہا کہ چوتھا حصہ بھی لکھوں۔ چنانچہ آج میں چوتھا حصہ بھی پیشِ خدمت کر رہا ہوں اور اپنے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کروڑوں درود و سلام عرض کرنے کے بعد اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری اس خدمت کو قبول فرما کر مجھے قیامت کے روز اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے سایہ رحمت میں رکھے آمین۔

میری کتابوں سے جو احباب کچھ فائدہ حاصل کریں۔ ان سے بھی میری درخواست ہے۔ کہ میرے حق میں دعائے خیر کریں۔

واعظ کے چوتھے حصہ میں جو وعظ درج ہیں زیادہ تر ان کا بنیادی عقائد سے تعلق ہے

اس پرفتن دور میں ایسے ایسے نئے اور الحاد آمیز خیالات کو اچھالا جا رہا ہے کہ جنہیں اپنا کر عاقبت کی بربادی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ میں نے ان خیالاتِ باطلہ کے ابطال اور عقائد حقہ کے احقاق پر مشتمل ان مواعظ کو لکھا ہے جنہیں پڑھ کر انشاء اللہ آپ کو اطمینان قلب حاصل ہوگا۔

آجکل مادی عروج اور سائنس کے جدید انکشافات کا بھی بڑا چرچا ہے۔ اس موضوع پر بھی آپ اس مجموعہ میں وعظ پائیں گے۔ خدا کے فضل سے میں نے آجکل کی اس مادی ترقی اور سائنس کو اپنے آقا و مولیٰ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز ثابت کیا ہے اور واضح کر دکھایا ہے کہ جتنی بھی نئی نئی ایجادات سامنے آ رہی ہیں ان سب سے ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بلند و بالا شانوں کی تائید ہو رہی ہے۔

مجھے امید کامل ہے کہ واعظ کا یہ چوتھا حصہ بھی پہلے تین حصوں کی طرح مقبول ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

ابوالنور محمد بشیر

فہرست مضامین

واعظ کے پہلے تین حصوں میں چھتیس ۳۶ وعظ گزر چکے اور اب یہ چوتھا حصہ سینتیسویں ۳۷ وعظ سے شروع ہوتا ہے

۳۷
سینتیسواں وعظ

صداقت قرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ذِی الْمَجْدِ وَالْاِحْسَانِ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الَّذِیْ اُنْزِلَ عَلَیْہِ الْقُرْاٰنُ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اِلٰی یَوْمِ الْمِیْزَانِ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (پ۱ع۳)

اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اُتارا۔ تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائیتوں کو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔"

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے صداقتِ قرآن۔ یعنی مجھے بتانا ہے کہ قرآنِ پاک اللہ کا سچا کلام ہے، اور اس کی صداقت و حقانیت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔
مَیں نے جو آیت کریمہ پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے منکرین و مشرکین کو مخاطب فرما کر فرمایا ہے کہ اے صداقتِ قرآن کے منکرو! اگر تمہیں قرآن کی صداقت میں کوئی شک و شبہ ہے تو قرآن پاک جیسی کوئی ایک سورۃ ہی بنا کر لے آؤ۔ اور خدا کے سوا جتنے بھی تمہارے مددگار رہیں سب کو بلا لو اور سارے مل کر اپنی اجتماعی کوشش سے قرآن کی مثل ایک سورۃ ہی بنا کر دکھاؤ۔

بھائیو! قرآن کا یہ دعوےٰ و چیلنج ان لوگوں کے سامنے تھا جو اپنی زبان دانی کے زعم میں دنیا کو گونگا کہتے اور گونگا سمجھتے تھے اور جن میں ایک سے ایک بڑھ کر فصیح و بلیغ اور ایک سے ایک زیادہ نامور ادیب و شاعر موجود تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بات بھی حقیقت ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف اور آپ کی تکذیب کے لیے ہر ممکن صورت اختیار کرنے والے تھے حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی خاطر انہوں نے اپنے مال برباد کیے۔ جانیں گنوائیں اور ہر قسم کے منصوبے بنائے صرف اس لیے کہ کسی صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذاللہ جھوٹا ثابت کر سکیں۔ ذرا سوچئے کہ اس قسم کے بدترین دشمنوں کے اندر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیلنج پیش کیا کہ اگر تم قرآن کو سچا نہیں سمجھتے تو اس کی مثل ایک سورۃ ہی بنا کر دکھا دو، تو عقل کہتی ہے کہ اس چیلنج کے جواب میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں اگر قرآن کی مثل کوئی سورت بنا سکنے کی قدرت ہوتی تو اس سے زیادہ اور کوئی سنہری موقعہ ان کے لیے نہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے فصحا میں سے کوئی اٹھتا اور قرآن کی مثل کوئی سورت بنا کر پیش کر دیتا اور کہتا۔ لو اے محمد! تم تو کہتے تھے کہ قرآن کی مثل ایک سورت بھی نہیں بن سکتی۔ یہ لو ہم نے بنا کر دکھا دی ہے۔ اس طرح وہ اپنی دشمنی کا خوب مظاہرہ کر سکتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی آسانی سے تکذیب کر سکتے تھے۔ مگر حضرات! یہ واقعہ اور حقیقت ہے کہ سارے عرب نے

اور حضور کے بڑے بڑے دشمنوں نے اور بڑے بڑے قادر الکلام، فصیح و بلیغ ادیبوں، شاعروں اور عالموں نے یہ چیلنج سنا، مگر ان کی ساری فصاحت اور بلاغت اور ان کے سارے علوم و کمالات قرآن کے سامنے ہیچ ہو گئے اور وہ کچھ بھی نہ کر سکے، اور کوئی سورۃ قرآن کی مثل نہ بنا سکے ؎

ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

بھائیو! انسان انسان کا چیلنج قبول کر سکتا ہے اور انسان انسان کی بنائی ہوئی چیز جیسی چیز بنا سکتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا چیلنج انسان کیسے قبول کر سکتا ہے، اور خدا کی بنائی ہوئی چیز کی مثل انسان کس طرح بنا سکتا ہے؟ یاد رکھئے۔ قرآن پاک اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہوتا جیسا کہ منکرین کا خیال ہے، تو قرآن کے اس چیلنج پر اس وقت سے لے کر آج تک کے منکرین چپ کیوں ہیں؟ انسان میں مقابلہ اور دوسرے انسان کے دعوےٰ کو توڑنے کی طاقت فطری ہے۔ دیکھ لیجیے اس زمانہ میں فضائی رفتار، بحری رفتار، تیرنے اور دوڑنے کی اور دیگر فنون کے ریکارڈوں کو توڑنے اور شکست دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ دوسرے سے ترقی کر جاؤں اور آگے نکل جاؤں۔ آج ایک انسان ایک نئی مشین تیار کرتا ہے تو دوسرا اس سے بھی اچھی بنانے کی کوشش کرتا ہے، اور بنا بھی لیتا ہے۔ لاسلکی، دُوربین۔ انجن وغیرہ کی ایجاد پر لوگوں کو کتنا تعجب ہوا تھا۔ مگر کیا ان جیسی ایجادات اور نہ ہوئیں؟ ہوئیں بلکہ ان سے بہتر ہوئیں۔ خدائی اور انسانی افعال میں یہی فرق ہے کہ جو کام ایک انسان کر سکتا ہے وہ دوسرا بھی کر سکتا ہے۔ مگر خدا کے کسی کام پر انسان قادر نہیں۔ آج سائنس کس قدر ترقی کر گئی ہے، اور اس نے طب کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا ہے۔ مگر انسان کے اندر روح ڈالنے یا اُسے موت سے بچانے کے لیے وہ اس سے بھی ہزار گنا ترقی کر جائے تو بھی کچھ نہیں کر سکتی، کہ یہ خدا کا کام ہے اور خدا کے کام پر انسان قادر نہیں ہو سکتا۔ تو اُس دَور سے اِس مقابلہ و ریکارڈ توڑ دَور تک جو قرآن کی مثل

کوئی نہیں بنا سکا۔ اس سے یہی حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور انسان اس کی مثل بنانے سے عاجز ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی قرآن کی مثل بنا سکے۔

دوسری جگہ اللہ فرماتا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (پ۱۵ ع ۱۰)

"یعنی اے محبوب انہیں فرمادو کہ اگر سارے آدمی اور سارے جن اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔"

غور فرمائیے کسی انسان میں یہ کب جرأت ہو سکتی ہے کہ اپنی بنائی ہوئی چیز کی طرح کوئی دوسری چیز نہ بنا سکنے کا اتنا بڑا دعوےٰ کرے۔ جبکہ انسان نے دنیا میں کوئی چیز نہیں بنائی جس جیسی بلکہ اس سے بھی اچھی چیز کسی دوسرے انسان نے نہ بنائی ہو۔ یہ دعوےٰ تو اللہ ہی کا ہو سکتا ہے۔ وہی کر سکتا ہے اور اسی نے کیا، اور دیکھ لیجئے اس ترقی کے دور تک اس دعویٰ کو نہ کوئی توڑ سکا نہ آئندہ کوئی توڑ سکے گا۔

نقل

ہاں مسیلمہ کذاب نے منہ چڑایا تھا اور قرآن کی نقل اتاری تھی اور کہا تھا دیکھو لوگو میں نے ایک سورۃ بنائی ہے۔

اَلْفِيْلُ مَا الْفِيْلُ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْفِيْلُ۔ ذَنَبُهٗ قَلِيْلٌ وَ خَرْطُوْمُهٗ طَوِيْلٌ وَجِسْمُهٗ ثَقِيْلٌ۔

"یعنی ہاتھی اور کیا ہے ہاتھی اور تم نہیں جانتے کہ کیا ہے ہاتھی اس کی دم چھوٹی ہے سونڈ لمبی ہے اور جسم بھاری ہے۔"

یہ اس خبیث نے قرآن کی نقل اتاری تھی، مگر نقل را عقل باید۔ ایک چھوٹی سی لڑکی نے بھی سنکر اسے کہہ دیا تھا کہ ہاتھی کو کون نہیں جانتا سب جانتے ہیں اور سب کو پتہ ہے کہ اس کی دم چھوٹی، سونڈ لمبی اور جسم بھاری ہوتا ہے پھر تم نے کیا بتایا، یہ تو محض بکواس ہے۔

لطیفہ

شاعری بھی ایک فن ہے، اور اس کے بڑے بڑے فنکار گزرے ہیں مگر جہاں تک قابل اور باکمال شاعر گذرے ہیں۔ وہاں بے تکے شاعر بھی گزرے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور شاعر کسی مجلس میں پہنچا اور دیکھا کہ چند بے تکے شاعر بیٹھے ہیں اور شعر کہہ رہے ہیں۔ ایک نے کہا ؎

تو کوئی مصرع بول بھلا بھئی بول بھلا

دوسرا بولا: کنوئیں سے نکلا ڈول بھلا بھئی ڈول بھلا

تیسرا بولا: بجنے لگا ہے ڈھول بھلا بھئی ڈول بھلا

اس مشہور شاعر نے یہ لایعنی مصرعے سُنے تو یہ کہتا ہوا اٹھ بیٹھا کہ

یہ مجلس نامعقولوں کی لاحول ولا لاحول ولا

مسیلمہ کذاب کی سورۃ بھی اسی قسم کی سورۃ تھی۔ اور اُسے پڑھ کر منہ سے لاحول ہی نکلتی ہے۔

مثل

بھائیو! یہاں ایک دوسرا مسئلہ بھی سمجھتے چلئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن کی مثل کوئی دوسرا کلام ہو ہی نہیں سکتا، اور ہمارا اس پر ایمان ہے کہ کلام اللہ بے مثل ہے۔ مجھے اس وقت بتانا یہ ہے کہ کلام اللہ میں وہی حروف تہجی ہیں۔ جو دوسروں کے کلام میں ہوتے ہیں۔ یہ الف، ب، ت سے ی تک جتنے حروف ہیں۔ کلام اللہ میں بھی یہی حروف ہیں، اور انسانوں کی بنی ہوئی جو کتابیں ہیں۔ اُن کتابوں میں بھی یہی حروف ہیں۔ مگر باوجود اس کے کہ حروف وہی ہیں کسی انسان کا کلام، کلام اللہ کی مثل نہیں ہو سکتا۔ حروف ایک سے ہیں مگر انسانی کلام میں آگئے تو عام کلام ہے۔ بے مثل نہیں اور کلام اللہ میں آگئے تو وہ کلام بے مثل ہو گیا۔ ایسا بے مثل کہ تمام جن اور انسان ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں تو بھی اس کلام جیسا ہرگز نہ بنا سکیں۔ ایسا کیوں ہوا؟ صرف اس نسبت سے کہ یہ "کلام اللہ" ہے تو بھائیو! پھر ہم کیوں نہ کہیں کہ جس نسبت سے "کلام اللہ" بے مثل ہے۔ اسی نسبت سے "رسول اللہ" بھی بے مثل ہیں۔ حروف اگرچہ وہی ہیں جو دوسروں کے کلام میں نظر آتے ہیں، مگر کلام اللہ میں آگئے تو بے مثل ہو گئے۔ اسی طرح انسان کے

اعضا، کان، زبان، ہاتھ، پیر وغیرہ عام انسانوں میں بھی یہی اعضا ہیں۔ اور "رسول اللہ" میں بھی بظاہر یہی اعضا ہیں۔ مگر جب یہ عام انسانوں میں نظر آئے تو وہ ایک عام انسان ہے۔ بے مثل نہیں۔

اور جب یہ اعضا "رسول اللہ" میں آ گئے تو وہ وجود ما جُود بے مثل ہو گیا۔ نہ "کلام اللہ" کی مثل ممکن ہے اور نہ "رسول اللہ" کی مثل ممکن ہے ؎

ترے خُلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہو گا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم
ترا مسندِ ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے رُوح امیں
تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

محض ظاہری اعضا کی بنا پر "رسول اللہ" کو اپنی مثل کہہ دینا بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی شخص حروف تہجی کی بنا پر کوک شاستر کو قرآن کی مثل بنانے لگے۔

بھائیو! آجکل بہت سے چلتے پھرتے اور بولتے "کوک شاستر" نظر آتے ہیں جو معاذ اللہ قرآن ناطق (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثل بنے پھرتے ہیں۔ ؎

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی
حضورِ بلبل بستاں کرے نواسنجی

خدا تعالیٰ ان کوک شاستروں سے بچائے۔ آمین!

ہاں تو بھائیو! قرآن پاک کی صداقت کی یہ بہت بڑی معقول اور وزنی دلیل ہے کہ چودہ سو سال اس چیلنج کو گذر گئے مگر کوئی بھی تو اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔

حفاظت

قرآن پاک کی صداقت کی ایک دوسری دلیل بھی سنئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (پ۱۴ ع ۱)

"یعنی یہ قرآن ہم نے اُتارا ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"

حضرات! قرآن پاک کی حفاظت خدا تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اس کی حفاظت

کسی انجمن، کسی جماعت یا کسی حکومت کے سپرد نہیں کی، بلکہ خدا تعالیٰ اس کی حفاظت کا ذمہ دار بنا ہے۔ چنانچہ دیکھ لیجیے۔ چودہ سو سال گزرنے کو آئے قرآن پاک کی کسی سطر، کسی لفظ، کسی حرف اور کسی نقطے تک میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور یہ ایک ایسی زبردست دلیل ہے صداقت قرآن کی۔ کہ جسے کوئی غلط ثابت کر ہی نہیں سکتا۔

فرمایئے! دنیا بھر میں دوسری اور کون سی ایسی کتاب ہے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہو کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ بھائیو! ہے کوئی کسی کتاب کا مصنف جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میری کتاب کا ایک ایک حرف ہمیشہ کے لیے محفوظ رہے گا۔ اور میری کتاب میں کوئی کسی قسم کی تبدیلی نہ کر سکے گا۔ بڑے بڑے مصنفوں کی کتابوں میں ردّ و بدل ہو گیا۔ انسانی کتابوں کو تو چھوڑیے، آسمانی کتابیں بھی تحریف و تبدیلی سے نہ بچ سکیں۔ آج اصلی تورات و انجیل کہیں بھی نہیں۔ آج جو انجیل یا توراۃ ہے اس کے متعدد نسخے سامنے رکھ کر دیکھئے کسی میں کوئی لفظ ہے اور کسی میں کچھ اور، گذشتہ چودہ سو برسوں میں ہزاروں انقلاب آئے۔ ہزاروں بستیاں اجڑیں، ہزاروں ویرانے آباد ہوئے، دنیا زیر و زبر ہو گئی مگر صرف قرآن کی زیر و زبر میں فرق نہیں آیا اور وہ بسم اللہ کی ب سے لے کر والناس کے س تک جوں کا توں موجود ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے کسی لفظ، کسی حرف یا کسی ایک نقطے ہی میں کوئی ردّ و بدل کر سکے۔

ذرا غور فرمایئے! آج کسی بھرے مجمع میں کوئی قاری قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہوا کسی آیت یا لفظ کو غلطی سے چھوڑ دے یا زیر کی جگہ زَبر یا زَبر کی جگہ زیر پڑھ ڈالے۔ تو دیکھ لیجئے سارا مجمع چوکنا ہو جائے گا، اور اِدھر اُدھر چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں گی کہ قاری صاحب آیت یوں نہیں یوں ہے اور یہاں زیر نہیں زَبر ہے، اس طرح پڑھیے۔ حضرات! یہ کیا بات ہے؟ یہ جذبہ کون پیدا کرتا ہے۔ ایک پیر و مرشد جس کے حضور بیٹھے ہوئے مریدین ادب سے سرنگوں بیٹھے ہیں اور اونچی آواز تک نہیں نکالتے۔ وہی پیر و مرشد اگر قرآن پڑھنے لگیں اور اتفاقاً ان سے بھی کوئی غلطی ہو جائے تو وہی مریدین اپنی ساری خاموشیوں کو بالائے طاق رکھ کر فوراً بول اٹھیں گے کہ حضور یوں نہیں یوں ہے۔ یہ جرأت اور مجال کیوں پیدا ہوئی اور کس نے یہ جذبہ پیدا کیا۔

بھائیو! یہ سب کرشمہ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کا، اور یہ سب مظاہرہ ہے اس وعدۂ خدا کا کہ قرآن کی حفاظت میں خود کروں گا۔ مرضیٔ خدا یہ ہوتی ہے کہ قرآن میں اگر کوئی غلطی کرے تو خدائی بول اٹھے۔

منصور کے پردے میں خدا بول رہا ہے

کے مطابق دراصل یہ تصحیح و اصلاح اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

ایک واقعہ

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے اس سلسلہ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام دونوں جب ایک گاؤں میں پہنچے اور ان سے کھانا طلب فرمایا تو قرآن فرماتا ہے کہ:

فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا (پ ۱۶ ع ۱)

اُن گاؤں والوں نے دعوت دینے سے انکار کر دیا۔

مفسرین کرام علیہم الرحمہ نے لکھا ہے کہ اس گاؤں کا نام انطاکیہ تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو انطاکیہ کے رہنے والوں نے سوچا کہ ہمارے اکابر تو قیامت تک کے لیے بدنام ہو جائیں گے کیونکہ قرآن میں ان کے انکار کا ذکر آگیا ہے۔ اس خیال سے وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ حضور! "فَاَبَوْا" میں "ب" کی جگہ "ت" کر دیجیے تاکہ آیت یوں ہو جائے۔

فَاَتَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا

"یعنی گاؤں والے دعوت دینے پر آمادہ ہو گئے"۔

"اَبَوْا" کی جگہ "اَتَوْا" ہو جانے سے معنیٰ یکسر بدل جاتا ہے۔ "ابوا" کا معنیٰ ہے "انہوں نے انکار کیا" اور "اتوا" کا معنیٰ ہے "وہ آمادہ ہوئے"، چنانچہ اس خیال سے انہوں نے حضور کی خدمت میں یہ عرض کی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ خدا کا کلام ہے اور ہر قسم کی غلط بیانی و تحریف سے پاک ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا" (روح البیان ص ۵۰ ج ۲)

حضرات! یہ حقیقت ہے کہ قرآن پاک میں اگر تھوڑی سی بھی تحریف کا امکان ہوتا تو انطاکیہ والوں نے آج تک کم از کم اس آیت میں تو "فَاَبَوْا" کی جگہ "فَاَتَوْا" کر ہی دیا ہوتا۔

مگر ایسا ہونا ممکن ہی نہیں۔ اور یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نیچے کا نقطہ اوپر ڈال دیا جائے یا ایک نقطہ کی جگہ دو نقطے ڈال دیے جائیں۔ اس نقطہ کو سمجھئے کہ جس کتاب کے ایک نقطے کو بھی ہلایا نہیں جا سکتا، اس میں کسی تحریف کا امکان کیسے ہو سکتا ہے۔

ایک اور بات

ایک اور بات بھی سمجھ لیجئے کہ جس کتاب پاک میں زیر و زبر تک کی ایک تھوڑی سی بھی تبدیلی آج کل کے مسلمان بھی قبول نہیں کرتے اور کسی کو زیر و زبر کی تبدیلی سے پڑھتے ہوئے سن کر خاموش نہیں رہتے اور جس کتاب کے ایک نقطے کو بھی ہلایا نہیں جا سکتا۔ کیا یہ بات ممکن ہے کہ خیر القرون کے مسلمانوں نے ایسا ہونے دیا ہو کہ کوئی پورے کا پورا جملہ یا پوری کی پوری آیت ہی قرآن سے نکال دیتا یا قرآن کو بجائے چالیس پاروں کے تیس پارے بنا دیتا اور اُمت کے بہترین افراد خاموش رہ جاتے اور خود خدا بھی جس نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے ایسا ہو جانے دیتا۔ حاشا و کلا ہرگز نہیں اس قسم کا خیال و عقیدہ سراسر جہالت، گمراہی اور "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" کا انکار ہے۔

دو قرآن

حضرات! اس پُرفتن دَور میں عجیب عجیب خیال پیدا ہو چکے ہیں۔ قرآن پاک جو اللہ کا سچا کلام ہے۔ اور جس کے متعلق خدا کا اعلان ہو چکا ہے کہ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا یار لوگوں نے اسے بھی تختۂ مشق بنا رکھا ہے۔ دس پاروں کی بات تو ایک طرف رہی، اس ترقی یافتہ دَور میں الحاد نے ایک کے بجائے دو قرآن کا بھی اعلان کر رکھا ہے گویا قرآن کو ایک کہنا اور سمجھنا غلطی ہے۔ قرآن تو دو تھے جو ان ملاؤں کی سازش سے ایک رہ گیا ہے اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ یورپ نے ملحدین کی نظریں بھی ٹیڑھی کر دی ہیں، ٹیڑھی نظر والے یعنی بھینگے کو ایک کے دو ہی نظر آتے ہیں۔

لطیفہ

یہ ایک سچا واقعہ ہے اور خود میرے ساتھ یہ بات ہوئی۔ ایک روز کسی گاؤں کے چند لوگ کوئی مسئلہ پوچھنے آئے۔ ان میں ایک شخص بڑا چالاک اور بیباک تھا جو بڑی بیباکی سے گفتگو کرنے لگا۔ مجھ سے کہنے لگا مولوی صاحب میرے والد کی دو بیویاں ہیں ایک حقیقی اور ایک سوتیلی۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ بھئی سوتیلی ماں، سوتیلی بہن اور

سوتیلی لڑکی تو سنتے آئے ہیں۔ مگر یہ "سوتیلی بیوی" آج ہی سن رہا ہوں۔ "سوتیلی بیوی" کا کیا مطلب؟ وہ بڑی بے حیائی سے بولا کہ حقیقی بیوی تو وہ ہے جس سے والد صاحب نے نکاح کیا ہے اور سوتیلی بیوی وہ ہے جسے وہ فلاں گاؤں سے بھگا کر لائے ہیں سوتیلی بیوی ان کی جو ہے اس کا شوہر موجود ہے مگر والد صاحب اپنے شوق اور زور سے اسے بھگا کر لائے ہیں۔ میں نے بھی اسے ایک ایسا جواب دیا جسے سن کر وہ بڑا شرمندہ ہوا۔ میں نے کہا تو معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے والد کے گھر اسی سوتیلی بیوی کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو۔

کچھ اسی طرح کا معاملہ یہاں بھی ہے کہ حقیقی قرآن تو ایک ہی ہے۔ وہ جسے مسلمانوں نے کلمہ پڑھ کر حاصل کیا ہے مگر یہ دوسرا قرآن سوتیلا قرآن ہے جسے ملحد یورپ سے بھگا کر لائے ہیں، اور یہ کہتا اور سناتا بھی وہی کچھ ہے جو کچھ یورپ نے بنایا اور سنایا ہے۔ گویا اس دوسرے قرآن کا یہ اعلان ہے کہ ؎

فریب زندگی جس نے نہ دیکھا ہو مجھے دیکھے
نہ سینے میں ہے دل اپنا نہ منہ میں ہے زباں اپنی

مسلمانو! آج کل بڑے بڑے الٹے خیال نکل آئے ہیں۔ تم اپنے ایک ہی خدا ایک اسلام اور ایک ہی قرآن کے ماننے والے رہو۔ کوئی دو قرآن یا دو اسلام کہتا ہے تو کہنے دو۔ آخر تین خدا کہنے والے بھی تو ہیں کوئی اگر اپنے "دو باپ" بھی بنانے لگے تو اس ترقی پانے والے زمانے میں تم اس کا کیا بگاڑ لوگے۔ اللہ تعالیٰ ایسی گمراہیوں سے بچائے آمین۔ ہاں تو یہ کہہ رہا تھا کہ قرآن پاک کی حفاظت کا خود خدا ذمہ دار ہے۔

حفظ

اور اسی حفاظت خداوندی کا یہ بھی کرشمہ ہے کہ قرآن پاک آج لاکھوں سینوں میں محفوظ ہے اور اس کے لاکھوں حفظ کرنے والے گذرے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ بھائیو! ذرا دیکھو تو حفاظت قرآن کے اس انداز کو بھی کہ اپنے قرآن کو اپنے لاکھوں بندوں کے سینوں میں محفوظ کر دیا۔

بھائیو! کتابوں کے ضائع ہو جانے کا امکان ہے۔ وہ جل سکتی ہیں۔ انہیں ڈبویا

جا سکتا ہے۔ مگر ان حفاظ کے سینوں کو کون جلا یا ڈبو سکتا ہے۔ آج بالفرض دنیا بھر کی انجیلیں اور جس قدر بھی تورات کے نسخے ہیں۔ اور یہ جو دوسری کتابیں مثلاً وید اور گرنتھ وغیرہ ہیں، ان سب کتابوں کے دنیا بھر سے سارے نسخے اکٹھے کر کے سمندر میں ڈال دیے جائیں، اور ساری انجیلیں، ساری توراتیں اور یہ دوسری جو کتابیں ہیں یہ بھی یعنی سارے وید اور سارے گرنتھ سب کے سب سمندر میں ڈبو دیے جائیں اور تلف کر دیے جائیں تو اے دنیا والو! بتاؤ کہ اس انجیل کو دنیا میں پھر کون لا سکے گا جبکہ اسے دوبارہ نقل کرنے کے لیے کوئی نسخہ باقی رہا ہی نہیں۔ تورات کو واپس کون لائے گا؟ جبکہ اس کا کوئی نسخہ باقی رہا ہی نہیں۔ اسی طرح یہ چاروں وید بھی گئے تو پھر ہمیشہ کے لیے گئے سمجھئے اور سمجھ لیجیے کہ ان کا بو لورام ہو گیا اور گرنتھ صاحب بھی گئے، تو بس گئے مگر سبحان اللہ! کیا کہنے شان قرآن اور صداقت قرآن کے کہ بالفرض اگر دنیا بھر کے نسخہ ہائے قرآن جمع کر کے سمندر میں ڈال دیے جائیں اور دشمنان قرآن اپنی طرف سے اس قسم کی کوشش کر کے خوش ہونے لگیں کہ لو ہم نے دنیا سے قرآن کو ختم کر دیا ہے۔ تو حضرات! ان کی یہ خوشی محض ان کی خام خیالی کی وجہ سے ہو گی اور ان کی یہ عارضی خوشی فوراً ختم ہو جائیگی جبکہ لاکھوں حفاظِ قرآن میں سے ایک ہی حافظ اٹھ کر قرآن پاک کو از سر نو پھر لکھوا دے گا، اور قرآن پاک پھر اسی شان و شوکت کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر ہو جائے گا۔ بھائیو! ہمارا قرآن زندہ و تابندہ ہے اسے کوئی مٹا نہیں سکتا، اور اس کی بدولت ہم بھی زندہ و تابندہ ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ ؎

قرآن کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

حضرات! قرآن پاک اتنی بڑی کتاب ہوتے ہوئے بھی اس قدر آسانی کے ساتھ حفظ ہو جاتا ہے کہ چھوٹے بچے بھی اس کے حافظ ہو جاتے ہیں۔ ذرا سوچئے تو سہی کونسی اور ایسی کتاب ہے جو اس طرح حفظ ہوئی ہو یا ہو سکتی ہو۔ بھائیو! زبان اس کی عربی ہے مگر حفظ کرنے والا پنجابی ہو۔ سندھی ہو، ایرانی ہو یا افغانی ہو۔ کوئی ہو، اس دوسری زبان

کے قرآن کو معنی سمجھے بغیر حفظ کرے گا۔ بچے تک حفظ کر لیتے ہیں۔ کوئی شاعر اپنی ہی لکھی ہوئی نظمیں حفظ نہیں کر سکتا۔ اپنا کلام سناتے وقت کاپی نکالتا ہے۔ کوئی ایڈیٹر اپنا تازہ لکھا ہوا مضمون زبانی یاد نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص اپنا لکھا ہوا خط یا اپنے کسی عزیز کا آیا ہوا خط زبانی نہیں سنا سکتا۔ مگر سبحان اللہ! کیا شان ہے قرآن پاک کی، کہ چھوٹے بڑے ہر ایک کی زبان پر یہ آجاتا ہے اور زبانی یاد ہو جاتا ہے اور حفظ کرنے والے کے سینے میں سما جاتا ہے یہ اس کا حفظ ہو جانا اور اتنی بڑی کتاب کا اس آسانی سے یاد ہو جانا سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کیونکہ وہ وعدہ فرما چکا ہے کہ اس کی حفاظت میرے ذمہ ہے۔

قران پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنا شروع ہوا تو نزول قرآن کے وقت جبریل امین کے وحی پہنچا کر فارغ ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرمانے کی کوشش فرماتے تھے اور جلد جلد پڑھتے اور زبان پاک کو حرکت دیتے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (پ ۲۹ ع ۱۷)

"یعنی اے محبوب! آپ یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں کہ اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے جب ہم پڑھ چکیں اس وقت اس کی اتباع کریں پھر اس کی باریکیوں کا آپ پر ظاہر کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ ذرا غور فرمائیے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی یاد کرنے اور جلد جلد تکرار کی مشقت منظور نہ فرمائی اور قرآن پاک کا سینہ اقدس میں محفوظ کرنا، اور زبان اقدس پر جاری فرمانا اپنے ذمہ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں قرآن پاک کی یہ نرالی شان اب بھی موجود ہے کہ جب ایک دفعہ اسے کوئی یاد کرے تو بن پڑھے اور تکرار کے بغیر بھی یاد رہ جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کا پڑھنا کچھ ایسا آسان کر دیا ہے کہ ہمیشہ پڑھا جاتا ہے۔ اور اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ دوسری کوئی کتاب نہ اس طرح پڑھی گئی ہے اور نہ پڑھی جائے گی۔

ایک ولی اللہ

تذکرۃ الاولیاء میں حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ کا واقعہ لکھا ہے۔

آپ نے ایک ولی اللہ کو دیکھا جو ہر روز ستر بار قرآن ختم کر لیتے تھے۔ بایزید فرماتے ہیں۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ خیال ہی خیال میں قرآن اتنی مرتبہ پڑھ لیتے ہوں گے انہوں نے اس خیال پر مطلع ہو کر فرمایا۔ نہیں خیال میں نہیں بلکہ لفظاً اور عبارتاً پڑھتا ہوں۔

اسی طرح خدا تعالیٰ جانے اللہ کے نیک بندوں نے اپنی اپنی عمروں میں کتنی کتنی تعداد میں ختم قرآن کئے ہیں۔ جھنگ کے ضلع میں سنتے ہیں ایک قصبہ اٹھارہ ہزاری کے نام سے مشہور ہے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ گاؤں ایک ایسے بزرگ کے نام پر آباد ہوا ہے جنہوں نے اپنی عمر میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن پاک ختم کیا تھا۔

سبحان اللہ! اس شان کی بھی کوئی کتاب ہو سکتی ہے۔ قرآن ہی وہ کتاب ہے جس کے پڑھنے والے دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں اور جسے خوش نصیب چھوٹے بڑے مرد عورتیں سبھی پڑھتے ہیں، اور بار بار پڑھتے ہیں۔ روزانہ پڑھتے ہیں۔ دن میں کئی کئی بار پڑھتے ہیں۔ یہ نہیں کہ ایک بار پڑھ کر پھر سیر ہو گئے یہ بات دوسری کتابوں میں ہے کہ ایک بار پڑھ لی اور پھر بند کر کے رکھ دی۔ دوبارہ اسے پڑھنے پہ دل ہی نہیں چاہتا۔ مگر بھائیو! یہ قرآن ہی ہے کہ اسے بار بار پڑھو۔ سو بار پڑھو۔ ہر بار نئی لذت اور نیا سرور۔ دل اکتاتا ہی نہیں ؎

کمال ہم نے یہ تصویر یار میں دیکھا
ہزار بار بھی دیکھو تو دل نہیں بھرتا

ہر سوال کا جواب

حضرات! قرآن پاک کی صداقت کی ایک اور دلیل سنیے۔ دیکھئے آپ کے شہر میں کوئی نووارد شخص آجائے یا آپ اپنی گلی میں کسی اجنبی کو گھومتے دیکھیں تو آپ اس سے پوچھتے ہیں۔

آپ کون ہیں؟ آپ کا نام کیا ہے؟ کہاں سے آئے؟ کس کی طرف آئے؟ کس کام کو آئے؟ اس قسم کے سوالات ہوتے ہی ہیں اور اجنبی کو ان سوالات کا اطمینان بخش جواب دینا ہی پڑتا ہے۔

اب آئیے اس معیار پر موجودہ ساری کتابوں کو پرکھئے۔ وید گرنتھ وغیرہ تو رہے ایک طرف آج کل کی یہ محرّف تورات و انجیل سامنے رکھئے اور ان سے پوچھئے۔ آپ کون ہیں؟ کیا نام ہے؟ کس کی طرف آئے؟ کیوں آئے؟ یقین فرمائیے کہ انجیل کسی سوال کا

جواب نہ دے گی۔ تورات بھی خاموش رہے گی۔ اسی طرح آپ ذرا گرنتھ صاحب سے
بھی پوچھ کر دیکھئے کہ مہاراج! آپ کہاں سے پدھارے ہیں؟ کیا کام ہے؟ کس کی طرف
آئے ہیں؟ وہ کوئی جواب نہ دے گا۔ ویدوں سے بھی دریافت کیجئے تو چاروں ویدوں
میں سے کوئی بھی جواب نہ دے گا کہ وہ کون ہیں، کہاں سے آئے اور کہاں جائیں گے۔ بھائیو!
ان معقول سوالات کا ایک بھی جواب ایک بھی کتاب نہ دے گی۔ مگر آیئے قرآن پاک کی
طرف۔ یہ اللہ کی سچی کتاب آپ کے ہر سوال کا جواب دے گی۔ پوچھ کر دیکھ لیجئے۔ دیکھیے!
آپ اس سے پوچھتے ہیں۔ آپ کون ہیں، نام کیا ہے؟

قرآن جواب دیتا ہے:

" بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ

"یعنی میں قرآن ہوں اور میرا نام قرآن مجید ہے،،

آپ پوچھتے ہیں، آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟

جواب ملتا ہے:

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ

"یعنی اللہ جو رب العالمین ہے اس کی طرف سے آیا ہوں،،

اچھا قبلہ! یہ فرمائیے کہ آپ آئے کس کی طرف؟ جواب میں فرمایا:

نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ

" یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف آیا ہوں،،

اچھا اب یہ فرمائیے۔ آپ آئے کس کام سے؟ تو فرمایا:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ـــــ هُدًى لِّلنَّاس

"یعنی لوگوں اور پرہیزگاروں کی ہدایت کے لیے آیا ہوں،،

اچھا صاحب! ذرا یہ بھی تو بتا دیجیے کہ آپ کب تشریف لائے تھے؟ فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

"یعنی رمضان کے مہینے میں آیا تھا،،

مگر قبلہ! اتنا اور فرما دیجیے کہ آپ دن میں آئے یا رات کو؟ فرمایا

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ

"لیلۃ القدر یعنی رات کو آیا ہوں،،

قبلہ! آپ کی زبان کیا ہے؟ فرمایا:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

"یعنی زبان میری عربی ہے،،

سبحان اللہ! کیا صداقت ہے کہ ہر سوال کا جواب مل رہا ہے۔ جو چاہو پوچھو کہ
یہاں کسی شک و شبہ کی بات ہی نہیں۔ بھائیو! کسی دوسری کتاب میں بھی یہ شان دیکھی
دوسری کتابیں نہ یہ بتاتی ہیں کہ کہاں سے آئیں۔ نہ یہ کہ کس کی طرف آئیں اور نہ یہ کہ کیوں
آئیں اور کب آئیں۔

لطیفہ کہتے ہیں۔ ایک شخص نے اپنے ایک دوست کو خط لکھا۔ مگر اس کا ایڈریس
اُسے یاد نہ تھا۔ بڑا پریشان ہوا کہ پتہ کیا لکھوں، اُسے اپنے دوست کے
متعلق یہ بھی پتہ نہ تھا کہ وہ ہے کس شہر میں؟ اور مزید لطف یہ کہ اپنے دوست کا نام بھی
نہ جانتا تھا۔ مگر چونکہ خط لکھ چکا تھا اس لیے اس نے اس کا ایڈریس اس طرح لکھا:
"مقام کوئی نہ کوئی۔ ضلع کوئی نہ کوئی۔ محلہ کوئی نہ کوئی۔ اور ملے کسی نہ کسی کو،،

بھائیو! قرآن کے سوا باقی سب کتابوں کا بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہے کہ آتی ہیں
کہیں نہ کہیں سے اور آتی ہیں کسی نہ کسی کی طرف اور آتی ہیں کسی نہ کسی کام کو۔ مکمل اور
صحیح پتہ اگر ہے تو صرف قرآن پاک کا اور تمہیں اپنی منزلِ مقصود پر اگر پہنچنا ہے تو اس کا
پتہ قرآن ہی سے پوچھو۔ وہی صحیح پتہ بتائے گا۔ ورنہ یوں ہی بھٹکتے پھروگے!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اٹھتیسواں ۳۸ وعظ

نسخۂ کیمیا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ○ (پ ع)

"اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔"

حضرات! آج میں فضائلِ قرآن بیان کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے آج جو آیت شریفہ تلاوت کی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو شفا و رحمت بیان فرمایا ہے۔ بھائیو! واقعی یہ قرآن پاک ایک ایسا نسخۂ کیمیا ہے جس سے روحانی و جسمانی امراض دُور ہوتے ہیں اور اس نسخہ کے استعمال سے شفاء و رحمت حاصل ہوتی ہے۔

حضرات! پہلے آپ کو ایک مثال دے کر سمجھاؤں:

مجموعۂ ہدایات

دیکھیے! آپ بازار سے ایک سنگر مشین خرید کر لاتے ہیں تو مشین بنانے والے ساتھ ہی ایک کتاب بھی دے دیتے ہیں۔ جس میں اس مشین کے متعلق ہدایات درج ہوتی ہیں کہ فلاں پرزہ فلاں جگہ کے لیے ہے اُسے وہاں لگاؤ۔ یہاں دھاگہ ڈالو، اور یہاں تیل دو۔ الغرض مشین بنانے والوں کی ہدایات بھی ساتھ ہی پہنچ جاتی ہیں اور مشین کی صحت و بقا اسی میں ہے کہ ان ہدایات پر عمل کیا جائے۔ اور ان ہدایات کے مطابق مشین کو چلایا جائے۔ اگر ان ہدایات کے مطابق مشین کو چلایا جائے گا تو یقیناً مشین سالہا سال تک کام دیتی رہے گی اور اس میں کوئی بگاڑ پیدا نہ ہوگا۔ اور اگر ان ہدایات کو پس پشت ڈال کر اُسے غلط سلط طریق پر چلایا جائے دھاگے کی جگہ تیل اور تیل کی جگہ دھاگہ ڈال دیا جائے۔ یا اِدھر کا پرزہ اُدھر اور اُدھر کا اِدھر فٹ کر دیا جائے تو ظاہر ہے کہ مشین کا حلیہ ہی بگڑ جائے گا۔ اور وہ خراب ہو جائے گی اس میں کھڑکھڑاہٹ پیدا ہو جائے گی اور وہ کسی کام کی نہ رہے گی۔

میرے بھائیو! یہی مثال قرآن پاک کی ہے کہ خالقِ کائنات نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کی ہدایت کے لیے مجموعۂ ہدایات ایک کتاب بھی بھیج دی۔ جس کا نام قرآن پاک ہے اس کتاب میں انسان کے جملہ اعضاء کا صحیح مصرف بیان فرما دیا گیا ہے اور سمجھا دیا گیا ہے کہ انسان اس طرح چلے پھرے۔ اس طرح اٹھے بیٹھے۔ اس کے ہاتھ پیر اس کام کے لیے ہیں اور آنکھیں، کان وغیرہ اس کام کے لیے۔ اس کے دل میں خدا کی یاد ہو۔ زبان پر ذکر حق جاری ہو۔ ہاتھ محتاجوں کے دستگیر بنیں۔ پیر غریبوں کی اعانت کو دوڑیں۔ آنکھیں

غیر محرموں کی طرف نہ اٹھیں۔ کان غیر مشروع آوازوں کے لیے بند رہیں ا

حضرات! انسان کی صحت و شفا اسی بات پر منحصر ہے کہ وہ قرآنی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے، اور عقل کا بھی تقاضا یہی ہے کہ جو ذات انسان کی بنانے والی ہے۔ اسی کی ہدایات کے مطابق اپنی مشینری کا استعمال کرے اور اگر ان ہدایات کو پس پشت ڈال کر اپنی مرضی سے وہ اسے استعمال کرے گا تو نتیجہ ظاہر ہے کہ انسان کے لیے صدہا مشکلات و آفات پیدا ہو جائیں گی۔ صحت و شفا باقی نہ رہے گی اور بجائے فوائد کے نقصانات کا سامنا ہو گا۔

چنانچہ میرے بھائیو! آج کل دیکھ لو، یورپ کے اشارے پر انسان نے قرآنی ہدایات سے بے نیاز ہو کر غلط راہ اختیار کر کے کیا پھل پایا ہے۔ قرآنی ہدایت کے مطابق مرد باہر کے لیے تھا، اور عورت گھر کے لیے۔ عورت کا مقام اور تھا، مرد کا اور۔ گویا یہ پیچ یہاں کا تھا۔ اور وہ پیچ وہاں کا! مگر یورپ کے کاریگروں نے اپنی مرضی سے فٹنگ شروع کر دی اور مرد کے ساتھ عورت کو بھی باہر نکال دیا۔ گویا اس طرف کا پیچ بھی اس طرف کس دیا۔ سوئی کی جگہ کیل ٹھونک دیا اور کیل کی جگہ سوئی ڈال دی، بھلا اس طرح بھی مشین ٹھیک رہ سکتی ہے؟ اس طرح تو ہزاروں نقص پیدا ہونے لگیں گے۔ دیکھ لیجیے اس یورپین فٹنگ نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ ہزاروں نت نئی بیماریاں ظاہر ہو گئیں۔ صحت و شفا کا نام تک نہ رہا۔ یورپین فٹنگ سے مسجد کا پرزہ سینما میں جوڑ دیا گیا۔ گھر کا پرزہ سٹیجوں پر لگا دیا گیا۔ غلط فٹنگ سے مشین میں کھڑ کھڑاہٹ پیدا ہو گئی۔ چنانچہ یورپین فٹنگ سے "انسانی دنیا" میں ایک شور و ہنگامہ برپا ہے اور وہ اطمینان و سکون جو قرآنی ہدایت کے مطابق زندگی گذارنے میں دل کو حاصل تھا، آج مفقود و عنقا ہے اور جس طرح غلط فٹنگ سے مشین فیل ہو جاتی ہے اسی طرح آج دل "فیل" ہو رہے ہیں اور یہ پُر درد آواز بلند ہو رہی ہے۔ کہ ؎

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

بھائیو! ایک کاریگر اپنی صنعت کسی کے سپرد کر کے اسے ہدایات بھی دیدے کہ دیکھو اسے اس طرح استعمال کرنا، مگر وہ پھر بھی اسے بگاڑ کر رکھ دے تو کاریگر اسے ضرور پوچھتا ہے کہ تم نے اسے کس طرح استعمال کیا اور اگر اس طرح استعمال کیا تو کیوں کیا؟ چنانچہ خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے:

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔

(پ ۱۵ ع ۴)

یعنی کان۔ آنکھ اور دل ان سب کے متعلق اللہ تعالےٰ نے پوچھنا ہے کہ تم نے ان سے کیا کام لیا؟ کان سے قرآن سنا۔ حدیث سنی۔ نعت سنی یا فلمی گانے سُنے؟ آنکھ سے قرآن کی مکہ معظمہ، مدینہ منورہ کی ماں باپ اور بزرگوں کی زیارت کی یا سینما، ثقافتی میلے، اور فلمی ایکٹرسوں کی تصویریں دیکھیں؟ دل میں خدا کی یاد رہی یا دنیا کی محبت بسی رہی؟ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

حق ہمی فرماید چہ آوردی مرا
اندریں مہلت کہ من دادم ترا
عمر خود را درچہ فانی کردۂ
پنج حس را در جہاں پالودۂ
گوہر دیدہ کجا فرسودۂ

یعنی خدا تعالیٰ انسان سے دریافت فرمائے گا کہ میں نے جو تجھے مہلت یعنی عمر دی تھی۔ اس مہلت میں تم میرے لیے کیا کر کے لائے تم نے اپنی عمر کیسے صرف کی؟ اپنی قوت کہاں خرچ کی؟ اور ان ہاتھوں پیروں، کانوں آنکھوں اور دل سے کیا کام لیا! بھائیو! ان باتوں کا کل جواب دینا پڑے گا اس لیے ہمیں آج ہی سنبھل جانا چاہیے، اور قرآن کی ہدایات کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے۔

شفا اور رحمت

حضرات! قرآن پاک روحانی و جسمانی امراض کے لیے شفا اور رحمت ہے۔ مگر اس سے شفا و رحمت حاصل کرنے کے لیے ایمان

ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا ہے۔ کہ ایمان
والوں کے لیے شفاء و رحمت ہے اور جو لوگ بے ایمان و ظالم ہیں۔ ان کے لیے یہ
شفا بخش نہیں بلکہ انہیں اس سے الٹا نقصان ہی پہنچتا ہے۔ چنانچہ خدا نے فرمایا
ہے کہ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا یعنی اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

بھائیو! کسی مفید و نافع چیز سے نفع و فائدہ حاصل کرنے کے لیے مزاج و طبیعت کا
درست ہونا اولین شرط ہے۔ دیکھیے خالص گھی کس قدر مفید و نافع اور مقوی ہے۔ مگر اس
کے لیے پہلے معدہ کا قوی اور درست ہونا ضروری ہے۔ اگر کسی کا معدہ کمزور اور خراب
ہو تو خالص گھی وہاں بجائے فائدہ کے نقصان پہنچائے گا۔ مرغ سالم اگر کسی سال بھر کے
بچے کو کھلا دیا جائے تو وہ بچارہ مر جائے گا، اس لیے کہ اس کا معدہ اس غذا کا متحمل ہی
نہیں۔ معلوم ہوا کہ مفید و مقوی غذا کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ معدہ تندرست اور
قوی ہو، ورنہ وہی مفید غذا نقصان دہ ہو جائے گی۔ یہی بات خدا تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ
قرآن پاک شفاء و رحمت ہے۔ مگر یہ شفاء و رحمت انہی کے لیے ہے جو ایمان والے
ہیں، اور جو بے ایمان و ظالم ہیں ان کے لیے یہ قرآن اور بھی زیادہ نقصان کا موجب بن
جاتا ہے۔ کونین ملیریا بخار کا بہترین علاج ہے مگر شرط یہ ہے کہ جب بخار اترا ہوا ہو
اس وقت کھلائی جائے۔ اور اگر بخار کے دوران میں کھلا دی جائے تو بخار اور بھی زیادہ
تیز ہو جاتا ہے۔ یونہی کفر و عناد کا بخار اترا ہوا ہو اور مزاج میں جذبۂ حق اور اعتدال ہو تو
قرآن پاک وہاں اپنا اثر دکھاتے رہے گا، اور کفر و عناد کا بخار ہمیشہ کے لیے اتر جائیگا
اور اگر کفر و عناد کے اندر ہی قرآن سنایا جائے تو بخار اور بھی زیادہ تیز ہو جائے گا اور
صورت یہ بن جائے گی کہ:

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

"یعنی ان کے دلوں میں مرض ہے۔ پس اللہ نے ان کے مرض کو اور بڑھا دیا ہے۔"

رام چندر

مجھے اچھی طرح یاد ہے، آج سے تقریباً تیس برس قبل میں کراچی گیا تھا۔
وہاں ایک مناظرہ میں میں نے آریوں کے مناظر پنڈت رام چندر کو

دیکھا جو قرآن پاک کی آیات بڑی روانی سے پڑھتا تھا اور پڑھ پڑھ کر اپنی کافر عقل
سے ان پر اعتراض کرتا تھا۔

مجھے معلوم ہوا کہ اسے بیسیوں آیات زبانی یاد ہیں مگر چونکہ وہ کافر تھا اس لیے یہ حفظ
قرآن اس کے لیے بجائے فائدہ کے نقصان کا موجب بن گیا، کیونکہ وہ خبیث قرآن کی
آیات پڑھ پڑھ کر ان پر اعتراض کر کے مزید عذاب کا مستحق بن رہا تھا۔ پڑھ تو وہ قرآن
ہی رہا تھا مگر یہ قرآن کا پڑھنا اس کے لیے وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا کے
مطابق تھا۔

قرآن کے پیچھے

میرے بزرگو! دوستو!! اور عزیزو! یہاں ایک مسئلہ بھی سمجھتے
چلیے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج نماز کا کیا ہے کسی کے
پیچھے بھی پڑھ لی جائے، ہو جاتی ہے۔ امام کوئی بھی ہو کسی بھی عقیدہ کا ہو اس سے کیا
فرق پڑتا ہے ہم تو قرآن کے پیچھے اقتدا کرتے ہیں۔ بھائیو! یہ بہت بڑی غلطی کی بات
ہے۔ قرآن سے پہلے قرآن پڑھنے والے کو بھی دیکھا جائے گا کہ وہ کس خیال کا آدمی ہے
اگر یہ بات نہیں تو پھر بتائیے اگر آگے رام چندر کھڑا ہو کر قرآن پڑھنے لگے تو کیا اس کے
پیچھے بھی یہ کہہ کر اقتدا کر لی جائے گی کہ یہاں ہم نے تو قرآن کے پیچھے نماز پڑھنی ہے۔
پڑھنے والا چاہے کوئی بھی ہو! میرا یقین ہے کہ اس صورت کو کوئی بھی تسلیم نہیں کریگا
تو ثابت ہو گیا کہ قرآن سے پہلے امام تو ضرور دیکھا جائے گا کہ وہ کس خیال کا ہے؟
اگر کوئی امام بارگاہِ رسالت کا بے ادب اور گستاخ ہو، ضروریاتِ دین میں سے کسی بات
کا منکر ہو۔ تو چاہے وہ حافظ قرآن ہی کیوں نہ ہو۔ بہترین قاری و مدرس اور مبلغ بھی
کیوں نہ ہو اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ ہو گی۔ سب سے پہلے اس امام کو دیکھا جائے گا کہ
اس کے دل میں ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ نہیں۔

ادب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادب و احترام
سارے فرائض کی جان ہے۔ اگر یہی نہیں تو لاکھ نمازی
بن جائیے، غازی بن جائیے۔ قائم اللیل و صائم النہار ہو جائیے۔ تدریس و تبلیغ کے امام

ہوجائیے، کچھ بھی فایدہ نہیں۔ افسوس کہ آج کل بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صاحب! دیکھئے وہ کتنے بڑے عابد و عامل اور عالم و مبلغ ہیں انہوں نے کتنی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ وہ کتنے بڑے مفسرِ قرآن اور کتنے عظیم مفکر ہیں۔ اگر ذرا سی فلاں بات انہوں نے لکھ دی تو اس سے کیا ہوگا؟

ایک مثال

بھائیو! دیکھو اگر کوئی شخص ایک مسجد تیار کرے اور کروڑوں روپے خرچ کرکے وہ اس کی ایک ایک اینٹ سونے کی لگائے اس کے گارے میں ہزاروں روپے کا عطر ملا دے۔ اس کا چھت لاکھوں روپے صرف کرکے چاندی کا بنادے اور پھر اس کے اندر لاکھوں روپے کے غالیچے بچھادے چھت پر ہیرے وجواہرات اور قیمتی فانوس لگا دے مگر اتنی سی غلطی کرجائے کہ اس کا رُخ قبلہ کی طرف نہ رکھے تو فرمایئے اس عظیم الشان مسجد میں جو نماز پڑھی جائے گی، کیا وہ ہوجائیگی؟ مجھے یقین ہے کہ آپ سب کہیں گے کہ نہیں صاحب! جب اس کا رُخ ہی قبلہ کی طرف نہیں تو نماز کیسے ہوسکتی ہے، کیوں جناب!! اب اگر کوئی باتونی یہاں بھی اپنا دینی فلسفہ چھانٹنے لگے کہ واہ صاحب واہ! آپ مسجد کی سونے کی اینٹیں نہیں دیکھتے کہ کس قدر قیمتی ہیں۔ اس کی چھت دیکھیے کتنی شان دار اور لاکھوں روپے کی ہے، اس کے اندر! قیمتی اور گراں قدر غالیچے دیکھیے کہ کس شان کے اور کتنے گراں مایہ ہیں۔ اتنی قیمتی خوبصورت دیدہ زیب، بے مثال اور بے نظیر عمارت کے ہوتے ہوئے اگر ذرا سا اس کا رُخ قبلہ کی طرف سے ہٹا ہوا ہے تو اس سے کیا ہوگیا؟ تو فرمایئے!! اس باتونی کو آپ کیا جواب دیں گے؟ یہی نا! کہ میاں مسجد کی یہ ساری شان و شوکت دراصل کچھ بھی نہیں۔

میرے بھائیو! خوب سمجھ لو کہ تمہاری یہ ساری عبادتیں، ریاضتیں، مجاہدے اور ساری نمازیں اور روزے اسی وقت کارآمد ہیں جبکہ تمہارے دل کا رُخ محبوب کبریا حضور احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو اور اگر تمہارا یہی رُخ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹا ہوا ہے، اور معاذ اللہ تمہارا دل ان کے مقدس خیال سے بھی کتراتا ہے اور اگر خیال لاتا ہے تو گاؤ خر کا۔ تو تمہاری یہ جملہ عبادات ریاضات

اس شاندار مسجد کی طرح ہیں جس کا رُخ قبلہ کی طرف نہیں۔ نہ اس میں کوئی نماز جائز اور نہ تمہاری ہی کوئی عبادت مقبول شاعر نے خوب لکھا ہے کہ ؎

محمدؐ کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اور ایک دوسرے شاعر نے لکھا ہے کہ ؎

نماز اچھی، حج اچھا، روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

اور اعلیحضرت نے لکھا ہے کہ ؎

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

میرے بھائیو! جن کے دل کا رُخ درست ہے ان کی نغمہ سرائی اس طرح ہے ؎

جنت بھی لینے آئے تو چھوڑیں نہ یہ گلی
منہ پھیر بیٹھیں ہم تری دیوار کی طرف
منہ اس کا دیکھتی ہیں بہاریں بہشت کی
جس کی نگاہ ہے ترے رخسار کی طرف
کعبے کے صدقے دل کی تمنا مگر یہ ہے
مرنے کے وقت منہ ہو درِ یار کی طرف

رُخ اگر درست ہوگیا تو کام بن گیا۔ بھائیو! اس سونے کی مسجد سے جس کا رُخ درست نہیں، گھاس پھونس کی وہ مسجد جس کا رُخ درست ہے لاکھ درجہ اچھی بلکہ وہی اچھی کہ گھاس پھونس کی سہی مگر ہے تو قبلہ رُخ۔ اسی طرح اس بہت بڑے عابد و عالم مگر گستاخِ رسول سے وہ گنہگار باادب لاکھ درجہ اچھا بلکہ وہی اچھا کہ گنہگار سہی مگر ہے

توانی کاسہ

زاہداں کا میں گناہ گار وہ شافع میرے
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

بھائیو! اس سونے کی لگر ٹیڑھی مسجد میں جتنی نمازیں بھی پڑھو گے، سب بیکار جائیں گی۔ اسی طرح کج دل امام کے پیچھے بھی جتنی نمازیں پڑھو گے، کوئی بھی نہ ہوگی۔

لطیفہ

مگر آجکل کا زمانہ بھی عجیب ہے بعض لوگوں کو لاکھ سمجھائیے وہ یہی کہتے ہیں صاحب! ہماری نماز تو ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ اثناءِ وعظ میں انہوں نے کہا۔ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ ہو جاتی ہے۔ مولوی صاحب نے پوچھا وہ کیسے؟ وہ کہنے لگا وہ ایسے کہ میں نے خود کئی بار پڑھی ہے۔ میری تو ہو جاتی ہے۔

سمجھے آپ! اس نادان نے "نہیں ہوتی"، کا مطلب یہ سمجھا۔ کہ رکوع و سجود کے لیے جھکنا مشکل ہو جاتا ہے اور آدمی کھڑے کا کھڑا رہ جاتا ہے۔ حالانکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز درست نہیں اور مقبول نہیں ہوتی اور ادا نہیں ہوتی، کچھ اسی طرح کا معاملہ ان لوگوں کا بھی ہے کہ امام کوئی بھی ہو ہم تو پیچھے پڑھ لیں۔ تو ہماری نماز تو ہو جاتی ہے۔ آپ کیسے کہتے ہیں، کہ نہیں ہوتی۔ ہاں تو بھائیو! میں کہہ رہا تھا کہ یہ قرآن پاک شفاء و رحمت ہے نہ صرف روحانی امراض ہی کے لیے بلکہ جسمانی امراض کے لیے بھی!

حدیث پاک

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛

فِی فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ شِفَاءٌ مِّنْ کُلِّ دَاءٍ (مشکوٰۃ شریف ص۱۸۱)

"یعنی سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری کے لیے شفاء ہے۔"

ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حق ہے اور قرآن پاک کا شفاء ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ آج اگر اس مادی دنیا میں کوئی فلسفہ کا مارا ہوا انکار کرے تو کرے، صاحب ایمان کا تو یقین ہے کہ خدا و رسول کا ہر ارشاد حق ہے۔ عقل سے بھی پوچھ کر دیکھ لیجیے کہ ڈاکٹر کی مکسچر میں جو محض ایک پانی ہی ہے یا اس میں

کوئی دوائی جو پیس کر ملائی گئی ہے۔ محض چند ذرات ہی تو ہیں یا یہ جو جڑی بوٹیاں ہیں محض کچھ پتے اور شاخیں ہی تو ہیں تو جس خدا نے ان حقیر بوندوں، معمولی ذروں اور سادہ شاخوں اور پتوں میں شفاء رکھ دی ہے وہی خدا اگر اپنے عظیم الشان کلام پاک میں شفاء رکھ دے تو اس میں انکار کی کون سی وجہ ہے؟

ایک شبہ کا ازالہ

ہاں اگر آپ کو یہ شبہ ہو کہ قرآن پاک میں اگر شفاء ہے تو ہم اگر کوئی آیت یا سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونکیں تو شفاء کیوں نہیں ہوتی! تو میں ایک گولی بھرا کارتوس پیش کر کے پوچھوں گا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ گولی بھرا کارتوس شیر کو بھی مار سکتا ہے مگر میں نے تو اس کارتوس کو اپنے ہاتھ سے ایک چڑیا پر پھینک کر دیکھا ہے کہ اس سے چڑیا بھی نہیں مر سکی تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے؟ یہی نا کہ صاحب! اس کارتوس کا اثر دیکھنا ہے تو اس کے لیے بندوق کا منہ لائیے یہ جب بندوق کے منہ سے نکلے گا، اس وقت اپنا اثر دکھائے گا۔ آپ کے ہاتھ سے نکل کر یہ کیا کرے گا

حضرات! خوب سمجھ لیجیے کہ قرآن پاک کی تاثیر کے لیے بھی منہ کسی اللہ کے مقبول کا چاہیے جس منہ سے ہزار بار جھوٹ غیبت اور کفر تک کے کلمات بکے جائیں اس منہ سے اگر یہ کلام نکلے تو اپنا کیا اثر دکھائے؟ قرآن میں تو یقیناً شفاء ہے۔ ہمارا منہ ہی اس کے قابل نہ رہا۔

حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت بابا فرید شکر گنج علیہ الرحمۃ نے ایک بار ایک بخار والے پر سورۃ فاتحہ کا دم کیا تو اس کا بخار اتر گیا۔ ایک شخص نے یہ قصہ دیکھا تو دل میں سوچا کہ بڑا اچھا کونین ہاتھ آئی، اپنے شہر جا کر یہی کام شروع کروں گا۔ چنانچہ اپنے گھر آیا تو ڈونڈی پٹوا دی کہ جسے بخار ہو میرے پاس آئے، پل بھر میں بخار اتار دوں گا۔ دوسرے روز ایک بیمار آیا۔ اس نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور پھونک ماری۔ مگر اس کا بخار نہ اترا، بڑا حیران ہوا، دوسرے روز حضرت بابا صاحب کے پاس آیا اور پوچھا حضرت! یہ کیا بات ہے کہ آپ سورت فاتحہ پڑھ کر دم کریں تو بخار اتر جائے اور میں اگر وہی سورت فاتحہ پڑھ کر دم کر دوں تو بخار نہ اترے!

فرمایا: میاں! سورت فاتحہ تو وہی ہے مگر منہ تمہارے پاس فرید کا نہیں۔

بھائیو! منہ اپنا قرآن پاک کے لائق بناؤ۔ قرآن پاک میں تو وہی تاثیر واثر ہے مگر ہمارے اعمال کی وجہ سے کچھ ایسے پردے حائل ہو جاتے ہیں جو اس کا اثر ہم تک پہنچنے نہیں دیتے۔

تاثیرِ قرآن

میرے بھائیو! قرآن پاک میں اتنی تاثیر اور اتنا زور ہے کہ اگر یہ پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو ان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (پ ۲۸ ع ۶)

"یعنی اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ اللہ کے ڈر سے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔"

اسی طرح نیک سرشت اور سعید فطرت افراد جب اس قرآن پاک کو سنتے ہیں تو ان پر اس کا اثر اتنا ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں خوفِ خدا سے آنسو بہانے لگتی ہیں۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے:

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ (پ ۷ ع ۱)

"یعنی جب وہ قرآن پاک سنتے ہیں تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ابل پڑتی ہیں"

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ لکھتے ہیں کہ نجاشی بادشاہ کی درخواست پر جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اس کے دربار میں سورۂ مریم اور سورہ طٰہٰ کی آیات پڑھ کر سنائیں تو نجاشی بادشاہ اور اس کے درباری جن میں اس کی قوم کے علماء موجود تھے، سب زار و قطار رونے لگے۔ اسی طرح نجاشی کی قوم کے ستر آدمی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضورؐ سے سورہ یٰسین سنکر بہت روئے تھے۔

حضرات! قرآن پاک کی تاثیر ایک مسلم حقیقت ہے مگر آج اگر کسی پر اس کا اثر نہ ہوتا دکھائی دے تو اس کی وجہ ہماری اپنی کوتاہیوں اور غفلتوں کے پردے ہیں۔

پاور ہاؤس

دیکھئے میں ایک عام فہم مثال سے آپ کو سمجھاؤں۔ بجلی کا ایک بہت بڑا پاور ہاؤس ہو اس سے اگر لاکھوں وولٹ کی بجلی کسی تانبے کے تار سے دوڑائی جائے تو بجلی اپنی پوری طاقت سے اس میں دوڑنے لگے گی مگر راستے میں اگر کسی جگہ ربڑ یا لکڑی کی معمولی تہ حائل ہو جائے تو بجلی کا اثر وہ زائل کر دیتی ہے اسی طرح قرآن پاک کی برقِ باطن اس کے الفاظ و حروف اور اس کی تلاوت کے تاروں میں مخفی و پنہاں اور موجود ہے۔ مگر غافل انسانوں کے جسم اور زبانیں چونکہ طرح طرح کے مخالف و مانع اثر مادوں سے ملوث و آلودہ ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ قرآن پاک کے اثر کو واقع نہیں ہونے دیتے۔

میرے بھائیو! بجلی کی بات چلی ہے تو یہ بھی سمجھ لیجئے کہ بجلی سے مستفید ہونے کے لیے جو شخص وارنگ کرا کے بڑے اہتمام سے اس کی تاریں گھر لائے گا اور قواعد و ضوابط کے مطابق اس سے فائدہ حاصل کرنا چاہے گا تو یہ بجلی اس کے لیے رحمت بن جائے گی۔ اس کی تاریکی کو اجالے سے بدل دے گی اس کے کئی کام کرنے لگے گی اور اس کے لیے کئی سہولتیں مہیا کر دے گی۔

اور اگر شرارت سے اس کی تار کو چھوئے گا تو یہی بجلی ایک جھٹکے سے اس کا جھٹکا کر دیگی۔

یونہی قرآن پاک ایک ایسی مقدس برقِ باطن ہے کہ نیک نیتی، حسنِ خلوص اور جذبۂ ایمان سے اگر اس کو سنا جائے تو یہ شفاء و رحمت ہے۔ تاریکیوں کو اجالوں سے بدل دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

اور اگر محض بغض و عناد اور اعتراض کرنے کی خاطر رام چندر کی طرح اسے پڑھا سنا جائے تو ایسا شخص يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا کے مطابق گمراہی کا جھٹکا کھا کر دین و دنیا کی ہلاکت مول لے لیتا ہے۔

اسی لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ شِفَاۤءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ

اِلَّا خَسَارًا

"یعنی ایمانداروں کے لیے یہ شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے لیے موجب نقصان"

گانوں کی دنیا

میرے بھائیو! آجکل تو گانا بجانا عام ہے گویا آجکل قرآن پاک کی برقی رو میں گانے کا ریڈار بجانے کی لکڑی حائل ہے۔

حاجی حق حق نے لکھا ہے ؎

لگا یاد خدا میں دل ترانہ
مگر گا یا کئے فلمی ترانہ

بھائیو! قرآن پاک آج کل بڑا مظلوم ہے۔ چاہیے تو یہ تھا۔ کہ مسلمان یہ گانے بجانے بالکل چھوڑ دیتا اور قرآن پاک سنتا سناتا مگر کس قدر ظلم ہے کہ گانے بجانے کی مجلسوں اور ثقافتی و غیر شرعی میلوں کا انتظام کیا جاتا ہے، اور ان کا افتتاح تلاوت قرآن سے کیا جاتا ہے۔ اخبارات کو دیکھئے تو پیشانی پر آیت قرآن یا کسی حدیث کا ترجمہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور پھر سارے صفحات میں فلمی ایکٹرسوں کی تصاویر، کھیلوں اور ڈراموں کی تشہیر اور غیر شرعی تقاریب کے اعلانات ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کوئی شخص کسی کو ماں بہن کی گالی دینے لگے تو پہلے پڑھ لے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" فرمایئے! گانے بجانے کی مجلسوں اور غیر شرعی تقریبوں کے افتتاح پر قرآن پڑھنے والوں کو قرآن کیا کہتا ہوگا۔

حدیث میں وارد ہے کہ بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ یعنی وہ فرماتا ہے کہ "ظالم! مجھے کس موقعہ پر پڑھ رہے ہو!"

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "کہ بعض لوگ قرآن پڑھتے ہیں لیکن قرآن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترتا یعنی وہ قرآن کے ارشادات پر عمل نہیں کرتے۔

ثقافتی و غیر شرعی میلے

مثلاً ایک ایسا اجتماع ہو جس میں گانے بجانے اور ناچ وغیرہ کا انتظام ہو یا کسی ڈرامے وغیرہ لغویات کا پروگرام ہو اور پڑھنے والا یہ آیت پڑھے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (پ ۲۱، ع ۱۰)

اس کا ترجمہ یہ ہے

"کہ کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی بنالیں۔ ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔"

فرمایئے! اس آیت کو پڑھ کر قرآن پاک پر عمل کرنے والا کیا گانے بجانے اور اس قسم کی خرافات کے نزدیک بھی جائے گا؟ مگر کتنے ظلم کی بات ہے کہ قرآن ہی کے خلاف چلنے کے لیے قرآن پڑھا جاتا ہے۔

لطیفہ

کہتے ہیں۔ ایک بہت بڑے لنچ میں بڑے بڑے امیر جمع تھے اور پلاؤ بریانی۔ مرغ مسلم اور طرح طرح کے مرغن کھانے اڑائے جارہے تھے۔ اور اس لنچ پارٹی میں جو بینڈ بج رہا تھا، اس کی دھن یہ تھی :

"دنیا میں غریبوں کو آرام نہیں ملتا"

اسی طرح کسی جشن شادی میں کوٹھی پر چراغاں ہو رہا تھا اور کوٹھی کا کونہ کونہ چمک رہا تھا۔ باجے والے باجہ اس دھن میں بجارہے تھے۔

"گھر گھر میں اجالا ہے مرے گھر میں اندھیرا"

مطلب یہ کہ جیسی محفل ہو اسی کی مناسبت سے ہر کام موزوں رہتا ہے۔ گانے بجانے کی محفلوں اور فلمی اخبارات میں قرآن پاک کی آیات کا کیا کام -! مگر یار لوگوں کا تو عمل شاید اس شعر پر ہے۔

واقعی کیا چیز ہے اپنا دلِ ناشاد بھی
ذکر حق بھی ہوتا جاتا ہے بتوں کی یاد بھی

آجکل

قرآن نے تو جو کچھ فرمایا۔ آپ نے سن لیا کہ بعض لوگ کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں اور اللہ کی راہ سے بہکاتے ہیں۔ اس آیت کے ساتھ ہی آگے پھر ارشاد ہوتا ہے :

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا کَاَنَّ فِیْٓ اُذُنَیْہِ وَقْرًا فَبَشِّرْہُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (پ ۲۱ ع ۱۰)

"یعنی جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو تکبر کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔ گویا دونوں کان اس کے بہرے ہیں تو اُسے دردناک عذاب کا مژدہ دو۔"

اِن آیات کو پڑھنے کے بعد ذرا آج کل کے حالات دیکھئے کیا یہ ناول۔ ریڈیو۔ ناچ رنگ کی محفلیں ڈانس اور ڈرامے اللہ کی راہ سے نہیں روک رہے! کیا ان امور کے مرتکب اللہ کی بات سننے کے لیے تیار ہیں؟ کسی ہوٹل میں چلے جائیں جہاں صرف ریڈیو بج رہا ہو۔ آپ کو اذان کی آواز سنائی نہ دے گی۔ یہ مسلمان کہلانے والے اذان جمعہ کے وقت بھی ریڈیو بند نہیں کرتے بلکہ اب تو مسجدوں کی دکانوں میں جو ہوٹل ہیں ان میں بعض لوگ ریڈیو کی آواز اتنی بلند کر دیتے ہیں کہ مسجد کے نمازی نماز نہیں پڑھ سکتے مگر کس کی مجال کہ روکے یا منع کرے۔ ایک وقت تھا کہ ہندو کی مجال نہ تھی کہ مسجد کے قریب باجا بجاتا ہوا گذرے۔ مگر اب وہی مسلمان یا ان کی اولاد خود توہین مسجد کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ان کی اس حرکت سے نمازیوں کی نمازیں بے ذوق ہیں۔ ان کے ہوٹلوں میں بیٹھے ہوئے گاہک نماز چھوڑ دیتے ہیں۔ یہی لَھْوَ الْحَدِیْث ہے۔ مفسرین نے احادیث سے ثابت کیا ہے کہ لہو الحدیث سے مراد گانا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہاں تو بھائیو! قرآن پاک شفاء و رحمت ہے۔ اور لاریب ایک نسخۂ کیمیا ہے۔ یہ نسخۂ کیمیا وہ طبیب روحانی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے جو خود سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ اس نسخۂ کیمیا سے روحانی امراض مثلاً شرک و کفر اور گناہوں کی نجاستیں بھی دُور ہوئیں اور جسمانی امراض بھی دور ہوئے۔ قرآن پاک کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی کو لیجیے۔ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ قیصر روم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف

لکھا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتی ہے۔ جو کسی وقت نہیں جاتی، میرے لیے کوئی دوا بھیجیے جس سے میری یہ تکلیف جاتی رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اسے ایک ٹوپی بھیج دی، اور فرمایا کہ اسے اپنے سر پر پہن لو۔ قیصر روم نے وہ ٹوپی سر پر رکھی تو درد فوراً جاتی رہی پھر جو اس نے ٹوپی سر سے اتاری تو درد پھر شروع ہو گئی۔ اسی طرح جب وہ ٹوپی سر پر رکھتا تو درد سے آرام آ جاتا، اور جب اسے اتار دیتا، تو درد سر شروع ہو جاتی۔ قیصر بڑا حیران ہوا۔ اس نے ٹوپی کے اندر غور سے دیکھا تو اندر ایک کاغذ تھا۔ جس پر لکھا تھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" (تفسیر کبیر ص ۲ ج ۱)

معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی ایک ایک سطر رحمت و شفا ہے مفلسی غلامی، زیردستی ذلت و نکبت یہ بھی ایک قسم کی بیماریاں ہی ہیں، میرے بھائیو! قرآن پاک میں ان سب قسم کی بیماریوں کا علاج موجود ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ قرآن پاک ہر مرض کے لیے شفا اور ہر زحمت کے ازالہ کے لیے رحمت بن کر آیا ہے۔ ہمارے اسلاف جو عزت و عظمت کے تخت نشین تھے۔ اسی قرآن کی بدولت اور ہم جو کر رہے ہیں اسی قرآن سے بے نیازی کے سبب، ؎

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

نورانی تاج

حضرات! اب ایک حدیث پاک سنئے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس شخص نے قرآن پڑھا اور اس پر عمل کیا۔

اُلْبِسَ وَالِدَاہُ تَاجًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ضَوْءُہٗ اَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ (مشکوٰۃ ص ۱۸۶)

"اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز ایک ایسا نورانی تاج پہنایا جائے گا۔ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ حسین ہو گی۔"

مبارک ہیں وہ ماں باپ جو اپنے بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں اور بڑے ہی بدنصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے بچوں کو اور تو سب کچھ پڑھا دیتے ہیں۔ مگر قرآن

نہیں پڑھاتے ـــــ مسلمانو! میں یہ نہیں کہتا کہ اپنے بچوں کو انگریزی نہ پڑھاؤ، پڑھاؤ اور شوق سے پڑھاؤ! مگر خدارا سب سے پہلے انہیں قرآن بھی پڑھاؤ اور اس پر عمل کرنا سکھاؤ۔ اس میں تمہارا اپنا فائدہ ہے۔ قیامت کے روز نورانی تاج پہنو گے۔ مرنے کے بعد تمہارا بچہ قرآن پڑھا ہوا ہو گا تو قرآن پڑھ کر تمہیں بخشے گا۔ ورنہ بلی اور چوہا اور کیٹ و ریٹ پڑھ پڑھ کر تمہارا کفن کترنے کو بلیاں اور چوہے ہی بھیجا کریگا۔ بھائیو! خوب یاد رکھو! کہ اگر سب کچھ پڑھ لیا، اور سب کچھ بن گئے۔ مگر قرآن ہی نہ پڑھا تو کچھ بھی نہ پڑھا اور کچھ بھی نہ بنا ؎

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
پھر اس کی کیا خوشی کوئی ڈپٹی ہے کوئی جج ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما

یہیں سے یہ مسئلہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب ایک امتی جو قرآن پڑھتا ہے اس کے ماں باپ کو قیامت کے روز نورانی تاج پہنایا جائے گا تو خود وہ وجود باوجود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن پر قرآن اترا، اور جو خود قرآن ناطق ہیں۔ ان کے والدین کریمین کی قیامت کو جو تعظیم و تکریم ہو گی اس کا بیان کون کر سکتا ہے؟ اور کیا یہ بات قرین قیاس بھی ہے کہ غلاموں کے والدین کی تو عزت و تکریم ہو اور آقا کے والدین کریمین کی کوئی عزت و تکریم نہ ہو۔

بہر حال مبارک ہیں قرآن پڑھنے والے، اور بدنصیب ہیں اس سے بے نیاز رہنے والے! خدا تعالے ہمیں قرآن پڑھنے پڑھانے، اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے آمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

انتالیسواں وعظ
۳۹

ضرورتِ حدیث

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہ

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ
وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا
عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ط (پ ۲۸ ع ۱۶)

”اور اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو پھر اگر تم منہ پھیر دو تو جان لو ہمارے رسول پر صرف صریح پہنچا دینا ہے“

حضرات! آج میرے وعظ کا عنوان ہے۔ "ضرورتِ حدیث" یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات کی اہمیت وعظمت اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی اطاعت کی ضرورت! مجھے آج یہ بیان کرنا ہے اور اس حقیقت کو ظاہر کرنا ہے کہ قرآن پاک کے ہوتے ہوئے بھی بجز حدیثِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم قرآنِ پاک کی ہدایات سے کبھی مستفید نہیں ہو سکتے۔

میرے بھائیو! آج کل کے اس مادر پدر آزاد دور میں لوگ شرعی واخلاقی ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو جانا چاہتے ہیں۔ دین اور مذہب انسان کو انسانیت کی سطح سے گرنے نہیں دیتا اور اُسے اپنی گرفت میں رکھ کر عریانی وفحاشی اور بے راہ روی وغیرہ ہر قسم کی غیر انسانی حرکت سے محفوظ رکھتا ہے۔ مگر بُرا ہو آج کل کی لادینی روش کا کہ اس نے انسان کو انسانیت کی سطح سے گرا کر حیوانیت کے عمیق ترین گڑھے میں ڈال دیا ہے۔

بے حجابی وعریانی۔ فحاشی وبے حیائی۔ مخلوط تعلیم کے جوان لڑکوں اور لڑکیوں کی اخلاق سوز حرکات۔ ناٹکوں، سینماؤں، تھیٹروں اور کلبوں میں عریاں ناچ اور رقص گانے، جوان عورتوں اور مردوں کا بے حجاب اور آزادانہ چلنا پھرنا اور ملنا جلنا۔ رقص وسرود شراب خوری کے ذریعہ عیاشی وہوس رانی کرنا۔ عام سودی لین دین۔ سٹہ بازی اور ریس کورس میں کھلم کھلا جوا کھیلنے کو تہذیب وفیشن سمجھنا وغیرہ وغیرہ، جتنی بھی غیر شرعی وغیر انسانی حرکات ہیں۔ دین ومذہب ان سب غیر شرعی وغیر انسانی حرکات سے مسلمان کو دور رکھتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سر چشمۂ دین قرآنِ پاک کی تشریح وتفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور آپ کی احادیث مقدسہ نے قرآنی ہدایات کے اجمال کو تفصیل کے ساتھ بیان فرما کر اس قسم کی جملہ حیوانی حرکات سے مسلمان کو الگ رکھا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تفصیلی ارشادات کی تبلیغ وتشہیر علماءِ کرام نے کی ہے۔

تو جن لوگوں کی آزاد طبائع ان ارشادات کی متحمل نہ ہو سکیں اور جنہوں نے عریانی وفحاشی کے ماحول سے نکلنا پسند نہ کیا۔ انہوں نے قرآنی ہدایات کے اجمال سے اپنی خواہش کے مطابق فائدہ اٹھانے کے لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے تفصیلی ارشاد یعنی حدیث اور اس ارشاد کے مبلغ یعنی "مولوی" کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور حدیث پاک کی ہدایات کی پابندیوں سے آزاد ہو جانے کے لیے کوشش شروع کر دی۔ چنانچہ منکرینِ حدیث نے اپنے کتابچہ "دو اسلام" میں لکھ دیا کہ؛

"آج ساری ملت اسلامیہ حدیث کی اس ساحری میں گرفتار ہے۔ رہنما بے چین ہیں کہ حدیث کی گرفت سے آزاد ہو جائیں" (صـ۶۴)

گویا حدیث پاک کے ارشادات مادر پدر آزادی کے لیے سدِ راہ ہیں اور آجکل کے یہ نئے اور ماڈرن "رہنما" اس گرفت سے آزاد ہونے کے لیے بے چین ہیں۔

پھر اسی کتابچہ کے صـ۳۲ پر لکھا ہے کہ

"موجودہ مُلاّ اور پیر اسلام کے تابناک چہرے پر ایک جذامی پردہ ہے۔ جس سے اپنے پرائے سب اسلام سے بیزار ہو رہے ہیں قدرت اب زیادہ دیر تک قرآن پر حدیث کے مظالم کو برداشت نہیں کرے گی"

مُلاّ اور پیر چونکہ حدیث پاک کی ہدایات کے مبلغ ہیں۔ اور یہ ہدایات ملحد کے لیے ایک قید اور گرفت ہے۔ اس لیے ملحد کی نظر میں مُلاّ اور پیر دونوں کھٹکتے ہیں۔ ملحدین کی جرأت وبیباکی ملاحظہ کیجئے کہ محسنِ انسانیت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک جو قرآن کی صحیح تفسیر وتشریح ہے، وہ تو ان ملحدین کے نزدیک قرآن پر مظالم ہیں، اور مُلاّ و پیر جو قرآن وحدیث کو باعثِ نجات دارین سمجھتے ہیں۔ وہ تو اسلام کے تابناک چہرے پر جذامی پردہ ہیں۔ باقی عریانی،

فحاشی کے اڈے، رقص وسرود اور میخواری کے ناپاک شغل، مغربی تہذیب کی
عیاشی وہوس رانی۔ سود در شوت اور سٹہ بازی وقمار بازی اور دنیا کی
خاطر عیاری ومکاری اور غداری، مغربی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر اللہ
کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی
احادیث مبارکہ کی حجیت سے انکار یہ سب قرآن مجید پر مغرب زدہ ملحد کے
عظیم الشان احسان ہیں، اور یہ ساری ناپاک حرکتیں اسلام کے تابناک چہرے
پر مغربیت کے لیے گویا خوشنما خال ہیں ؂

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حضرات! میرا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کے اجمال کی تفصیلی ہدایات
حدیث پاک میں ہیں۔ اور یہی تفصیل دین ہے اور دین ہر غیر شرعی وغیر انسانی
حرکت سے روکتا ہے۔ اس لیے جو سلیم الفطرت انسان ہے وہ ان ہدایات
کو بسر وچشم قبول کرتا ہے اور جو ایسا نہیں وہ اِن دینی ہدایات سے بدکتا ہے
خوب لکھا ہے شاعر نے کہ ؂

ٹٹو پہ جس طرح سے ہے تازی کی زین بوجھ
ہے ملحدوں پہ یونہی محمدؐ کا دین بوجھ

اطاعت

میرے بھائیو! میں نے جو آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے
اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے۔
اب دیکھنا ہے کہ "اطاعت" کسے کہتے ہیں۔ ہر لغت کی کتاب میں ہے، کہ
اطاعت فرماں برداری کا نام ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اطاعت کرنے کے
لیے ایک فرمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی بادشاہ اپنی اطاعت کروانا
چاہے تو پہلے فرمان جاری کرے گا۔ جس پر عمل کرنے والے مطیع وفرماں بردار
اور نہ کرنے والے عاصی اور نافرمان سمجھے جائیں گے۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کی

اطاعت کے لیے اس کے فرمان کی ضرورت ہے۔ اور اسی طرح رسول کی اطاعت
کے لیے ان کے فرمان کی ضرورت ہے۔ اب دیکھیے، خدا تعالےٰ کا فرمان تو
قرآن مجید ہے جس پر عمل کرنے کے ہم مامور ہیں اور اس پر عمل کرنے سے ہم
اللہ کے مطیع سمجھے جائیں گے۔ اب رہا، رسول کا فرمان تو وہ احادیث شریفہ
ہیں۔ جو کوئی ان احادیث پر عمل کرے گا۔ وہ رسول کا مطیع سمجھا جائے گا۔

رسول سے مراد

حضرات! اس حقیقت کے باوجود منکرین حدیث یہاں
رسول سے مراد قرآن مجید لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ کہ جہاں
رسول کی اطاعت کا حکم ہے۔ وہاں رسول سے مراد قرآن ہے، چنانچہ منکرین
حدیث کے بانی عبداللہ چکڑالوی نے لکھ دیا ہے کہ

"قرآن مجید اور محمد رسول اللہ سلامؑ علیہ بے شک دو چیزیں ہیں
لیکن آپ کی فرماں داری کا قرآن میں کسی جگہ حکم نہیں ہوا۔ بلکہ جس
کی فرمانبرداری کا حکم آیا ہے۔ اس سے مراد صرف قرآن مجید ہے"
(برہان القرآن مؤلفہ عبداللہ چکڑالوی ص۱۲)

اور اسی خیال باطل کی تشہیر آج تک کے منکرین حدیث کر رہے ہیں۔
چنانچہ آجکل کے منکرین حدیث نے اپنی کتاب "مقام حدیث" میں لکھا ہے کہ

"اطاعت صرف خدا کی ہوسکتی ہے۔ کسی انسان کی نہیں حتیٰ کہ رسول بھی
اپنی اطاعت کسی سے نہیں کرا سکتا" (مقام حدیث ص۴۸۶)

دیکھ لیجئے۔ ان لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت
کا کوئی حکم نہیں۔ اس لیے یہ جائز نہیں اور قرآن میں جہاں رسول کی اطاعت کا
حکم آیا ہے۔ وہاں رسول سے مراد قرآن مجید ہے۔
میرے بھائیو! شاعر نے سچ ہی کہا ہے کہ ع
خدا جب دین لیتا ہے حماقت آجاتی ہے
اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں رسول سے مراد قرآن لینا بہت بڑی حماقت ہے۔

اس لیے کہ آپ معلوم کر چکے کہ اطاعت کے لیے فرمان کی ضرورت ہوتی ہے خدا کا فرمان قرآن ہے اور رسول کا فرمان حدیث ہے۔ اور اگر بقول منکرین حدیث رسول سے مراد قرآن مجید ہے۔ تو پھر یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہو گی کہ قرآن جو خود فرمان الٰہی ہے اس کا بھی کوئی فرمان ہے مثلاً خدا تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ۔ تو اقیموا الصلوٰۃ کا بھی کوئی فرمان ہو گا۔ جس کی فرماں داری سے رسول یعنی قرآن کی اطاعت ہو گی۔ اس لیے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ مطاع میں یعنی جس کی اطاعت کی جائے اور اس کے حکم و فرمان میں مغائرت ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مطاع خود ہی اپنا فرمان ہو۔ فرماں روا اور ہے۔ فرمان اور، اور فرماں بردار اور، تو اگر رسول سے مراد قرآن ہی ہے۔ تو بتاؤ کہ قرآن کی اطاعت کس طرح کرو گے۔ قرآن کا وہ کون سا فرمان ہے جو قرآن سے مغائر ہے اور فرمان قرآن ہے۔ مسلمانو! قرآن تو خود فرمانِ الٰہی ہے۔ اس فرمان کا فرمان کیسے ہو سکتا ہے؟ پس آیت شریفہ میں رسول سے مراد حضور سرورِ عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور ان کا فرمان حدیث ہے۔ جس کو ماننے سے اور ان پر عمل کرنے سے " اَطِیْعُوا الرَّسُوْل " کے فرمان کی تعمیل ہو سکتی ہے قرآن کا یہی حکم ہے کہ رسول یعنی حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے۔ اور قرآن میں جہاں کہیں بھی " اَلرَّسُوْل " کی اطاعت کا حکم آیا ہے۔ وہاں رسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اس لفظ کو اور کوئی معنی نہیں پہنایا جا سکتا۔ دیکھئے! قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ ط (پ ۹ ع ۹)

اس آیت میں اہل کتاب میں سے مشرف بالایمان ہونے والوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ " وہ اس رسول کی اتباع کرتے ہیں جو نبی اور امیؔ ہے اور تورات و انجیل میں اس کا نام آیا ہے "۔

حضرات! ذرا غور فرمائیے کہ یہاں " رسول " سے مراد بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

دوسری اور کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ رسول سے مراد اگر قرآن ہو تو کیا قرآن کو نبی اور امیؔ کہا گیا ہے اور کیا قرآن کو امیؔ کہا جا سکتا ہے؟ میرے بھائیو! اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ " رسول " سے مراد کوئی انجمن، یا کوئی جمہوری ادارہ یا کوئی ماڈرن لیڈر۔ یا کسی خاص معیار کا کوئی عالم بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہو، تو آیت کی رُو سے اس انجمن یا ادارہ یا لیڈر میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہے کہ اس کا ذکر تورات و انجیل میں آ چکا ہو اور وہ نبی بھی ہو اور امیؔ بھی ہو۔

ابدی اطاعت

میرے بھائیو! اطیعوا الرّسُول کا ارشاد صاف بتا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہم پر لازم ہے اور یہ کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ یہ نہیں کہ اطاعت میعادی ہے۔ کسی خاص زمانہ تک کے لیے ہے اور پھر اس زمانہ کے بعد اطاعت کا مرکز کوئی اور خاص چیز بن جاتی ہے۔ میرے بھائیو! قرآن میں جا بجا اطاعت رسول کا حکم ہے مگر کوئی اشارہ تک نہیں کہ یہ اطاعت خاص زمانے تک ہے اور فلاں سنہ اور فلاں عہد کے بعد پھر اسے منسوخ سمجھو۔ اس کے برعکس قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یوں فرماتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝ (پ ۱۸ ع ۱۶)

یعنی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے (محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) پر قرآن اتارا۔ تاکہ وہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سارے جہانوں کے لیے ڈر سنانے والے ہوں "

دوسری جگہ فرمایا:

وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ط

" یعنی اے محبوب ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا "

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا

"یعنی ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا"،

یہ آیات کریمہ علی الاعلان بتا رہی ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے جہانوں سارے زمانوں اور سارے لوگوں کے لیے رسول اور بشیر و نذیر ہیں۔ اور ہر زمانے میں اور ہر دور میں اور ہر شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی ہے۔ کوئی دور اور کوئی زمانہ اور کوئی شخص ایسا نہیں ہوسکتا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ابدی اطاعت کی راہ میں حائل ہو جائے اور حقیقت یہ بن جائے کہ اب حضور کی اطاعت کی ضرورت نہیں رہی ؎

وہ جہنم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

مغالطہ

حضرات! منکرین حدیث کا ایک مغالطہ یہ بھی ہے، کہ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ حکم تو صرف ایک اللہ ہی کا ہے۔ پھر اگر اطاعت رسول بھی فرض قرار دے دی جائے۔ تو حاکم تو دو ہو گئے اور دو حاکموں کی اطاعت فرض ہو گئی یہ بھائیو! یہ کتنا بڑا مغالطہ ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ اپنے وزیر بلکہ اس سے بھی چھوٹے عہدہ داروں کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اور یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ حاکم دو ہو گئے ہیں۔ اسی طرح مسلمان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو باذن اللہ فرض سمجھتے ہیں، اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہی کا حکم ہے کہ میرے رسول کی اطاعت کرو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے اور جو حکم رسول ہے وہ ایسے ہی اللہ کا حکم ہے۔ جیسے وزیر کے احکام بادشاہ کے احکام ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

چنانچہ خود قرآن ہی نے فرمایا ہے:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ

"یعنی جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی"،

میرے بھائیو! خوب یاد رکھو کہ اللہ کا مطیع بننا ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مطیع بننا ہی پڑے گا، کیونکہ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اور ان سے بے نیازی اللہ سے بے نیازی ہے، ان کی ناراضگی اللہ کی ناراضگی اور ان کی خوشی اللہ کی خوشی ہے۔

حضرت حسن علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ؎

جناب مصطفےٰ جس سے ہوں ناخوش
نہیں ممکن کہ ہو اس سے خدا خوش

اور دوسری جگہ فرمایا ؎

جو کچھ تری رضا ہے خدا کی وہی خوشی
جو کچھ تری خوشی ہے خدا کو وہی عزیز
دل سے ذرا یہ کہہ دے کہ ان کا غلام ہوں
ہر دشمن خدا ہو خدا کو بھی عزیز!

تو میرے بھائیو! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم دراصل خدا ہی کا حکم ہے اس لیے حکم رسول کی اطاعت اور حکموں کی اطاعت نہیں۔ بلکہ اللہ ہی کے حکم کی اطاعت ہے، اور جو اسے دو الگ الگ حکم سمجھتا ہے۔ اُسے گویا ایک کے دو نظر آتے ہیں اور وہ ایمان کا بھینگا ہے۔

ایک بھینگے کا قصہ

چنانچہ مثنوی شریف میں ایک بھینگے کا قصہ مذکور ہے ؎

گفت استاد احولے را اندر آ
رو برو آراز وثاق آں شیشہ را

کسی استاد نے اپنے ایک بھینگے شاگرد سے کہا کہ یہاں آ جب وہ شاگرد آیا۔ تو استاد نے کہا کہ میرے گھر سے وہ آئینہ اٹھا لا۔

چوں درونِ خانہ احول رفت زود
شیشہ پیش چشم او دو مے نمود

بھینگا جب گھر کے اندر گیا تو اُسے ایک آئینہ کے بجائے دو آئینہ معلوم ہوئے ؎

گفت احول زاں دو شیشہ ہیں کدام
پیش تو آرم بگو شرح تمام

بھینگے نے استاد سے کہا! صاف صاف بتائیے کہ ان دونوں میں سے کون سا آئینہ آپ کے پاس لاؤں؟

گفت استاد آں دو شیشہ نیست رو
احولی بگذار و افزوں بیں مشو

استاد نے کہا کہ وہ دو آئینے نہیں ہیں۔ بھینگا پن چھوڑ، اور ایک کو دو مت دیکھ۔

گفت اے استا مرا طعنہ مزن
گفت استاد آں دو یک را بر شکن

بھینگے شاگرد نے کہا اے استاذ! مجھے طعنہ نہ دے۔ آئینہ حقیقت میں دو ہی ہیں۔ میرے بھینگے پن کا تصور نہیں۔ استاذ نے کہا کہ اچھا ان دونوں میں سے ایک آئینہ کو توڑ ڈال۔ چنانچہ اس شاگرد نے جا کر توڑ دیا۔

چوں یکے بہ شکست ہر دو شد ز چشم
مرد احول گردد از میلان خشم

جب اس نے ایک آئینہ کو توڑ دیا۔ تو دونوں ہی اس کی نظروں سے غائب ہو گئے اور وہ حیران رہ گیا۔

شیشہ یک بود و بہ چشمش دو نمود

چوں شکست آں شیشہ را دیگر نبود

آئینہ ایک تھا، مگر اس کی آنکھ میں دو دکھائی دیئے۔ جب اس نے ایک کو توڑا، تو دوسرا بھی ٹوٹ گیا۔ اب بھینگا بہت ڈرا اور استاد سے آکر کہنے لگا کہ میں نے آپ کے فرمانے کے مطابق آئینہ تو ایک ہی توڑا تھا مگر دوسرا خود بخود ٹوٹ گیا۔ استاد نے کہا کمبخت بھینگے! آئینے دو نہیں تھے لیکن تیرے بھینگے پن کی وجہ سے تجھے دو نظر آئے۔

میرے بھائیو! سمجھے کچھ آپ! جن کی باطنی نظر میں فتور اور ایمان کی آنکھ میں تصور اور بھینگا پن ہے۔ وہ حکم خدا سے حکم رسول کو جدا سمجھتے ہیں اور اس ایک ہی حکم کو دو حکم سمجھتے ہیں اور حکم رسول کو دوسرا حکم سمجھ کر یہ بھینگے جب اطاعتِ رسول سے کنارہ کشی کر کے حکمِ رسول کو توڑ ڈالتے ہیں، تو حکم خدا بھی ساتھ ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ کیوں کہ اطاعت رسول کا حکم خدا کا حکم ہے تو جب اطاعتِ رسول سے منہ موڑ لیا تو سمجھ لیجئے کہ حکم خدا ہی توڑ دیا۔ خدا تعالے فرماتا ہے؛
مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جن کی باطنی اور ایمانی نظر صحیح ہے۔ وہ تو اطاعت رسول کو اطاعتِ خدا ہی سمجھتے ہیں لیکن جن کی ایمانی آنکھ میں بھینگا پن ہے وہ اس میں تفریق دیکھتے ہیں اور ان کے ہاتھ سے نہ یہ کہ دامنِ رسالت ہی چھوٹ جاتا ہے بلکہ توحید بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو! اپنا ایمان رکھو کہ اطاعتِ رسول اطاعتِ خدا ہی ہے اور حکم رسول حکم خدا ہی ہے۔

خوب کہا ہے شاعر نے کہ ؎

قولِ حق قرآن ہے، قولِ پیمبر ہے حدیث
اہلِ دل کے واسطے تقریر ہے دونوں کی ایک
اُس نے پھیرا دل تو اس نے دعوتِ اسلام کی
وہ خدا اور یہ نبی تدبیر ہے دونوں کی ایک

ایک اور بات بھی سنتے چلیے۔ بھینگے کا ایک امتیازی وصف یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ جب وہ سامنے آئے تو معلوم یوں ہوتا ہے۔ جیسے وہ ہماری طرف دیکھ رہا ہے، حالانکہ وہ کسی دوسری طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ ایمان کے بھینگے بظاہر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے نظر آتے ہیں اور بظاہر تو ان کا اعلان یہی ہوتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ حالانکہ درحقیقت نظر ان کی کسی اور ہی طرف ہوتی ہے اور ہوتے وہ اور ہی کچھ ہیں۔

چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

تَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ؕ (پ ۹ ع ۱۴)

مطاع

میرے بزرگو! اور بھائیو! حضور تو حضور ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم جتنے بھی رسول تشریف لائے۔ سبھی اللہ کے حکم سے مخلوق کے مطاع ہو کر تشریف لائے۔

چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ؕ (پ ۵ ع ۶)

"ہم نے جس رسول کو بھی بھیجا صرف اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

دیکھئے! قرآن پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ کا ہر رسول اللہ کی مخلوق کا مطاع بن کر تشریف لایا، اور کی ساری مخلوق پر اپنے رسول کی اطاعت فرض رہی۔ پھر اے میرے بھائیو! کیا یہ قرینِ قیاس بھی ہے کہ اللہ کے سارے رسولوں کے سردار حضور احمدِ مختار صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہم پر فرض نہ ہو؟ اور یہ رسول اکمل مطاع اکمل نہ ہو! میرے بھائیو! یہی حقیقت ہے کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کے رسول۔ اور ساری کائنات کے مطاع ہیں۔ قرآن ہی کا یہ فیصلہ ہے: پھر جو قرآن کے ماننے کا مدعی ہو اس پر تعجب ہے اگر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا انکار کرے۔

قرآن کا ارشاد

میرے بزرگو! قرآن پاک خود حدیث پاک کی ضرورت و اہمیت کا بیان فرما رہا ہے۔

دیکھئے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

(پ ۴ ع ۸)

بے شک اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار فرائض! بیان فرمائے ہیں۔ تلاوت یعنی آیاتِ الٰہی کا پڑھ کر سنانا، تزکیہ یعنی لوگوں کے عقائد و اعمال اور اخلاق کو درست کرنا۔ تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف اتنا نہیں کہ وہ آیاتِ الٰہی پڑھ کر سنا دیں اور پھر بس۔ نہیں بلکہ اس کے بعد حضور کے ذمہ یہ کام بھی ہے کہ وہ لوگوں کے عقائد و اعمال بھی درست فرمائیں اور انہیں کتاب بھی سکھائیں اور حکمت بھی۔ یہ جو يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ میں کتاب و حکمت کے دو لفظ آئے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ ان سے کیا مراد ہے؟ میرے بھائیو! تعلیم کا معنیٰ ہے کہ ایک ایک لفظ اور آیت کا معنیٰ سمجھانا اور یہی حدیث ہے، جس کے بغیر ہم کتاب کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ یا یوں سمجھئے کہ کتاب ایک قانون ہے اور حکمت اس کی تشریح۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں کتاب کی تعلیم دی اور یہی تعلیم حدیث کہلاتی ہے۔ یعنی کتاب کی تعلیم و تشریح کا دوسرا نام حدیث ہے۔ اگر حدیث کا انکار کر دیا جائے تو اس کا یہ معنےٰ ہوگا کہ ہم کتاب کو سیکھنا و سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔ خوب یاد رکھئے کہ قرآن پاک میں ہر مشکل کا حل اور ہر مسئلہ کا بیان موجود ہے۔ مگر اس حل اور بیان تک پہنچنے کے لیے ہمیں زبانِ رسالت کی ضرورت

ہے۔ قرآن پاک میں بے شک سب کچھ ہے مگر تفصیل و تشریح کے ساتھ ہر چیز
کو بیان نہیں فرمایا گیا۔ قواعد و اصول کی تشریح و تفصیل اپنے رسول کے سپرد
فرما کر، فرمادیا کہ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ کتاب کی تشریح و تفصیل یہ فرمائیں گے۔
میرے بھائیو! یہی حقیقت ہے۔ قرآن پاک اگر قواعد و اصول کی تفصیل و تشریح
بھی بیان کرنے لگتا۔ تو قرآن پاک ایک ایسا طویل دفتر ہو جاتا جس کی کئی مجلدات
ہوتیں۔ مگر یہ سلسلہ پھر بھی نامکمل ہی رہتا اور پھر ساتھ ہی رسول کا درجہ و
مقام بھی کچھ نہ رہتا اور رسول کی حیثیت ایک ایسے انسان کی ہو جاتی جس کے
اقوال و افعال کا ہونا نہ ہونا اسلام کے لیے برابر ہوتا اور تمام دنیا قرآن پاک
کی عملی تفسیر و تشریح سے محروم ہو جاتی جس کو قرآن نے اسوہ حسنہ کہا ہے اس لیے
قرآن نے قاعدہ کلیہ کا تو بیان فرمادیا اور ان کی تشریح و تفصیل رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر چھوڑ دی اور اسی تشریح و تفصیل کا نام حکمت یا حدیث ہے۔ اللہ
نے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو معلم قرآن فرمایا ہے اس کا یہی مفہوم ہے کہ بیان
رسالت کے بغیر فہم قرآن ناممکن ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی ارشادات
فرمائے ہیں، سب قرآن ہی کی تفصیل و تشریح ہے۔ اور قرآن کی صحیح تشریح و تفصیل
کا حق بحکم قرآن حضور ہی کو پہنچتا ہے اور اگر یہ حق دوسروں کو بھی دے دیا جائے
اور لوگ اپنی اپنی رائے سے آیات قرآنیہ کا مصداق متعین کرنے لگیں تو پھر فتنہ
ضلالت کا ایک ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کا بند کرنا مشکل تو کیا، ناممکن
ہو جائے گا اور مسلمان ہزار در ہزار فرقوں میں بٹ جائیں گے۔ مثلاً سنئے اگر لوگ
قرآن کو مانیں اور حدیث کو چھوڑ دیں تو فرمایئے کہ پانی کے مسائل۔ طہارت کے احکام،
تعداد رکعات، افتتاح نماز، تکبیرات نماز، رکوع و سجود، قعدہ، تشہد، صلوٰۃ عیدین،
صلوٰۃ کسوف و خسوف، نماز جنازہ، صلوٰۃ استسقاء، نصاب زکوٰۃ۔ مدت زکوٰۃ۔
اجناس زکوٰۃ۔ روزے اور اس کے مسائل۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے کے آداب
و مسائل وغیرہ تفصیل کے ساتھ کہاں سے پائیں گے یہ جتنی باتیں ہیں۔ ان کا

اجمال کے ساتھ قرآن میں ذکر ہے مگر تفصیل ان کی حدیث ہی میں ہے اور یہی تفصیل
حکمت کہلاتی ہے جس کے حضور معلم بن کر تشریف لائے ہیں اور جس کے بغیر
مسلمان بحیثیت مسلمان کے ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ اسی لیے شاعر نے لکھا ہے کہ

بخشش کہاں اے صاحب قرآں ترے بغیر
ملتی نہیں ہے دولت ایماں ترے بغیر

انکار حدیث کا نتیجہ

حضرات! احادیث یا حکمت کو چھوڑ کر پھر جو حال انسان
کا ہوتا ہے اور جو نتیجہ نکلتا ہے اس کی مثال مشہور
منکر حدیث ماہنامہ طلوع اسلام کے ایک فتولے سے ملاحظہ فرمایئے: طلوع اسلام
کے پرویز صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ

"بچہ پیدا ہونے پر اس کے کان میں اذان دینا، عقیقہ کرنا، ختنہ کرنا۔
مردہ کو غسل دینا، کفن پہنانا، نماز جنازہ پڑھنا، میت کو قبلہ رو کر کے دفن
کرنا، ان باتوں کی قرآن کی رو سے کیا پوزیشن ہے"؛

پرویز صاحب اس کا جواب لکھتے ہیں:

"یہ تمام امور معاشرتی ہیں نہ کہ دینی۔ کسی معاشرہ میں اگر بعض باتیں اس
قسم کی رائج ہوں جو دین کے کسی حکم کے یا اس کی عام تعلیم کے خلاف نہ ہوں
تو انہیں معاشرتی تقریبات کے طور پر منا لینے میں کوئی حرج نہیں" (طلوع اسلام فروری ۱۹۶۲ء)

ملاحظہ فرمایئے کہ حکمت سے کنارہ کش ہو کر کتنا بھیانک نتیجہ نکلا ہے منکر حدیث کے نزدیک
یہ سب باتیں دینی ضروری نہیں گویا دین نے یا قرآن نے معاشرتی ہدایات کی کوئی
ضرورت نہیں سمجھی اور معاشرہ میں انسان کو آزاد چھوڑ دیا گیا ہے جو چاہے کرے۔ یہ
باتیں سب معاشرتی ہیں۔ کوئی کرے تو بھی کوئی حرج نہیں، نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں
گویا انکار حدیث کی یہ بھی ایک برکت یا حرکت ہے کہ بچہ پیدا ہو۔ تو بے شک اس کے
کان میں اللہ اور اس کے رسول کی آواز نہ پڑنے دو بے شک اس کا عقیقہ بھی نہ کرو اور
بے شک اسے ختنہ ہی رہنے دو۔ مرجائے تو کوٹ پتلون مت اتارو یا اگر اتارو تو لاش ننگی ہی

رہنے دو۔ نہلانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں اور نماز جنازہ پڑھ کر اس کی مغفرت کے لیے دعا کرنا بھی خواہ مخواہ تکلیف ہے۔ جانے دو جہنم میں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اسے قبلہ رُخ دفنا کر خواہ مخواہ اس کے رخ کو ایک غیر مانوس سمت کی طرف موڑ دیا جائے۔ گہرا سا ایک گڑھا کھود کر کفن و حدیث سے ننگی لاش کو نہیں بلکہ "ممی" کو اس گڑھے میں سیدھا کھڑا کر کے دبا دیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں اس لیے کہ یہ امور دینی تو ہیں نہیں۔ قرآن میں تو ان کی تفصیل ہے نہیں۔ حدیث میں اگر تفصیل ہے تو حدیث ماننے والے کرتے پھریں ایسا مگر منکر حدیث کے لیے ان باتوں کی ضرورت نہیں۔ اُسے تو قبر میں بھی اس ہیئت و رنگ میں رہنا چاہیے کہ عالم برزخ میں بھی عامۃ المسلمین سے وہ ممتاز نظر آئے اور دھوم مچ جائے کہ "ماڈرن میت" تشریف لائی ہے۔ یہ ہے انکار حدیث کا نتیجہ کہ ایسے عریاں ہوئے کہ لباس دین کا ایک تار تک بدن پر نہ رہا ؎

شہِ عشق نے ہے عطا کیا مجھے وہ لباسِ برہنگی
نہ جنوں کی جامہ دری رہی نہ خرد کی بخیہ گری رہی!

کلمہ شریف

مسلمانو! ایک موٹی اور ٹھوس بات سنو! ہم تو کلمہ توحید ہر روز پڑھتے ہیں۔ اس کلمہ میں ایک فطری ترتیب ہے اس میں توحید پہلے اور رسالت کو بعد میں لایا گیا ہے۔ مقام توحید کا پہلا درجہ ہے اور مقام رسالت کا دوسرا۔ اسی اصول کو مدِ نظر رکھئے۔ جو کلمہ شریف نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اور آگے بڑھئے۔

قرآنِ پاک اسی ترتیب کو ملحوظ رکھ کر ہمیں بتاتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (پ۵ ع ۱۴)

"اور اللہ تعالےٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری"

یہاں کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد وہی حدیث یا سنت ہے اس آیت

میں وہی کلمہ شریف والی ترتیب ہے۔ قرآن و حدیث کے درمیان یہ ایک فطرتی ترتیب ہے جو دین میں از اول تا آخر کہیں بھی متروک نہیں کی گئی، اور یہ ایسی اٹل ترتیب ہے جس میں تغیر و تبدل کرنے کا کسی کو حق نہیں پہنچتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرے گا۔ تو اس سے اسلام کی بنیاد ہی ہل جائے گی۔ اور جس طرح کلمہ شریف سے "محمد رسول اللہ" کی خبر کو نکال دینے سے ایمان کا دیوالہ نکل جاتا ہے اسی طرح دین سے حدیث کو نکال دینے سے ایمان کا کچھ باقی نہیں رہ جاتا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار وہی کر سکے گا جو حدیث پاک کے انکار کا عادی ہے۔

اتباع رسول

میرے بھائیو! اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں دوسری جگہ یوں فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ۔

"اے محبوب فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو"

اللہ کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور اخلاق و سیرت کی تفصیلات ہمارے علم میں ہوں اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور آپ کی سیرت طیبہ کی تفصیلات ہمارے علم میں ہی نہ ہوں تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کیسے کر سکتے ہیں اور یہی تفصیلات مجموعہ حدیث کہلاتی ہیں۔ پس قرآن پاک ہی سے ثابت ہو گیا کہ قرآن فہمی اور عمل بالقرآن حدیث کو تسلیم کئے بغیر اور بجز اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناممکن ہے۔

قرآن میں سب کچھ ہے

منکرین حدیث بالعموم یہ کہتے ہیں کہ قرآن میں کل مسائل مذکور ہیں اور ہر مسئلہ کا جواب موجود ہے، پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ بھائیو! اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک میں کل مسائل مذکور ہیں مگر ان کا ذکر اجمال سے ہے۔ ان کل مسائل کا قرآن سے نکالنا ہر شخص کا کام نہیں۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کا کام ہے۔

کتنا ظلم ہے کہ قرآن پاک کا مفہوم جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم بتائیں اُسے تو
حدیث کہہ کر چھوڑ دیا جائے اور اپنی سمجھ میں جو آئے۔ قرآن کا صحیح مفہوم
اُسے قرار دیا جائے۔ اس کا تو یہ معنےٰ ہوا کہ یہ لوگ اپنے آپ کو رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرآن دان سمجھتے ہیں (معاذ اللہ)! بھائیو!
قرآن کو ان لوگوں نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ جو شخص یورپ کے دو چکر لگا آئے
وہ قرآن پاک کو صحیح سمجھنے کا مدعی بن بیٹھے اور پچھلے تمام مفسرین کرام علیہم الرحمۃ
کی تفسیروں کو غلط بتانے لگے حتےٰ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات
پر بھی اپنے خیالات کو ترجیح دینے لگے۔

آج دیوان غالب کو بھی ہر شخص نہیں سمجھ سکتا۔ ع

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا

اس ایک مصرعہ ہی کے کئی لوگوں نے مختلف معنی لکھے ہیں۔ حافظ شیرازی کا کلام
سمجھنے کے لیے بھی کچھ سوجھ بوجھ درکار ہے۔ مگر آہ! کس قدر ظلم ہے کہ اس ناقدر
شناس دَور میں جو اٹھتا ہے وہ کہتا ہے، قرآن میں سب کچھ ہے۔ ہم خود ہی سمجھ لیں گے
گویا قرآنِ پاک کو سمجھانے والے اور اللہ تعالےٰ کے ارشاد کا صحیح مفہوم بیان
فرمانے والے (صلے اللہ علیہ وسلم) کی کوئی حاجت نہیں۔ استغفر اللہ العظیم

لطیفہ کہتے ہیں ایک سکھ شاعر نے جو بی۔ اے بھی تھا۔ غالب کے اشعار
کی شرح لکھنا شروع کی۔

جب یہ شعر سامنے آیا ؎

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

تو اس کی شرح یہ لکھی کہ غالب کہتا ہے کہ موت جب بھی آئے گی، دن کے وقت
آئے گی، پھر رات کو نیند کیوں نہیں آتی۔

اسی طرح فارسی کا ایک مشہور شعر ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

ایک "سخن فہم" نے اس کی شرح یہ کی ہے۔ کہ کوئی صاحب اکبر نام کے
ہوں گے۔ انہیں دست لگ گئے تو ہزاروں پیالیہ قہوہ کی پیں تب جاکر ان کا
دل بہتر ہوا۔

اور سنئے! ایک ایرانی مدت سے ہندوستان میں رہتا تھا، اس کا دعویٰ
تھا کہ میں اردو خوب سمجھتا ہوں۔ ایک صاحب نے کہا، اچھا بتاؤ۔

چھبیلی۔ رنگیلی۔ رسیلی۔

اور پوچھا! "فہمیدی"؟

ایرانی بولا "فہمیدم"

پوچھا: چہ فہمیدی!

ایرانی بولا: شش گربہ ہائے رنگین رسن گرفت"

یعنی "چھبیلی" کا معنےٰ "چھ بلی"، "رنگیلی کا معنیٰ "رنگین"، اور "رسیلی" کا معنیٰ "رسی لی"
دیکھا آپ نے اس ایرانی نے اردو کے الفاظ کی کیا اچھی تفسیر کی۔ سچ تو یہ ہے
کہ آج کل کے یہ نئے نئے مفسر قرآن بھی کچھ اسی قسم کے قرآن دان ہیں اور دعوے
یہ کہ ہم قرآن خود سمجھتے ہیں۔ حدیث کی ضرورت نہیں ؎

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی
حضورِ بلبلِ بستاں کرے نوا سنجی

حدیث کی صداقت کا اعتراف

میرے بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کی وہ عظمت و
شان ہے۔ کہ آج بڑے بڑے فلسفیوں کو بھی صداقت حدیث کا اعتراف کرنا پڑ رہا
ہے۔ یہ نام کے مسلمان تو حدیث کا انکار کر رہے ہیں مگر ع

اَلْفَضْلُ بِمَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ

کے مطابق غیر مسلم بھی تسلیم کر رہے ہیں کہ حدیث واقعی حقائق و معارف کا خزینہ ہے
لیجئے چند حدیثیں سنئے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْہُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰهُنَّ بِالتُّرَابِ (مشکوٰۃ شریف ص۴۹)

"یعنی کتا اگر برتن کو چاٹ لے تو اسکو مٹی سے سات بار مانجھ کر صاف کرلو اور دھولو"

یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے اور آج سے چودہ سو سال پہلے کی ہے۔ مگر اللہ رے عظمتِ حدیث! کہ اس دَورِ ترقی اور اس سائنس کے زمانہ میں انسان کی نظر جہاں آج پہنچی ہے، نبوت کی آنکھ آج سے چودہ سو سال پہلے وہ سب کچھ دیکھ چکی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر کاخ جو جرمنی کا مشہور فلسفی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کا شوق تھا، جب میں نے اس حدیث کو پڑھا کہ کتا برتن میں منہ ڈالے تو مٹی سے مل کر دھولو"؛ تو مجھے خیال ہوا۔ کہ حضرت محمد مصطفٰے (صلے اللہ علیہ وسلم) دانا آدمی تھے۔ انہوں نے ضرور حکمت کی بات کہی ہوگی۔ چنانچہ میں نے اس کے متعلق تحقیق کرنا شروع کردی اور معلوم ہوا کہ مٹی کے اندر نوشادر وغیرہ کی قسم کے اجزا پائے جاتے ہیں جو زہر کاٹ کے مصلح ہیں۔ اور مجھے حدیث کی صداقت کا اعتراف کرنا پڑا۔

(مضمون علامہ زاہدی۔ اے ماہ طیبہ ۱۹۵۶ء)

حضرات! دیکھا آپ نے کہ حدیث پاک کی صداقت کا اعتراف غیر مسلموں کو بھی ہے۔ مگر آج نام کے مسلمان اس کا انکار کر رہے ہیں۔ بھائیو! ابتداءِ وعظ میں آپ سن چکے کہ آج کل کے ملحدین اپنی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کی راہ میں حدیث ہی کو حائل سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ اس قسم کی غیر انسانی حرکات سے تفصیل کے ساتھ حدیث ہی روکتی ہے۔ چنانچہ یہی حدیث دیکھ لیجئے کہ حدیث پاک تو کتے کے منہ سے برتن کو بھی بچانا چاہتی ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ

"صاحب"، اپنا منہ بھی کتے کے منہ کے سپرد کر دیتے ہیں[1]۔ اور یہ اُسے چومتے ہیں، اور وہ انہیں چاٹتا ہے۔

خوب کہا ہے حاجی حق حق نے ؎

قدرِ انسانیت کی کیا جانیں
وہ جو کتوں سے پیار کرتے ہیں
کتا لختِ جگر ہے صاحب کا
اس سے بوس و کنار کرتے ہیں

دُوسری حَدِیث

اور سنئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

خَمْسٌ لَاجُنَاحَ عَلٰی مَنْ قَتَلَهُنَّ فِی الْحَرَمِ وَالْاِحْرَامِ اَلْفَارَةُ وَالْغُرَابُ۔ وَالْحِدَاۃُ۔ وَالْعَقْرَبُ۔ وَالْکَلْبُ الْعَقُوْرُ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۲۳۸)

"یعنی پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کو احرام باندھے ہوئے، حرم شریف میں بھی مار ڈالنا جائز ہے۔ چوہا، کوّا، چیل، بچھو اور درندہ کتا"

حضرات! حرم شریف اور احرام کی حالت میں جب کہ ایک جوں مارنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی اور کسی جانور کو ایذا دینا جائز نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن موذی جانوروں کو مار ڈالنے کی اجازت دی ہے ان میں سب سے پہلے چوہا ہے۔ اسی چوہے کو لیجئے چوہے کی حیثیت پر اب خوب روشنی پڑ رہی ہے اور دنیا کو معلوم ہو رہا ہے کہ چوہا پلیگ پھیلا کر ہزاروں قیمتی جانوں کا نقصان کرتا ہے، جان کے علاوہ کروڑوں روپے کا غلہ بھی اس کی وجہ سے برباد ہو جاتا ہے۔ حدیث پاک نے صدیوں پہلے دنیا پر ایسے وقت میں اس حقیقت کو

[1] حدیث کا ارشاد ہے کہ کتا برتن کو منہ لگائے تو اسے پہلے مٹی سے مانجھو۔ منکرین نے شاید اسی لیے حدیث کا انکار کیا ہے کہ اگر وہ حدیث کو مان لیں تو انہیں اپنا منہ بھی مٹی سے دھونا پڑے گا۔

بے نقاب کیا کہ چوہا انسانی جان و مال کا دشمن ہے۔ جب کہ چوہے کے خون میں پلیگ کے جراثیم کا وجود دریافت نہ ہوا تھا۔ اور حال کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ چوہا بہت مضر ہے۔ اور اگر اس کا انسان سے قطع تعلق ہو جائے تو پلیگ رُک سکتی ہے۔

ہزاروں درود اور ہزاروں سلام اس نبی پاک پر کہ جس نے آج سے چودہ سو سال پہلے اس حقیقت کا اظہار فرما دیا، جس کا سینکڑوں تحقیقات کے بعد لوگوں کو آج پتہ چل رہا ہے۔

اب انصاف کیجئے کہ جو لوگ حدیث کا انکار کر رہے ہیں۔ کیا وہ مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں یا چوہوں کے؟ چوہے واقعی ایسے لوگوں پر بڑے خوش ہوتے ہوں گے کہ یہ لوگ ہماری جانیں بچانے کے لیے کوشش کر رہے ہیں ؎

احادیث پر جس کا ایماں نہیں
جو سچ پوچھئے تو وہ انساں نہیں
بھلا ایسے انسان کا کیا اعتبار
جو انساں کا دشمن ہو چوہوں کا یار

حضرات! وعظ طویل ہو جائے گا، ورنہ میں آپ کو بتاؤں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں جو جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے۔ آج زمانہ اس کی تائید کرنے پر مجبور ہے۔ اس ترقی یافتہ دور نے اتنی دوڑ دھوپ اور ہزار تحقیقات کے بعد جن حقائق کا اعلان کر دیا تھا۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ حقیقت و صداقت کی مخزن و منبع حدیث پاک کا انکار کر دیا جائے۔

پیشگوئی

میرے بزرگو! اور بھائیو! اس فتنۂ انکار حدیث کی بھی خبر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال پہلے دے دی تھی۔ گویا انکار حدیث سے بھی صداقت حدیث ثابت ہو رہی ہے۔ یعنی جو کچھ حدیث نے فرمایا، وہی کچھ سامنے آیا۔ لیجئے حدیث سنئے۔

حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِاءً عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَاْتِيْهِ اَمْرٌ مِمَّا اَمَرْتُ بِهٖ اَوْ نَهَيْتُ مِنْهُ فَيَقُوْلُ لَا اَدْرِىْ مَا وَجَدْنَا فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ اِتَّبَعْنَاهُ (مشکوٰۃ شریف ص۲۹)

"تم میں سے کسی کو اپنی مسہری پر تکیہ لگائے نہ پاؤں، کہ اس کے پاس میرے احکام میں سے جس کا میں نے حکم دیا یا جس سے میں نے منع کیا۔ کوئی حکم پہنچے اور وہ کہہ دے کہ ہم نہیں جانتے جو قرآن میں ہم پائیں گے ہم اس کی پیروی کریں گے۔"

یہ ہے حدیث پاک اب جو شارحین نے اس کی شرح فرمائی ہے، وہ بھی سُن لیجئے!

تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ص۲۷۲ ج ۳ میں یہ حدیث درج کر کے اس کی تفسیر میں مذکور ہے:

وَهٰذَا الْحَدِيْثُ دَلِيْلٌ مِنْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ وَعَلَامَةٌ مِنْ عَلَامَاتِهَا فَقَدْ وَقَعَ مَا اَخْبَرَ بِهٖ۔ فَاِنَّ رَجُلًا قَدْ خَرَجَ فِى الْفَنْجَابِ مِنْ اِقْلِيْمِ الْهِنْدِ وَسَمّٰى نَفْسَهٗ اَهْلَ الْقُرْاٰنِ۔

"یہ حدیث دلائل نبوت میں سے ایک دلیل اور نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ تحقیق وہ چیز وقوع میں آگئی جس کی خبر اس حدیث میں دی گئی ہے وہ یہ کہ پنجاب میں ایک شخص ظاہر ہوا جس نے اپنا نام اہل قرآن رکھا۔"

حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک پھر پڑھئے اور دیکھئے کہ فتنۂ انکار حدیث کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ چکڑالہ ضلع میانوالی پنجاب سے ایک شخص پیدا ہوا جو مالدار بھی تھا اور فالج کے باعث لنگڑا بھی، اور اس

وجہ سے وہ ہر وقت اپنی مسہری سے تکیہ لگائے بیٹھا رہتا تھا۔ انکارِ حدیث کی ابتدا اسی سے ہوئی۔ اسی نے یہ کہا تھا کہ قرآن ہمارے لیے کافی ہے۔ حدیث کی ضرورت نہیں اور آج جو یہ فتنہ نظر آ رہا ہے، اس کا بانی وہی تھا۔ اس لیے فتنۂ انکارِ حدیث کا دوسرا نام چکڑالویت ہے۔ ایک بات اور بھی ہے اور وہ یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک میں جو تکیہ لگا کر بیٹھنے والا فرمایا گیا ہے۔ اس جامع ارشاد میں ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ فتنۂ انکار حدیث کے داعی زیادہ تر امیر و مالدار ہوں گے جو ہر وقت اپنی امارت کے نشہ میں اپنی اپنی مسندوں پر تکیہ لگا کر بیٹھے نظر آئیں گے۔ چنانچہ آج یہی بات نظر آ رہی ہے اور انکارِ حدیث کی آواز زیادہ تر "کرسیوں ہی" سے آ رہی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی کہے کہ حدیث کی جو حیثیت آپ نے بیان کی ہے۔ اس طرح تو قرآن اپنے قابل ہونے میں حدیث کا محتاج ہو جائے گا۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ قرآن حدیث کا محتاج نہیں بلکہ قرآن سمجھنے کے لئے ہم حدیث کے محتاج ہیں۔ دیکھئے خدا کی پہچان رسول کے بغیر ناممکن ہے۔ تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنی معرفت کرانے میں رسولوں کا محتاج ہے۔ وہ محتاج نہیں۔ اللہ کی معرفت کے لیے رسولوں کے ہم محتاج ہیں۔

حرفِ آخر

الغرض میرے بھائیو! اپنا ایمان رکھو کہ بجز حدیث کے قرآن پر عمل اور بجز حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے خدا تک رسائی مشکل ہے۔ آج کل لوگوں نے متعدد ماڈرن راستے نکال لیے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ؎

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل کہ آنر کی گھر میں رہے ریل پیل
کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ
عوض لٹھ کے آپس میں چلتے ہیں ووٹ

کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس
کوئی شہدِ اسپیچ کی ہے مگس
کسی کو ہے مضمون نگاری کی دُھن
کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق
کسی کو نمود و نمائش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں
سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات
مسلماں کو ہے فرض اُدھر التفات
خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

چالیسواں وعظ

ضرورتِ فقہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ غَیْرِ فَقِیْہٍ

وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ اِلٰی مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ

مِنْہُ (مشکوٰۃ شریف ص۳۵)

(ترجمہ) بہت سے روایت کرنے والے سمجھ دار نہیں ہوتے اور بعض سمجھ دار ہوتے ہیں مگر جن کو وہ پہنچاتے ہیں وہ اُن سے زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔

حضرات! آج میرے واعظ کا عنوان ہے "ضرورتِ فقہ" یعنی مجھے بتانا ہے کہ فقہ کیا ہے اور اس کی ضرورت کیوں ہے۔ اس مضمون کو بیان کرنے سے پہلے چند تمہیدی کلمات سن لیجئے:۔

بھائیو! قرآن پاک اللہ کا کلام ہے، اور عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اور عربی زبان ایک جامع زبان ہے اور بجا طور پر اُسے "اُمّ الالسنہ" کہا جاتا ہے۔ عربی زبان کے جاننے سمجھنے اور پڑھنے والے اس کی بلاغت و فصاحت کو خوب جانتے ہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی معنے ہوتے ہیں اور بعض چھوٹے چھوٹے جملوں میں معانی و مطالب کی اس قدر بہتات ہوتی ہے کہ "دریا کو کوزے میں بند" کر دینے کی مثل ان پر سو فیصدی صادق آتی ہے۔

عربی زبان میں بعض الفاظ مشترک بھی ہیں۔ یعنی لفظ ایک ہوتا ہے اور معنی اس کے زیادہ ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک لفظ "عین" ہے۔ اس کا معنے "آنکھ" بھی ہے۔ "سورج" بھی ہے۔ "زانو" بھی ہے اور "چشمہ" بھی ہے۔ اسی طرح لفظ "صلوٰۃ" ہے۔ اس کا معنے "دعا" بھی ہے۔ "رحمت" بھی ہے۔ "درود" بھی ہے اور "نماز" بھی ہے۔ اور ایک معنے اس کا "چوتڑوں کا ہلانا" بھی ہے۔ لغت کی کتابوں میں "صلوٰۃ" کے یہ سب معنے لکھے ہیں۔

چنانچہ غیاث اللغات میں لکھا ہے:

"صلوٰۃ دعا و آمرزش و رحمت و نماز و در صراح نوشتہ کہ بمعنی نماز و دعا از بندہ و بمعنی رحمت از خدائے تعالیٰ و بمعنی درود بر رسول و فرشتگان و در شرح نصاب نوشتہ کہ صلوٰۃ ماخوذ است از صلا کہ بمعنی سرین است چوں نماز کنندہ در سجود سرین بر می دارد ایں فعل را صلوٰۃ گفتند و بمعنی لغوی صلوٰۃ "تحریک الصلوین" نوشتہ اند یعنی

جنبانیدن ہر دو سرین،، غیاث اللغات ص ۴۰۴)

دیکھ لیجئے ایک لفظ صلوٰۃ کے یہ سب معنی منقول ہیں، اور ان معنوں میں ایک معنی چوتڑوں کا ہلانا بھی ہے۔

آجکل کے نئے مفسر

بھائیو! آج کل کے یہ نئے نئے مفسر اور ماڈرن مجتہد" صلوٰۃ "کے عجیب و غریب معنی کرکے نماز جیسے اہم فریضہ کی شرعی صورت کو جو بگاڑ رہے ہیں اور دینی قواعد و ضوابط میں اپنے ماڈرن اجتہاد سے جو اکھاڑ پچھاڑ کر رہے ہیں، کوئی تعجب نہیں کہ ان کی تحقیق کسی وقت" اقیموا الصلوٰۃ "کے متعلق بھی یہ گل کھلائے کہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ چوتڑوں کا ہلانا قائم رکھو اور" ڈرل "کیا کرو۔ یہی" نماز "ہے اور موجودہ صورت کی نماز تو عجمی سازش ہے اور ملاؤں کی ایجاد ہے۔

ضرورتِ حدیث

میرے بزرگو! یہاں ہمیں حدیث پاک کی ضرورت پڑتی ہے اور ہمیں حامل قرآن حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا پڑتا ہے کہ یا رسول اللہ! فرمائیے۔ یہاں" صلوٰۃ "سے کیا مراد ہے چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ کی قولاً و عملاً صورت متعین فرمادی اور ظاہر فرمادیا کہ نمازیں پانچ ہیں، ان کے اوقات یہ ہیں۔ نماز کی رکعات اتنی ہیں اور ان میں پڑھنا یہ ہے۔ صلوٰۃ کی یہ سب تفصیل حدیث پاک میں موجود ہے اور مسلمان اسی کے مطابق صلوٰۃ کو ادا کرتے ہیں اور اس امر پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی عقل کے مطابق صلوٰۃ کا کوئی اور معنی متعین کرے، اور ملا کی آڑ میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر وار کرنے لگے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ خدا تعالےٰ کا کلام قرآن مجید اسی جامع زبان میں نازل ہوا ہے اور یہ زبان بڑی وسیع المطالب اور منبع العلوم ہے۔ میرے بھائیو! اس حقیقت کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلے اللہ علیہ

وسلم کی حدیث پاک بھی عربی زبان ہی میں ہے اور قرآن پاک کے بعد فصاحت و بلاغت کا سرچشمہ یہی حدیث مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔

چنانچہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۰۳)

" میں کلمات جامعہ دیا گیا ہوں"

یعنی میرے ارشادات میں الفاظ تو تھوڑے ہوتے ہیں۔ مگر ہوتے اس قدر جامع ہیں کہ ان میں رشد و ہدایت کے ہزاروں معنی مستور ہوتے ہیں۔

میرے بھائیو! لفظ کا ایک ظاہری معنی ہوتا ہے اور ایک اس کی مراد ہوتی ہے۔ صرف ظاہری معنی تک پہنچنا اور بات ہے اور اس کی مراد تک پہنچنا اور بات!

چند مثالیں

دیکھئے ایک محاورہ کا جملہ ہے "میں تمہاری چھاتی پر مونگ دلوں گا"، اس کا لفظی معنےٰ تو یہ ہے کہ میں تمہیں لٹا کر تمہاری چھاتی پر مونگ رکھ کر اس کی دال بنا دوں گا، مگر کیا مراد بھی اس سے یہی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مراد اس سے یہ ہے، کہ جو کام تمہاری مرضی کے خلاف ہے۔ وہ کام میں تمہارے سامنے ضرور کروں گا اور تمہیں جلاؤں گا ——— "جلاؤں گا" سے بھی لفظی معنےٰ مراد نہیں کہ تم پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دوں گا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ غصہ کی آگ میں جلاؤں گا۔ اسی طرح ایک مشہور محاورہ یہ بھی ہے کہ "میری بات سن کر اس کے طوطے اڑ گئے"۔ لفظی معنیٰ تو اس کا یہ بتاتا ہے کہ اس نے کچھ طوطے پال رکھے تھے جو پنجرے میں بند تھے۔ مگر میری بات سنتے ہی اس کے پنجرے کے دروازے کھل گئے اور اس کے سب طوطے اڑ گئے مگر کیا مراد بھی اس سے یہی ہے ہرگز نہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ میری بات سن کر وہ حیران و مبہوت رہ گیا۔

اور سنئے: عام محاورہ ہے کہ "میرے ہاں بڑے بڑے آدمی بھرتے ہیں"، تو کیا اس سے مراد یہ ہے کہ میرے ہاں بڑے بڑے آدمی سقے اور بہشتی بن کر اپنی اپنی مشکیں اٹھاتے ہیں اور پانی بھر جاتے ہیں" یا مراد یہ ہے۔ کہ بڑے بڑے آدمی

میری عزت کرتے ہیں"، پھر اسی قسم کا ایک اور محاورہ بھی ہے کہ میری بات سنکر وہ" پانی پانی ہوگیا"، لفظی ترجمہ تو اس کا یہ ہے کہ میری بات سنتے ہی وہ پگھلنے لگا لگا اور پہلے جو آدمی تھا۔ اب وہ تالاب بن گیا ہے"، مگر اس سے مراد یہ ہے کہ " میری بات سن کر وہ شرمندہ ہو گیا"، اسی طرح کے کئی محاورے ہر زبان میں موجود ہوتے ہیں جن کا لفظی ترجمہ اور، اور مراد کچھ اور ہوتی ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے جملوں کے لفظی معنوں پر اڑے رہنا اور مراد تک نہ پہنچنا بہت بڑی غلطی ہے اور اس قسم کے "عمل" سے بعض اوقات تکلیف دہ نتائج پیدا ہو جاتے ہیں۔

لطیفہ چنانچہ ایک لطیفہ ہے کہ ایک صاحب کا دوست کسی سے لڑنے لگا۔ لڑتے ہوئے دونوں اُلجھ پڑے اور وہ دوست پٹنے لگا دوست نے اپنے دوست کو مشکل میں دیکھا تو آگے بڑھ کر اپنے ہی دوست کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ دشمن نے اطمینان سے اور بھی زیادہ مارا اور خوب مرمت کر کے جب وہ چلا گیا تو پٹنے والے نے اپنے دوست سے شکایت کی کہ تم نے اچھا حق دوستی ادا کیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم میری مدد کرتے الٹا تم نے میرے ہی ہاتھ پکڑ لیے۔ تاکہ وہ مجھے اچھی طرح پیٹ سکے۔ دوست نے جواب دیا کہ میں نے حضرت سعدی کے اس شعر پر عمل کیا ہے کہ ؎

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

یعنی دوست وہ ہوتا ہے جو مشکل کے وقت دوست کے ہاتھ پکڑ لے"، میں نے تمہیں مشکل میں دیکھا، تو تمہارے ہاتھ پکڑ لیے۔

دیکھا آپ نے کہ اس شخص نے اس شعر کے لفظی ترجمہ پر تو خوب عمل کیا مگر اس کی مراد تک نہ پہنچا۔ اور نہ سمجھا کہ مراد ہاتھ پکڑنے سے مدد کرنا ہے۔

میرے بزرگو! اسی طرح بعض لوگ قرآن و حدیث کے لفظی ترجمے پر ہی جمے رہتے ہیں اور اس کی مراد تک نہیں پہنچتے۔

قرآن کی آیات لفظی ترجمے اور اس کی مراد کی مثالیں قرآن پاک کی آیات میں بھی ملتی ہیں۔

دیکھیے ایک جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

(پ ۲۹ ع ۴)

جس دن ایک ساق کھولی جائے گی اور سجدہ کو بلائے جائیں گے تو نہ کر سکیں گے۔

اس آیت کریمہ میں "ساق" کا لفظ آیا ہے۔ اور "ساق" پنڈلی کو کہتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے: کہ کل قیامت کے روز "ساق کھولی جائے گی"، اور کفار و منافقین کو سجدہ کے لیے کہا جائے گا، اور وہ نہ کر سکیں گے"، سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پنڈلی سے پاک و منزہ ہے، پھر پنڈلی کھولے جانے سے کیا مراد ہے؟

بھائیو! یہاں بھی وہی بات ہے کہ یہاں لفظی ترجمہ میں تو پنڈلی کا کھولنا ہی ہے مگر مراد یہاں یہ ہے کہ وہ روز بڑا سخت ہوگا اور اللہ تعالےٰ اس روز عدل و انصاف فرمانا شروع فرمائے گا۔ آج بھی کوئی کام شروع کرنے لگے تو کہتے ہیں اس نے اس کام کے لیے کمر باندھ لی ہے" کمر باندھ لی سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کام پر تیار ہو گیا ہے، یونہی پنڈلی کھولنے سے مراد یہ ہے کہ جس روز خدا تعالیٰ عدل و انصاف فرمانے لگے گا اور کفار و منافقین سے فرمائے گا کہ سجدہ کرو تو وہ نہ کر سکیں گے۔

اسی طرح قرآن پاک میں جہاں کہیں "وَجْهُ اللّٰهِ" یا "يَدُ اللّٰهِ" کے لفظ آئے ہیں۔ وہاں "منہ" یا "ہاتھ"، ہرگز مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالےٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ ہاں ان سے مراد اللہ تعالےٰ کی توجہ و رحمت اور اس کی نصرت و حمایت ہے۔

معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے۔

چنانچہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ:

وَلِكُلِّ اٰيَةٍ مِّنْهَا ظَهْرٌ وَّبَطْنٌ (مشکوٰۃ شریف ص۲)

"یعنی قرآن پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر (ترجمہ) اور ایک باطن (مراد و منشا) ہے۔"

اس ارشاد کے پیش نظر قرآن پاک کے صرف ترجمہ تک رسائی اور بات ہے اور اس کی منشا و مراد تک پہنچنا اور بات!

فقہ و فقیہہ

میرے بھائیو! خدا اور رسول کے ارشادات کی منشا، و مراد تک پہنچنے کو "فقہ" کہتے ہیں اور پہنچنے والے کو "فقیہہ"۔ بادام کا ایک چھلکا ہے اور ایک اس کا مغز! بس یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن و حدیث کے مغز کا نام "فقہ" ہے۔ جو شخص بادام کا مغز کھاتا ہو اُسے یہ کہنا کہ یہ بادام استعمال نہیں کرتا بہت بڑی غلطی و نادانی ہے۔ ہاں صرف چھلکے کا استعمال کرنے والا بے شک بادام استعمال نہیں کرتا۔

حضرات! قرآن پاک کے بعد فصاحت و بلاغت اور جامعیت کے لحاظ سے حدیث پاک کا نمبر ہے۔ حدیث پاک خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشاد کے مطابق کلماتِ جامعہ میں سے ہے۔ جس کے تھوڑے سے کلمات میں رشد و ہدایت کے متعدد اسباق مستور ہوتے ہیں۔ اور ان تک رسائی "فقیہہ" ہی کا حصہ ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد منقول ہے جس میں حضور علیہ السلام نے منع فرمایا ہے، کہ

اِنْ یَّسْقِیَ الرَّجُلُ مَاءَهٗ زَرْعَ غَیْرِهٖ

"کہ کوئی شخص اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو پلائے"

اس ارشاد کو سن کر محدثین کی ایک جماعت نے استغفار شروع کر دیا، اور کہنے لگے کہ ہم تو جب ہمارے کھیتوں اور باغوں سے پانی بچ جاتا تھا تو ہمسایوں کے کھیتوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے۔ اب ہم اس کام سے توبہ کرتے ہیں۔

(تلبیس ابلیس لامام ابن جوزی)

فقہا کرام علیہم الرحمۃ نے اس حدیث پاک کی مراد یہ بیان کی ہے کہ کوئی شخص

کسی دوسرے کی عورت سے زنا نہ کرے مگر جو فقیہہ نہ تھے انہوں ظاہری الفاظ کا ترجمہ ہی مراد سمجھ لیا اور یہ سمجھ لیا، کہ اپنے کنوئیں وغیرہ کا پانی کسی بھائی کی کھیتی کو پلانا ممنوع ہے۔

فضیلتِ فقیہہ

حضرات! آپ نے سن لیا کہ فقہ و فقیہہ کا کیا مقام ہے اور متکلم کے کلام کی منشا، و مراد کو سمجھنا یہ فقیہہ ہی کا کام ہے اسی لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فقیہہ کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں ایک روز دو مجلسیں قائم تھیں، یعنی کچھ لوگ ایک مجلس میں تھے اور کچھ دوسری میں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان دو مجلسوں کو دیکھا تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک مجلس والے تو اللہ اللہ کر رہے ہیں اور دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اور دوسری مجلس والے علم فقہ سیکھ اور سکھا رہے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کِلَاهُمَا عَلٰی خَیْرٍ وَّاَحَدُهُمَا اَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهٖ

"دونوں ہی اچھے ہیں مگر ان دونوں میں سے ایک گروہ افضل ہے"

اور کون سا گروہ اچھا ہے؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنئے۔ فرمایا:

اَمَّا هٰؤُلَاءِ فَیَدْعُوْنَ اللّٰهَ وَیَرْغَبُوْنَ اِلَیْهِ فَاِنْ شَاءَ اَعْطَاهُمْ وَاِنْ شَاءَ مَنَعَهُمْ وَاَمَّا هٰؤُلَاءِ فَیَتَعَلَّمُوْنَ الْفِقْهَ وَالْعِلْمَ وَیُعَلِّمُوْنَ الْجَاهِلَ فَهُمْ اَفْضَلُ وَاِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا ثُمَّ جَلَسَ فِیْهِمْ (مشکوٰۃ شریف ص۳۶)

"اس مجلس والے لوگ تو اللہ کو پکار رہے ہیں اس سے دعائیں مانگتے اور اس کی طرف رغبت کر رہے ہیں۔ اللہ چاہے تو انہیں کچھ عطا فرما دے چاہے تو نہ عطا فرمائے اور اس دوسری مجلس والے علم فقہ سکھا رہے ہیں اور نہ جاننے والوں کو پڑھا رہے ہیں۔ پس یہ

لوگ ان سے افضل ہیں اور میں خود سکھانے والا ہو کر مبعوث ہوا ہوں

پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم انہیں میں بیٹھ گئے "

سبحان اللہ! کیا شان ہے فقہ والوں کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہلے گروہ سے افضل فرمایا، اور خود بھی اسی مبارک گروہ میں بیٹھ گئے جس میں فقہ سیکھی سکھائی جا رہی تھی۔ اب بھی اگر کوئی فقہ اور فقہا پر اعتراض کرے تو اس کی نادانی اور بدنصیبی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔

حدیث کی سمجھ

حضرات! میں نے ابتداء وعظ میں جو حدیث پاک پڑھی ہے اس میں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ کہ روایت حدیث اور چیز ہے، اور حدیث کی سمجھ اور چیز۔ حدیث پاک کی منشاء و مراد تک پہنچنے کے شرف سے وہی مشرف ہوتے ہیں جو فقیہہ اور اہل فقہ ہیں۔ مجتہدین کرام اور ائمہ کرام کو خدا تعالے نے قرآن حدیث کی سمجھ سے سرفراز فرمایا ہے۔ اور یہ نفوس قدسیہ قرآن و حدیث کے ارشادات سے ان کی منشاء و مراد سمجھ کر مسلمان کو مطلع فرما دیتے ہیں اور مسلمان ان ائمہ دین اور مجتہدین کے فرمودات کو واسطہ فی الافہام جان کر ان پر عمل کرتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بغیر اس کے ہمارے لیے چارہ بھی نہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک جو میں نے پڑھا ہے۔ اس میں صاف موجود ہے کہ بہت سے روایت کرنے والے روایت تو بیان کر دیتے ہیں۔ مگر اس کی منشاء و مراد تک وہ نہیں پہنچتے اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو منشاء و مراد سمجھ لیتے ہیں مگر جن تک وہ روایت پہنچاتے ہیں، وہ ان سے بھی زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں اس ارشاد سے ظاہر کہ محدثین کرام کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ وہ روایات کو فقہ تک پہنچا دیں اور ان سے مراد کا سمجھنا اور مسائل کا استنباط و استخراج یہ فقہا کا کام ہے۔ اس لیے کہ جو لوگ افقہ ہوں گے، وہی حدیث کے مطالب کو بہ نسبت غیر فقیہہ کے زیادہ سمجھیں گے۔ اور اس ارشاد سے یہ بات بھی ظاہر

ہو گئی کہ حدیث پاک کے الفاظ کے ظاہری ترجمہ کے علاوہ اور بھی کئی اسرار و رموز اور رشد و ہدایت کے اسباق روایت حدیث میں موجود ہوتے ہیں۔ اور انہیں اسرار و رموز تک پہنچنے والے کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فقیہہ و افقہ فرمایا ہے۔ اور اگر صرف ظاہری ترجمہ ہی مقصود ہو تو پھر اس کا کیا مطلب! کہ بہت سے حامل "حدیث فقیہہ نہیں ہوتے۔ اور بعض راویان حدیث فقیہہ تو ہوتے ہیں۔ مگر افقہ نہیں ہوتے۔ معلوم ہوا کہ یقیناً احادیث مبارکہ میں علاوہ ظاہری مدلولات کے اور بھی باطنی مدلولات ہیں۔ جن کو وہی سمجھتے ہیں جو فقیہہ یا افقہ ہوں گے، اور یہ تفاوت انسانی نظرۃ میں عملاً و علماً موجود ہے۔ جس کی طرف قرآن کا بھی ارشاد ہے کہ

فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔

"یعنی ہر جاننے والے کے اوپر اس سے بھی زیادہ جاننے والا موجود ہے "

عطار و طبیب

فقہاء کرام علیہم الرحمۃ کی فقہ و سمجھ اللہ تعالےٰ کی ایک عطا ہے اور بڑے بڑے محدثین کرام کو بھی اس امر کا اعتراف ہے کہ فقہا کی نظر جہاں جا پہنچتی ہے۔ ہماری وہاں نہیں پہنچتی۔ چنانچہ ایک بار حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے چند مسائل پوچھے۔ اس مجلس میں حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ بھی موجود تھے حضرت اعمش نے حضرت امام اعظم سے فرمایا کہ ان مسائل میں آپ کا کیا قول ہے؟ حضرت امام اعظم نے سب مسائل کا جواب دے دیا۔ حضرت اعمش فرمانے لگے کہ آپ کے پاس ان جوابات کی دلیل کیا ہے ؟ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ وہی احادیث جو آپ ہی سے مجھے پہنچی ہیں۔ پھر چند احادیث معہ اسناد کے سنا دیں۔ اور استنباط کا طریق بھی بیان فرما دیا۔ حضرت اعمش نے سن کر بڑی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور تحسین کی۔ اور فرمایا کہ جو روایتیں میں نے سو دن میں بیان کی تھیں، آپ نے ایک ساعت میں سنا دیں میں نہیں جانتا تھا کہ آپ احادیث پر اتنا عبور رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا:

یَا مَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ اَنْتُمُ الْاَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ

"یعنی اے فقہا کے گروہ! تم طبیب ہو اور ہم (محدثین) عطار ہیں"

(ذخیرات الحسان ص۳۶)

سبحان اللہ کیا مزے کی بات فرمائی کہ محدثین کرام مثل عطار کی ہیں۔ جن کے پاس ہر قسم کی دوائیں جمع رہتی ہیں۔ مگر ان دواؤں کا موقعہ استعمال۔ اور یہ کہ یہ دوائی کس مرض کے لیے ہے اور یہ کس مرض کے لیے۔ یہ پینے کی دوا ہے اور یہ ملنے کی، اس کا علم طبیبوں کو ہوتا ہے، اور فقہا مثل طبیب کی ہیں جو احادیث کے مفہوم و مراد کو سمجھتے ہیں۔

بھائیو! جو لوگ بغیر کسی قابل حکیم و طبیب کے بتانے کے خود بخود ہی دوائیوں کا استعمال شروع کر دیں۔ ان کے لیے خطرہ ہے کہ وہ بجائے فائدہ کے نقصان اٹھانے لگیں گے۔

ملنے والی دوائی اور پینے والی دوائی کا ایک ہی رنگ ایک ہی شکل دیکھ کر اگر کوئی شخص ملنے والی دوائی پی لے تو فرمائیے، اس کا کیا حشر ہوگا؟ ضرورت ہے کہ کسی قابل طبیب کا مشورہ لیا جائے اور اس کی ہدایت کے مطابق دوائی کا استعمال کیا جائے، اسی طرح قرآن و حدیث کے مفہوم و مراد تک پہنچنے کے لیے بھی ضرورت ہے کہ کسی فقیہ کا دامن پکڑا جائے۔ ورنہ خطرہ ہے کہ بجائے ہدایت کے گمراہی حاصل ہو جائے۔

لطیفہ چنانچہ ایسے ہی ایک صاحب استنجا کرنے کے بعد نماز وتر پڑھا کرتے تھے۔ کسی صاحب نے اس کی وجہ دریافت کی تو کہنے لگے۔ حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے۔

مَنِ اسْتَنْجٰى فَلْيُوْتِرْ

(جو استنجا کرے چاہیے کہ وتر کرے)

اس حدیث پاک کا مطلب تو یہ ہے کہ جو استنجا کرے وہ وتر یعنی عدد طاق کو ملحوظ رکھے۔ یعنی تین یا پانچ مرتبہ کرے۔ مگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ جو استنجا کرے وہ وتر پڑھے۔

اسی طرح کوئی صاحب نماز پڑھتے ہوئے اپنے ساتھ ایک کتا باندھ لیا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو بولے حدیث پر عمل کرتا ہوں۔ حدیث میں آتا ہے:

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ:

"نماز نہیں ہوتی جب تک کہ قلب حاضر نہ ہو"

پوچھنے والے نے بتایا! ارے صاحب! کتے کو تو عربی زبان میں "کلب" کہتے ہیں۔ اور حدیث میں تو بڑے قاف سے "قلب" ہے۔ جس کا معنیٰ دل ہے یعنی نماز نہیں ہوتی جب تک کہ دل حاضر نہ ہو، تو بولے۔ "قلب" اگر بڑے قاف سے ہے تو میں بھی بڑا ہی کتا ساتھ باندھتا ہوں"

میرے بزرگو اور بھائیو! دیکھا آپ نے ایسے عامل بالحدیث بھی ہیں، جو اپنے زعم میں کرتے تو عمل ہیں لیکن ان کا یہ عمل شریعت سے ایک مذاق بن کر رہ جاتا ہے۔

ترک تقلید کے کرشمے حضرات! قرآن و حدیث کے مفہوم و مراد کو سمجھنے کے لیے کسی فقیہ سے بے نیاز ہو کر خود بخود قرآن و حدیث کو سمجھنے کا مدعی بن جانا عجیب و غریب رنگ لاتا ہے اور بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دینے لگتی ہیں۔

چنانچہ اس کی ایک جھلک آپ کو دکھاؤں۔ غیر مقلدین حضرات کے پندرہ روزہ صحیفہ "اہلحدیث" کراچی میں دو "اہل حدیث" عالموں میں بحث چھڑ گئی کہ پاجامہ و شلوار پہننا بدعت ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے لکھا کہ پاجامہ و شلوار اور کوٹ پہننا بدعت ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

یہ لباس کبھی نہیں پہنا۔ دوسرے مولوی صاحب نے اسے جائز بتایا۔
(دیکھئے صحیفہ اہلحدیث کراچی دسمبر ۱۹۶۰ء)

اسی طرح بعض اہلحدیث مولویوں کے نزدیک قربانی کے لیے ایک مرغ بھی کافی ہے۔ یعنی عید قربان کو کوئی مرغ کی قربانی بھی دے دے تو جائز ہے مرغ نہ ملے تو بازار سے گوشت خرید کر بھی کسی غریب کو دیدے تو بھی قربانی ادا ہو جاتی ہے۔ (دیکھئے صحیفہ اہلحدیث ۱۶؍جنوری ۱۹۶۳ء)

اسی طرح اور بھی کئی اختلافات ہیں ان میں، اور یہ سب کرشمہ ہے ترک تقلید کا، اور کسی فقیہہ وامام سے بے نیازی کا کہ کسی کا منہ مشرق کو ہے تو کسی کا مغرب کو۔

الحمد للہ کہ اہل سنت وجماعت قرآن وحدیث کی مراد تک پہنچنے والوں کے دامن گیر ہیں اور ہم احناف کو یہ فخر حاصل ہے۔ کہ ہمارے امام ہمام حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث وفقیہہ وافقہ تھے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

حضرات! بعض بے خبر ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے لیے کہا کرتے ہیں۔ کہ امام صاحب حدیث کے خلاف چلا کرتے تھے (معاذ اللہ) حالانکہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی عظمت وبزرگی کا مخالفین کو بھی اعتراف ہے۔

چنانچہ سردار اہلحدیث مولوی ثناء اللہ امرتسری کا اخبار اہلحدیث بھی یہ لکھنے پر مجبور ہے کہ:
حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں امام ابوحنیفہ کا جامع اوصاف ہونا ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

كَانَ إِمَامًا وَرِعًا عَالِمًا عَامِلًا مُتَعَبِّدًا كَبِيْرَ الشَّانِ لَا يَقْبَلُ جَوَائِزَ السُّلْطَانِ بَلْ يَتَجِرُ وَيَكْتَسِبُ (تذکرہ جلد اول ص ۱۵۱)

(امام ابوحنیفہ دین کے پیشوا، صاحب ورع نہایت ہی پرہیزگار تھے، صاحب علم اور باعمل تھے۔ سلطانی انعامات قبول نہ فرماتے تھے۔ بلکہ تجارت اور اپنے کسب

کماتے تھے۔ (اخبار اہلحدیث امرتسر ۲۰ مارچ ۱۹۲۵ء)

کیوں صاحب! جو شخص دین کا پیشوا، صاحب ورع اور نہایت پرہیزگار ہو۔ کثیر العبادت اور عالم باعمل ہو۔ کیا عقل تسلیم کرتی ہے کہ ایسی بزرگ ترین ہستی اور مقبول خدا ذات حدیث کے خلاف چلتی ہوگی؟ توبہ! توبہ!! یہ تو مخالفین کا محض افتراء اور بہتان ہے۔ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ بہت بڑے محدث، فقیہہ اور محدثین وفقہاء کے امام تھے۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص فضل وانعام تھا۔ بڑے بڑے مشکل مسائل آپ اپنی خداداد ذہانت وفقاہت سے فورًا حل فرما لیا کرتے تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:
مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (مشکوٰۃ ص ۳۲)
(یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی پر بھلائی فرمانا چاہے تو اسے دین کی فقہ عطا فرما دیتا ہے)

سبحان اللہ! یہ دین کی فقہ بھی کیا ہی گراں قدر انعام حق ہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ آج کوئی رئیس کوئی بادشاہ اگر کسی پر خوش ہو کر اسے نوازنا چاہے تو اُسے کوئی عہدہ، کوئی جاگیر بخش دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جب کسی پر خوش ہو کر اُسے نوازنا چاہے تو اُسے دین کی فقہ عطا فرما دیتا ہے۔ اُسی سے اندازہ لگائیے کہ دین کی فقہ کتنا بڑا اللہ کا انعام ہے۔ اور میرے بھائیو! یہ انعام خاص طور پر حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ کے متعلق ایسے ایسے مسائل کا کتابوں میں ذکر ہے۔ جو بڑے بڑے محدث حل نہ فرما سکے۔ لیکن آپ نے اپنی خداداد فقہ سے انہیں فورًا حل فرما لیا۔

گمشدہ خزانہ

اسی سلسلہ میں ایک پرلطف واقعہ محدثین کرام نے لکھا ہے کہ کسی شخص نے کچھ مال زمین میں دفن کیا، اور پھر بھول گیا اور یاد نہ رہا، کہ کہاں دفن کیا ہے؟ بڑا پریشان ہوا کہ خزانے کا پتہ کیسے چلے؟

آخر حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کی خدمت میں آیا، اور عرض کرنے لگا۔ حضور! میں اپنا کچھ مال زمین میں کہیں دفن کر بیٹھا ہوں۔ اب یاد نہیں پڑتا کہ کس جگہ دفن کیا ہے۔ خدارا کوئی ایسی سبیل نکالیئے۔ جس سے مجھے یاد آجائے کہ میں نے اپنا خزانہ کہاں دبایا ہے۔

حضرت امام صاحب نے فرمایا:

صَلِّ اللَّيْلَةَ إِلَى الْغَدِ سَتَذْكُرُ

"جاؤ ساری رات، صبح تک نفل پڑھتے رہو۔ تمہیں یاد آجائے گا کہ خزانہ تم نے کہاں دبایا ہے"

حضرات! اس شخص نے یوں تو شاید کبھی فرض نماز بھی نہ پڑھی تھی مگر مال کے لیے ساری رات نفل پڑھنے کے لیے تیار ہو گیا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی الیکشن کے دنوں ووٹ لینے کی خاطر نمازی بن جائے۔ ہاں تو اس شخص نے رات بھر نفل پڑھنے کا ارادہ کر لیا۔ جب رات کو نفل پڑھنے میں مشغول ہوا، تو تھوڑے ہی وقت کے بعد اسے فوراً یاد آگیا کہ خزانہ فلاں جگہ دبایا تھا، فوراً نماز چھوڑ کر گھر آگیا، اور اُسی جگہ کو کھودا تو خزانہ مل گیا۔

صبح حضرت امام صاحب کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ حضور! آپ کی ہدایت کے مطابق میں نفل پڑھنے لگا۔ تو مجھے فوراً یاد آگیا۔ کہ خزانہ کہاں دبایا تھا۔ میں آپ کا بے حد شکر گذار ہوں کہ آپ نے ایسا کارگر علاج بتایا۔ آپ نے فرمایا کہ نوافل صبح تک پڑھے یا چھوڑ دیے؟ اس نے کہا۔ حضور! دو چار ہی نفل پڑھے تھے کہ مجھے خزانہ کا پتہ چل گیا۔ پھر باقی نوافل کی کیا حاجت تھی۔ میں نے چھوڑ دیے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم شکریہ کے طور پر ہی نوافل پورے ادا کر ڈالتے تو کتنی اچھی بات تھی۔ بہر حال سنو!

قَدْ عَلِمْتُ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَدَعُكَ تُصَلِّي لَيْلَتَكَ حَتَّى يُذَكِّرَكَ۔

(خیرات الحسان ص ۹۶)

"میں جانتا تھا کہ شیطان تجھے ساری رات نماز نہ پڑھنے دے گا اور تمہارا خزانہ تمہیں فوراً یاد کرا دے گا"

سبحان اللہ! کیا ذہانت اور کیا ہی فقاہت ہے۔ میرے بھائیو! کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت امام صاحب نے یہ علاج کس حدیث سے اخذ فرمایا؟ لیجیے سنئے! میں بتاؤں۔ حدیث شریف میں آتا ہے جب اذان ہوتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے تاکہ اذان نہ سنے اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو آجاتا ہے۔ اقامت کے وقت پھر بھاگ جاتا ہے۔ ختم ہونے پر پھر آجاتا ہے اور پھر نمازیوں کے دلوں میں خشوع و خضوع کو توڑنے کے لیے وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے، اور یوں کہتا ہے۔

اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ (مشکوٰۃ ص ۵۶)

فلاں بات یاد کرو، فلاں بات یاد کر۔ حتیٰ کہ نمازی کو یاد نہیں رہتا کہ اس نے کیا پڑھا ہے۔

حضرت امام صاحب نے اس حدیث سے یہ بات اخذ فرمائی۔ کہ شیطان کو جب پتہ چلے گا کہ یہ شخص ساری رات نماز پڑھنے کے ارادے سے آیا ہے۔ تو وہ ملعون اسے اس کا خزانہ جھٹ یاد کرا دے گا تاکہ ساری رات نفل نہ پڑھتا رہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور امام صاحب نے افسوس کے ساتھ اس سے فرمایا کہ اگر تم شکریہ کے طور پر ہی ساری رات نفل پڑھتے رہتے تو کتنی اچھی بات تھی۔

بھائیو! دیکھا آپ نے کہ حضرت امام صاحب کی علم حدیث میں کتنی بڑی نظر تھی، اور آپ کی فقاہت کس قدر عظیم الشان تھی۔ مگر حاسدوں کا کیا علاج کہ ان کا تو کام ہی نکتہ چینی ہے۔

عجیب و غریب سوالات

حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا ایک مخالف آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ میرے سوالات کا جواب دیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ پوچھو کیا پوچھتے ہو؟ اس نے پوچھا۔

بنائیے۔ ایک شخص ہے جسے جنت کی کوئی خواہش نہیں۔ دوزخ سے وہ نہیں ڈرتا اور اللہ تعالےٰ سے کچھ خوف نہیں رکھتا اور میتہ کھاتا ہے اور بلا رکوع و سجود صلوٰۃ پڑھتا ہے اور بن دیکھے شہادت دیتا ہے اور حق سے بغض رکھتا ہے اور فتنے کو محبوب رکھتا ہے، اور رحمت سے بھاگتا ہے اور یہود و نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ پس ایسے شخص کے حق میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

حضرت امام صاحب نے حاضرین مجلس سے دریافت کیا۔ کہ تم لوگوں کی نظر میں یہ شخص کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کو تم کیا کہتے ہو سب نے کہا کہ حضور! یہ تو بہت ہی بُرا شخص ہے۔ اور یہ تو کافر کی صفات ہیں۔ حضرات! بادی النظر میں جواب یہی سوجھتا ہے۔ اور اس قسم کے شخص کے لیے ہر کوئی یہی کہے گا کہ یہ شخص تو بہت ہی بُرا ہے مگر سبحان اللہ! فقاہت کی شان کچھ اور ہی ہے۔ ہمارے امام ہمام نے فرمایا نہیں ایسا شخص بُرا نہیں بلکہ وہ تو بہت ہی اچھا۔ اور نیک شخص ہے لو سنو!

وہ جنت کی خواہش نہیں رکھتا، یعنی اللہ کی خواہش میں جنت کی اسے کچھ پرواہ نہیں۔ وہ دوزخ سے نہیں ڈرتا یعنی وہ نار سے نہیں بلکہ ربُّ النار سے ڈرتا ہے اور اللہ سے خوف نہیں رکھتا کہ اللہ سے اس باب میں خوف نہیں رکھتا کہ اللہ اس پر کچھ ظلم کرے گا، اور میتہ کھاتا ہے۔ یعنی وہ مچھلیاں جو میتہ ہے کھاتا ہے اور بلا رکوع و سجود صلوٰۃ پڑھتا ہے جو بلا رکوع و سجود ہے۔ اور بن دیکھے شہادت دیتا ہے۔ یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول کی بغیر دیکھے شہادت دیتا ہے اور پڑھتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه اور حق سے بغض رکھتا ہے یعنی وہ موت سے جو حق ہے اس لیے بغض رکھتا ہے۔ تاکہ وہ جیتا رہے اور اللہ کی عبادت کرتا رہے اور فتنے کو محبوب رکھتا ہے، یعنی وہ اولاد کو جو فتنہ ہے محبوب رکھتا ہے۔

اور رحمت سے بھاگتا ہے یعنی بارش سے جو رحمت ہے۔ بھاگتا ہے، اور یہود و نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ یعنی وہ یہود کے اس قول کی کہ لَیْسَتِ النَّصَارٰی عَلٰی شَیْءٍ اور نصاریٰ کے اس قول کی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ تصدیق کرتا ہے، جس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ حق پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود حق پر نہیں یہود و نصاریٰ کے اس قول کی وہ شخص تائید و تصدیق کرتا ہے کہ یہ دونوں ہی سچے ہیں اور واقعی نہ نصاریٰ حق پر ہیں اور نہ ہی یہود حق پر ہیں"۔

(مغنی الواعظین ص ۶۶)

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز جوابات ہیں۔ بھائیو! یہ ہے فقیہ کی شان! اور اسے کہتے ہیں فقہ اور دین میں فقہ کی بہر حال ضرورت ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں حق سمجھنے کی توفیق دے۔ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

اکتالیسواں ۴۱ وعظ

خاتم الانبیاء

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (پ۲۲ ع۲)

"محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں میں پچھلے نبی اور اللہ سب کچھ جانتا ہے"!

حضرات! آج مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سارے نبیوں میں پچھلے نبی ہیں۔ آپ سب نبیوں کے بعد تشریف لائے اور آپ نے تشریف لا کر سلسلۂ انبیاء کو ختم فرما دیا۔ اب آپ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ قیامت تک کے لیے آپ ہی نبی ہیں اور آپ ہی کی شریعت سب کے لیے واجب الاطاعت ہے۔ اب حضور کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا اور جو اس بات کا مدعی ہے۔ وہ مسلمان نہیں کافر ہے۔

میرے بھائیو! یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے اور سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق رہا اور ہے، کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کو تسلیم کرنا ایمان کے خلاف ہے اور مسلمانوں کا یہ اجماعی فیصلہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد دعوئ نبوت کفر ہے۔

چنانچہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

وَدَعْوَی النُّبُوَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُفْرٌ بِالْاِجْمَاعِ (شرح فقہ اکبر ص۱۵)

"یعنی ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنا بالاجماع کفر ہے"

حضرات! آج مجھے بنیادی اور اجماعی مسئلہ پر کچھ روشنی ڈالنا ہے۔

بھائیو! یہ تو سب جانتے ہیں کہ اس سلسلۂ نبوت کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب ہم کلام الٰہی کی روشنی میں حضرت نوح علیہ السلام کے

حضرت نوح علیہ السلام

زمانہ میں پہنچتے ہیں تو ہم حضرت نوح علیہ السلام سے دریافت کرتے ہیں کہ اے اللہ کے پیغمبر! ہم جاننا چاہتے ہیں کہ کیا آپ کے بعد بھی نبی تشریف لائیں گے؟ تو اس کے

جواب میں قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ہمیں یہ ارشاد ملتا ہے:

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ

(پ ۶ ع ۳)

"بے شک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی، جیسے وحی نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی"

اس ارشاد سے پتہ چل گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت جاری رہا، اور آپ کے بعد بھی نبی تشریف لاتے رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

اس کے بعد ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا یا نہیں تو اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ (پ ۱ ع ۱۱)

"اور بے شک ہم نے موسےٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے درپے رسول بھیجے"

اس ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کے بعد بھی سلسلۂ نبوت جاری رہا اور اللہ تعالےٰ پے درپے رسول بھیجتا رہا۔ مفسرین کرام علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک متواتر انبیاء کرام آتے رہے۔ جن کی تعداد چار ہزار تھی (دیکھئے تفسیر خزائن العرفان ص۲۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

حضرات! اب ہم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے پیغمبر! فرمایئے: موسیٰ علیہ السلام کے بعد آپ تک تو چار ہزار نبی تشریف لائے۔ اب آپ کے بعد بھی کیا یہ سلسلۂ نبوت جاری رہے گا اور انبیاء کرام

تشریف لاتے رہیں گے یا نہیں؟ تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا جواب ملاحظہ فرمایئے" ارشاد باری ہے:

وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (پ ۲۸ ع ۹)

"اور اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے اس کا نام احمد ہے" (صلی اللہ علیہ وسلم)

سبحان اللہ! کیا ہی حقیقت آموز جواب ہے۔ فرمایا: میرے بعد زیادہ نبی نہیں۔ بلکہ صرف ایک ہی نبی تشریف لائے گا جن کا نام نامی احمد ہے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے بعد صرف ایک ہی رسول کی خبر دی اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمارے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر کر دیا کہ مجھ پر نبوت ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ میرے بعد میرے اور تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کے سردار مسند نبوت کو زینت بخشنے والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

چنانچہ ہم اپنے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اور اپنے آقا سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا جائے کہ نبوت کے محبوب و حقیقی مطلوب آپ ہی ہیں یا آپ کے بعد کوئی دوسرا بھی اس منصب کا اہل ہے؟ اور آپ کے بعد کوئی نبی آئے گا یا نہیں!

میرے بزرگو! بھائیو اور دوستو! سنو اور غور سے سنو! کہ اس سوال کا جواب ہمیں اللہ تعالےٰ نے کیا دیا۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا، اور علی الاعلان فرمایا:

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط

"محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے"

مسلمانو! دیکھ لو! جس قرآن نے حضرت نوح، حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ

علیہم السلام کے بعد دیگر نبیوں کے آنے کی خبر دی وہی قرآن علی الاعلان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے نہ آنے کی خبر دے رہا ہے اور صاف فرمارہا ہے کہ وہ حضرت نوح، حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ علیہم السلام تھے جن کے بعد نبی تشریف لاتے رہے اور یہ محمد ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جو نبیوں میں پچھلے نبی اور سلسلۂ نبوت کو ختم فرمادینے والے ہیں۔ ان کے بعد قیامت تک کے لیے کوئی نبی پیدا نہیں ہو سکتا۔

ارکانِ دیں میں ختم نبوت کا ہے شمول
اب بعدِ مصطفےٰ نہ کوئی آئے گا رسول
ثابت ہوا کہ بابِ نبوت کا بند ہے
اب یہ مقام فکرِ بشر سے بلند ہے

کامل شریعت

حضرات! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا کے لیے کامل شریعت لے کر آئے ہیں۔ اسی لیے آپ پر نبوت ختم ہوچکی اور آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ نبیوں کے آنے کی غرض یہ ہوتی ہے کہ زمانہ کی ضروریات کے مطابق کوئی ہدایت نامہ اللہ کی طرف سے دنیا میں لائیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ ہدایت نامہ قرآن کریم کی شکل میں ہمیں پہنچا دیا۔ جو ہر زمانہ اور ہر ملک اور ہر قوم کی ضروریات دینی وملکی وقومی کو قیامت تک پورا کرنے والا ہے اور اب کوئی ایسی نئی صورت دنیا کو پیش نہیں آسکتی۔ جس کا حل اس کتاب پاک میں موجود نہ ہو اور جس کے لیے کسی اور نبی کے آنے کی ضرورت ہو اسی لیے اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں جو میں نے پڑھی ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ یہی ہے۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اب آپ کے بعد کوئی نبی دنیا میں پیدا نہ ہوگا۔

مرزا صاحب کا ترجمہ

آیت مذکورہ کا یہ معنیٰ یہ نہیں کہ ہم ہی کرتے ہیں خود

مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی یہی معنےٰ کیا ہے۔ چنانچہ ان کا کیا ہوا بھی ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

"محمد صلے اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں۔ مگر وہ رسول اللہ ہے اور ختم کرنے والا نبیوں کا" (ازالہ اوہام ص۶۱۴ حصہ دوم)

معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیا ہیں۔ سلسلۂ نبوت حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہوگیا۔ بھائیو! سیدھی سی بات ہے کہ ہر وہ چیز جس کی ابتدا ہو، اس کی انتہا بھی ہوتی ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سلسلۂ نبوت کی ابتدا تو ہو مگر انتہا اس کی کوئی نہ ہو پس اس سلسلہ کی ابتدا آدم علیہ السلام سے ہوئی اور انتہا حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ہوگئی اور حضور پر انتہا اسی لیے ہوئی کہ حضور نے قیامت تک کے لیے ہر ضرورت کو پورا فرمادیا اور کوئی مسئلہ نہیں جس کا حل حضور کی شریعت میں نہ ہو۔ آپ ایک کامل شریعت اور کامل دین لے کر تشریف لائے۔ جس کے بعد ہمیں نہ کسی اور دین کی ضرورت رہی، نہ کسی اور نبی کی!

خدا کا ارشاد

بھائیو! ایک دوسری جگہ خدا فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (پ۶ ع۵)

"آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی"

مفسرین کرام علیہم الرحمۃ نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ صاحب خزائن العرفان نے اس طرح لکھا ہے کہ:

"دین کا اکمال یہ ہے کہ وہ پچھلی شریعتوں کی طرح منسوخ نہ ہوگا اور قیامت تک باقی رہے گا" (خزائن العرفان ص۱۵۵)

اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جن کی تفسیر بڑی قابل اعتماد اور جس کا منبع وماخذ

قرآن وحدیث ہے اور بڑے بڑے مفسرین نے جس تفسیر سے استفادہ کیا ہے
وہ اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں ؛

هٰذِهٖ اَكْبَرُ نِعَمِ اللّٰهِ عَلٰى هٰذِهِ الْاُمَّةِ حَيْثُ اَكْمَلَ تَعَالٰى لَهُمْ دِيْنَهُمْ فَلَا يَحْتَاجُوْنَ اِلٰى دِيْنٍ غَيْرِهٖ وَلَا اِلٰى نَبِيٍّ غَيْرِ نَبِيِّهِمْ صَلَوٰتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَلِهٰذَا جَعَلَهٗ خَاتَمَ الْاَنْبِيَاءِ وَبَعَثَهٗ اِلَى الْاِنْسِ وَالْجِنِّ (تفسیر ابن کثیر ص۲۹ ج ۳)

"اللہ کی اس امت پر یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ اس نے ان کے لیے ان کے دین کو مکمل فرما دیا۔ پس اب یہ اس دین کے سوا کسی اور دین کے محتاج نہیں، اور نہ ہی اپنے نبی (محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کے سوا کسی دوسرے نبی کے محتاج ہیں۔ اسی لیے اللہ نے حضور علیہ السلام کو نبیوں کا ختم کرنے والا بنایا۔ اور آپ کو جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا"

مسلمانو! دیکھو بات صاف ہے کہ ہمارا دین کامل ہے، اور قیامت تک کے لیے ہمارے لیے یہ دین کافی ہے۔ اس لیے ہمیں اب کسی نئے دین کی ضرورت اور نہ کسی نئے نبی کی حاجت۔ ہمارا نبی وہ نبی ہے کہ جس کی بارگاہ سے کوئی خالی اور محروم پلٹتا ہی نہیں اس بارگاہ سے ہر مراد ملتی ہے اور بقول حضرت حسن علیہ الرحمۃ ؎

ان کے طالب نے جو چاہا پالیا
ان کے سائل نے جو مانگا مل گیا

اور دوسری جگہ فرمایا ؎

فقیروں سے کہو حاضر ہوں جو مانگیں گے پائیں گے
کہ سلطان جہاں محتاج پرور آنے والا ہے
مبارک دردمندوں کو ہو مژدہ بے قراروں کو
قرار دل شکیب جان مضطر آنے والا ہے!

پھر ایسے داتا کے ہوتے ہوئے سائل کو کسی دوسرے دروازے کی حاجت ہی کیا؟

مرزا صاحب کا قول

میرے بھائیو! ہمارے دین کا کامل ہونا ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ خود مرزا صاحب قادیانی نے بھی لکھا ہے کہ:

"حضرت عیلے صرف تورات کے وارث تھے جس کی تعلیم ناقص اور مختص القوم ہے۔ اسی وجہ سے انجیل میں ان کو وہ باتیں تاکید کے ساتھ بیان کرنی پڑیں جو تورات میں مخفی اور مستور تھیں لیکن قرآن شریف سے ہم کوئی امر زیادہ بیان نہیں کر سکتے، کیوں کہ اس کی تعلیم اتم اور اکمل ہے۔ وہ تورات کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں" (حقیقۃ الوحی ص۱۵)

مرزا جی کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ چونکہ تورات کی تعلیم کامل نہ تھی، ناقص تھی اس لیے حضرت عیلے علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا، تاکہ وہ تورات کے اخفاء کو دور کریں، مگر قرآن پاک کی تعلیم کامل واکمل ہے۔ اس لیے قرآن پاک تورات کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں"

مرزا صاحب کی عبارت تو صرف اتنی ہی ہے کہ قرآن پاک تورات کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں"۔ مگر یہ عبارت بھی ناقص اور غیر کامل ہے اور اس کی تکمیل ہم کرتے ہیں اور وہ اس طرح کہ

قرآن پاک تورات کی طرح کسی انجیل کا محتاج نہیں، اور صاحب قرآن حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صاحب تورات موسٰے علیہ السلام کی طرح کسی نبی کے محتاج نہیں۔

جب قرآن پاک قیامت تک کے لیے کامل واکمل ہدایت نامہ ہے تو پھر ہمیں نہ کسی دوسری کتاب کی ضرورت اور نہ کسی نئے نبی کی حاجت!

ایک بہائی سے گفتگو

میرے بھائیو! کچھ عرصہ ہوا، دفتر ماہِ طیبہ میں ایک بہائی مبلغ آ پہنچا۔ یہ "بہائی"، بھی ایک نیا مذہب اور اس نئے زمانے کا ایک نیا کرشمہ ہے۔ خدا تعالےٰ بچائے۔ اس پُرفتن دَور میں نئے نئے فتنے دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو "ظلی و بروزی نبوت"، پر ہی اعتراض تھا، اور وہ اس ظلی و بروزی نبوت کے "اجرا"، پر بھی سخت برہم تھے کہ ایران سے بہاء اللہ نامی ایک صاحب اٹھے۔ انہوں نے معاذ اللہ مستقل نبوت کا دعوےٰ کر ڈالا اور کہا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ اب سارے زمانے کے لیے میں نبی و رسول ہوں۔ اور قرآن بھی اب منسوخ ہے۔ اب میں ایک کتاب لایا ہوں جس پر ایمان لانا ضروری ہے (معاذ اللہ) اس شخص کے ماننے والے بہائی کہلاتے ہیں، اور آپ یہ سنکر شاید حیران ہوں کہ ہمارے ملک میں بھی یہ لوگ پائے جاتے ہیں۔ یہ لوگ بروزی و ظلی نبوت والوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں۔ خدا تعالےٰ محفوظ رکھے۔ مسلمانوں کو ظلی و بروزی نبوت والوں ہی سے شکایت تھی کہ یہ بہائی ان کے بھی اُستاد نکلے۔

لطیفہ کہتے ہیں، کسی پرائمری سکول کا ایک لڑکا کھڑے کھڑے پیشاب کر رہا تھا۔ کسی نے اسے دیکھا، تو اس کی شکایت کی غرض سے وہ لڑکے کے استاد کے پاس پہنچا۔ وہاں جا کر اس نے دیکھا کہ استاد صاحب کھڑے ہو کر اور گھوم گھوم کر پیشاب کر رہے ہیں۔ شکایت کرنے والے نے یہ منظر دیکھا تو خاموشی سے واپس چلا آیا۔

کچھ یہی قصہ یہاں بھی ہے کہ چھوٹے میاں اگر "بروزی و ظلی"، کے گمان میں کھڑے ہیں تو بڑے میاں اس سے بھی دو ہاتھ آگے "مستقل"، کے چکر میں ہیں۔ ہاں تو ایک بہائی مبلغ میرے پاس پہنچا، اور اپنے مشن کا چکر چلانے لگا۔ میں نے اس سے یہی دریافت کیا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلی شرائع کو منسوخ فرمایا، اور دینی ضروریات اور مکارمِ اخلاق کی تکمیل فرمائی،

اور جن تعلیمات و ہدایات کا فقدان تھا دنیا بھر کو ان سے روشناس کرایا، اور دینی و دنیوی کوئی ایسا شعبہ باقی نہ رہنے دیا جس پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے روشنی نہ ڈالی، اور اس کے لیے واضح ہدایات نہ دیں۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ وہ کون سی ایسی بات ہے جو ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے رہ گئی تھی یا وہ کون سی ہدایت و تعلیم ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مقدسہ میں مفقود ہے۔ جس کے بیان کرنے کے لیے آپ کے بہاء اللہ صاحب آ گئے ہیں؟ کوئی ایک ہی ایسی بات بتا دیجئے، مگر ایسی بتائیے جس کی ہدایت ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں موجود نہ ہو۔ میرے بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ بہائی مبلغ اس سوال کے جواب میں بڑا پریشان ہوا۔ کہنے لگا۔ ہمارے حضرت بہاء نے عالمگیر برادری کی بنیاد ڈالی ہے۔ میں نے کہا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی ہدایت ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نہ دے چکے ہوں۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ کسی عربی کو عجمی پر، اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ ہاں پرہیزگار شخص کو، چاہے وہ کسی قوم کا ہو فضیلت حاصل ہے۔

كُلُّكُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ

"تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے"

فرمائیے، اس عالمگیر مساوات و برادری کی تعلیم و ہدایت موجود ہوئی یا نہ؟ پھر آپ کے بہاء اللہ صاحب نے کون سی نئی بات سنائی؟ کچھ اور ہے تو فرمائیے! سچ بولنا، ظلم نہ کرنا، فتنہ و فساد نہ کرنا، عدل و انصاف، اخوت و ہمدردی اور رحم و کرم، جود و سخا، بذل و وفا، عزم و استقلال، عز و وقار وغیرہ جملہ محاسن و کمالات اور ان کی روشن ہدایات ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پا چکے۔ پھر آپ کے "آنے والے"، نے اس آنے کا تکلف ہی کیوں فرمایا؟ خدا شاہد ہے کہ میری اس تفصیلی گفتگو سے بہائی مبلغ کھسیانی ہنسی ہنستا رہا

اور پھر اجازت طلب کر کے اور اپنے ماہنامہ "کوکب" کا ایک شمارہ دے کر چلتا بنا۔

ہاں تو بھائیو! میں کہہ رہا تھا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس شان سے تشریف لائے ہیں کہ دین و دنیا کی دولتیں ان کے دامن سے وابستہ ہیں۔ ان کی بارگاہ سے ہر مشکل حل ہوتی ہے۔ قیامت تک کے لیے ان کا درِ رحمت وا ہے اور ہر سائل و محتاج کا یہ نعرہ ہے کہ ؎

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں

پھر ہمیں کسی اور نبی کی حاجت ہی کیا؟ مسلمانو! یہ حقیقت ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں روحانی و جسمانی، دینی و دنیوی ملکی و ملّی ہر قسم کی ہدایات سے سرفراز فرمایا۔ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے، سونے جاگنے حتیٰ کہ پیشاب کرنے تک کی تمام ہدائتیں فرمائیں۔ پھر غور تو کیجئے کہ آپ کے بعد کسی دوسرے کے آنے کی حاجت ہی کب رہ گئی؟ پھر بھی اگر کوئی شخص اس بات کا مدعی ہو کہ میں بھی "آیا ہوں"۔ تو اس خود بخود آنے والے سے پوچھئے کہ جناب! اگر آپ آئے ہیں تو آئے ہی کیوں؟ اور اس سے صاف صاف کہئے کہ آپ کا آنا تو بس اس مثل کے مصداق ہے کہ

مان نہ مان میں تیرا مہمان

خاتم کا معنیٰ

حضرات! میں نے جو آیت کریمہ پڑھی ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا گیا ہے۔ منکرین ختم نبوت اس کے متعلق کہتے ہیں کہ "خاتم" کا معنیٰ ختم کرنے والا نہیں ہے۔ بلکہ اس کا معنیٰ "مہر" ہے یعنی حضور علیہ السلام نبیوں کی مہر ہیں۔ میرے بھائیو! اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ اگر یہی بات تھی۔ تو خود مرزا صاحب نے بھی اس کا ترجمہ "ختم کرنیوالا نبیوں کا" کیوں کیا جیسے کہ یہ حوالہ پہلے گذر چکا ہے۔ اور اگر مرزا صاحب پر بھی

اعتبار نہیں رہا تو پھر تفصیل سے سنئے کہ "خاتم النبیین" میں دو قرائتیں ہیں۔ "خَاتَمْ" بفتح التا بھی۔ اور "خَاتِمْ" بکسر التا بھی۔ جب ہم اسے "خَاتِمْ" بکسر التا پڑھیں گے تو معنیٰ صاف ہے کہ "ختم کرنے والا ہے نبیوں کا" اور اگر ہم اسے "خَاتَمْ" بفتح التا پڑھیں گے تو بھی ہمارا مدعا حاصل یعنی اس کا معنیٰ آخر النبیین ہوگا۔ یعنی سب سے پچھلے نبی۔ سب مفسرین نے اس کا یہ معنے بھی لکھا ہے اور دوسرا معنے اس کا نبیوں کی مُہر بھی ہے۔ مگر منکرین کے ہاتھ پھر بھی کچھ نہیں لگے گا۔ بلکہ طریق اولیٰ ختم نبوت ثابت ہوگی۔

مہر کا مطلب

دیکھئے! اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

"اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی"

مطلب یہ کہ نہ ان کے دلوں سے کفر نکل سکتا ہے اور نہ ان کے دلوں میں ایمان جا سکتا ہے۔ منتہی الارب میں جو لغت کی کتاب ہے، ایک مثال دیکر سمجھاتے ہیں کہ،

ختم علے قلبہ مہر نہاد بر دل وے "تا فہم نکند چیزے را و نہ بر آید چیزے ازاں۔

"یعنی مہر رکھی اس کے دل پر تاکہ وہ نہ کسی چیز کو سمجھے اور نہ کوئی چیز اس سے باہر آسکے"

معلوم ہوا، کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نبیوں کی مہر ہیں۔ نہ اس گروہ انبیاء میں کوئی دوسرا شامل ہو سکتا ہے اور نہ اس سے کوئی نکل سکتا ہے۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ابن جریر میں اسی آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں،

وَلٰكِنَّهٗ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ الَّذِيْ خَتَمَ النُّبُوَّةَ فَطَبَعَ عَلَيْهَا فَلَا تُفْتَحُ لِاَحَدٍ بَعْدَهٗ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ (ابن جریر ص۱۱ جزء ۲۲)

"لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور خاتم النبیین۔ یعنی وہ ذات بابرکات جس نے نبوت کو ختم کر دیا پس نبوت پر مہر لگا دی گئی۔ پس نہیں کھولی جائے گی حضور علیہ السلام کے بعد قیامت تک کسی کے لیے،،

حضرات! اسی طرح آپ جلالین۔ بیضاوی اور دیگر تفسیر کی سب کتابیں دیکھیں سب نے یہی لکھا ہے کہ مہر سے مراد یہی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود سے نبوت پر مہر لگ چکی ہے۔ اب یہ قیامت تک کے لیے کسی کے لیے نہیں کھلے گی۔

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ نے تفسیر روح البیان میں اس کا فارسی زبان میں یوں ترجمہ کیا ہے۔

مہر پیغمبراں یعنی بدو مہر کردہ شد در نبوت و پیغمبراں را بدو ختم کردہ اند

(روح البیان ص۱۸۱ ج۲)

"نبوت پر مہر لگا دی گئی ہے اور پیغمبروں کو حضور کی ذاتِ انور سے ختم کر دیا گیا ہے،،

دیکھو مسلمانو! خاتم کا معنیٰ مہر کرنے سے بھی مدعا ہمارا ہی حاصل ہوتا ہے۔ اور بات وہی بنتی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سب سے پچھلے نبی اور نبیوں کو ختم کرنے والے نبی اور بابِ نبوت پر مُہر لگانے والے نبی ہیں۔ دوستو! سچ بتاؤ جو شخص سرکاری مہر توڑنے کی کوشش کرتا ہوا نظر آئے اُسے پکڑو گے اور پکڑاؤ گے یا اس کی بیعت کر لو گے؟

دو لطیفے

حضرات! خوب یاد رکھئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اور جو یوں کہے کہ میں آیا ہوں۔ تو یقین کر لیجئے کہ یا تو وہ پاگل ہے اور یا پھر بھوکا۔ اس لیے کہ عقل نہ رہے۔ تو ع

خدا جب دین لیتا ہے حماقت آ ہی جاتی ہے

اور پیٹ بھوکا ہو۔ تو ع

اے پیٹ تیرے واسطے ہم کیا سے کیا بنے

ان دونوں مصرعوں کی تصدیق ان دو لطیفوں سے کیجئے:

ایک شخص ایک پاگل خانے میں گیا۔ اس نے ایک کمرہ میں ایک پاگل کو بیٹھے دیکھا۔ جو بظاہر بڑا سنجیدہ تھا۔ چنانچہ وہ بڑی متانت سے کہنے لگا۔ دیکھئے صاحب! انہوں نے مجھے خواہ مخواہ اس پاگل خانے میں بند کر ڈالا ہے۔ حالاں کہ میں پاگل بالکل نہیں ہوں۔ میں تو صرف اتنا کہتا ہوں کہ "میں اللہ کا نبی ہوں،،

پاگل نے اتنا ہی کہا تھا کہ ساتھ والے کمرہ میں جو پاگل بند تھا...... ایک دم بول اٹھا:

"جھوٹا ہے۔ بالکل جھوٹا...... میں نے تو اسے بھیجا ہی نہیں......،

سمجھے کچھ آپ؟ پہلا نبوت کا مدعی تھا، تو دوسرا "الوہیت" کا اور یہ سب کرشمہ تھا دماغی فتور کا،

اب بھوک کا لطیفہ بھی سن لیجئے:

ایک شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا۔ تو بادشاہِ وقت نے سوچا کہ بیچارا غریب آدمی ہے۔ شاید کھانے پینے کے لیے اس نے یہ ڈھونگ رچایا ہے۔ چنانچہ اس نے اس مدعی نبوت کو بلایا، اور اسے شاہی باورچی خانے میں ٹھہرا کر حکم دیا کہ اسے دن بھر خوب کھلاؤ پلاؤ۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے اسے شاہی مہمان رکھا گیا۔ اور باورچی خانے میں بٹھا کر اسے طرح طرح کی غذائیں کھلائی گئیں دوسرے روز بادشاہ نے اُسے بلا کر پوچھا،

"کیوں صاحب! کوئی تازہ الہام ہوا ہے؟

وہ بولا:" ہاں صاحب ہوا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ باورچی خانہ میں رہیو!"

بادشاہ ہنسنے لگا اور سمجھ گیا کہ یہ سب کرشمہ ہے پیٹ کا۔

تو بھائیو! اس قسم کے دعوے سب خرابیٔ دماغ یا تبخیر معدہ کا نتیجہ ہیں۔ خدا تعالیٰ محفوظ رکھے ؎

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً آجکل کے انبیاء سے

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بیالیسواں وعظ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ
وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا ز سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ

مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ
وَمَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــٴَـهٗ
فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ
یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا (پ۲۶ ع۱۲)

(ترجمہ) محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے، کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل تو اُنہیں دیکھے گا، رکوع کرتے، سجدہ میں گرتے، اللہ کا فضل و رضا چاہتے۔ اُن کی علامت اُن کے چہروں میں ہے سجدوں کے نشان سے۔ یہ اُن کی صفت توریت میں ہے اور اُن کی صفت انجیل میں ہے۔ جیسے ایک کھیتی نے اپنا پٹھا نکالا، پھر اسے طاقت دی پھر دبیز ہوئی۔ پھر اپنی ساق پر سیدھی کھڑی ہوئی کسانوں کو بھلی لگتی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔ اللہ نے وعدہ کیا ان سے جو ان میں ایمان اور اچھے کاموں والے ہیں، بخشش اور بڑے ثواب کا۔" (کنزالایمان)

حضرات! آج مجھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل و مدارج کا بیان کرنا ہے اسی لیے میں نے قرآن پاک کی وہ آیات پڑھی ہیں۔ جن میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ان مقدس ساتھیوں کا

ذکر اور ان کے فضائل کا بیان ہے۔ آپ نے سنا۔ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اور اسم گرامی لیا ہے، اور فرمایا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یعنی محمد اللہ کے رسول ہیں۔ پھر فرمایا وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ۔ یعنی "اس کے ساتھ والے"۔ یہ ساتھ والے کون ہیں؟ وہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین۔ ان کی کیا شان ہے؟ فرمایا: کافروں پر سخت اور آپس میں نرم دل۔ ان کی عبادت کا کیا عالم ہے؟ فرمایا: رکوع کرتے، سجدہ میں گرتے اور اللہ" کا فضل اور اس کی رضا چاہتے رہتے ہیں"، اور ان کی عبادت کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: "سجدوں کے نشان ان کے چہروں میں نظر آتے ہیں"، اور ان کی تعریف وثنا کی وسعت کیسی ہے؟ فرمایا ان کی صفت توراۃ میں ہے، اور انجیل میں بھی ہے۔

اور توراۃ وانجیل میں اُن کی تعریف وثنا کس طرح کی گئی ہے؟ فرمایا! اسطرح کہ: محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ساتھی ایک سرسبز ولہلہاتی کھیتی ہیں۔ جسے دیکھ کر مسلمانوں کے دل کھل جاتے ہیں اور کافروں کے دل جل جاتے ہیں"۔ اور انہیں اجر کیا ملے گا؟ فرمایا مغفرت اور بہت بڑا ثواب ملے گا"۔

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! ان آیاتِ شریفہ سے صحابۂ کرام علیہم الرضوان کے فضائل۔ ان کی علوِ شان، ان کی سیرت وکردار اور اُن کی دونوں جہانوں میں کامیابی روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے۔ ان نفوسِ قدسیہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت کا جو شرف حاصل ہے۔ اس شرف سے یہ ساری امت میں اعلیٰ واشرف ہو گئے، اور ہمارا یہ ایمان واعلان ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد صحابہ کرام علیہم الرضوان ہی کی بڑی شان ہے اور آج تک مسلمانوں کا یہی ایمان رہا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف پانے والے خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساری امت میں بڑے درجہ کے مالک ہیں، اور لاکھوں غوث وقطب، کروڑوں ولی، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی کے بھی مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے اور یہ کمال انہیں صرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے

حاصل ہوا ہے۔

صحبت کا اثر

بھائیو! صحبت کا اثر ایک ایسی چیز ہے۔ جس کی بدولت طبیعتوں میں انقلاب آجاتا ہے، اور کئی تبدیلیاں نظر آنے لگتی ہیں۔ اچھی صحبت کا اچھا اثر اور بری کا بُرا نظر آنے لگتا ہے۔

مولانا نا روحی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔

صحبت صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

"یعنی نیک آدمی کی صحبت تجھے بھی نیک کر دے گی،
اور بُرے شخص کی صحبت تمہیں بھی برا کر دے گی،

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے ایک قطعہ کا کسی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے کہ

طلب کی میں نے اک دانا سے پند
کہا ناداں سے مت کر ربط و پیوند
کہ گر تو باخرد ہے خر بنے گا
وگر ناداں ہے ناداں تر بنے گا

مطلب یہ کہ جیسی صحبت ہوگی، ویسا ہی اثر ہوگا۔ اسی لیے دانا لوگ اچھی صحبت اور اچھے ماحول میں بیٹھنے کی تاکید کیا کرتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آجکل عقائد و اعمال میں جو بگاڑ نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ بھی زیادہ تر بُری صحبت و بُرا ماحول ہے آج کل مادر پدر آزادی کا دور ہے۔ ہر روز کوئی نیا ہی عقیدہ و خیال سامنے آجاتا ہے۔ نئے نئے ملحدانہ نظریات کی تشہیر ہونے لگتی ہے اور پھر جابجا سینما و تھیٹر، ناچ گھر اور عریانی و فحاشی کے مراکز نظر آتے ہیں اور اخلاقی و روحانی انحطاط خوب ترقی پذیر ہے۔ آج کل نئی روشنی کا زمانہ ہے۔ اور اس نئی روشنی نے

نئی روشنی

جو جو گل کھلائے ہیں۔ ظاہر ہے اس کی بدولت مادی ساز و سامان اور ظاہری خورد و نوش کی بڑی بہتات ہے۔ لیکن باطنی خوراک

روحانی غذا۔ ذکر و فکر طاعت و عبادت الٰہی نادر و نایاب ہے۔ ہر جگہ دن رات ناچ و رنگ کی محفلیں قائم ہیں۔ شراب کے دور چل رہے ہیں فسق و فجور عام ہے۔ انسان معتوب ہیں اور کتے محبوب ہیں۔ مادی ترقی کے فلک پر جا پہنچے ہیں مگر روحانی پستی کے درکِ اسفل میں جا پڑے ہیں۔

خوب کہا ہے اکبر الٰہ آبادی نے کہ ؎

صفائیاں جتنی ہو رہی ہیں دل اتنے ہو رہے ہیں میلے
اندھیرا چھا جائے گا جہاں پر اگر یہی روشنی رہے گی

بھائیو! اس روشنی نے جو ترقی بخشی ہے، یہ نام کی ترقی ہے۔ ایک قوم کی اصلی ترقی یہ ہے کہ وہ ظاہری و باطنی۔ دینی و دنیوی۔ مادی و روحانی اور سیاسی و مذہبی دونوں طریقوں پر ترقی حاصل کرے ورنہ اگر دین و مذہب اور روح و باطن کو الحاد مادہ اور جسم و ظاہر کی بھینٹ چڑھا کر بالفرض دنیوی ترقی حاصل کر بھی لی، تو اس کی مثال تو ایسے ہی ہے۔ جیسے کسی شخص نے سر دے کر، ایک خوبصورت ٹوپی حاصل کر لی یا اپنے پاؤں کٹوا کر جوتے پا لیے۔ سر ہی نہ رہا تو ٹوپی کس کام کی! پاؤں ہی نہ رہے تو جوتے کس کام کے۔ اسی طرح دین ہی نہ رہا تو یہ ترقی کس کام کی؟ اس قسم کی ترقی تو بس یہی سکھاتی ہے کہ اس دنیا میں تم حیوانی زندگی بسر کرو۔ اپنا مشغلہ کھانا پینا اور سونا رکھو۔ دنیا میں آئے ہو، تو چند روز حیوانوں کی طرح کھا پی کر چلتے بنو ؎

خواجہ را بیں کہ از سحر تا شام
دارد اندیشۂ شراب و طعام
شکم از خوشدلی و خوشحالی
گاہ پُر میکند گہے خالی
فارغ از خلد و ایمن از دوزخ
جائے او مزبلہ است یا مطبخ

مطلب ان شعروں کا یہ ہے کہ آج کے اس مادی انسان کو دیکھئے تو صبح سے شام تک بس کھانے پینے ہی میں نظر آتا ہے۔ اپنی خوشحالی کے باعث پیٹ کو بھرتا ہے۔ پھر خالی کرتا ہے۔ پھر بھرتا ہے۔ پھر خالی کرتا ہے یہ جنت سے بے نیاز اور دوزخ سے بے خطر ہے۔ اس کی جگہ یا باورچی خانہ ہے یا بیت الخلاء، آپ نے ان لوگوں کے اوقات کی تقسیم دیکھی ہوگی، یہ "ٹی ٹائم" ہے۔ یہ "لنچ ٹائم"، یہ "فروٹ ٹائم"، اور یہ "ڈنر ٹائم"، کوئی بھی تو "نماز ٹائم" نہیں۔ سب کھانے پینے ہی کے ٹائم ہیں۔

خوب کہا ہے حاجی حق حق نے ؎

بنی "ٹی" اور کبھی بنتی ہیں ٹیمیں
رہے ہیں آپ تو بس ٹی ہی ٹی میں
نمازِ عصر کی فرصت نہیں ہے
کہ ہیں مصروف وہ ٹی پارٹی میں

حاجی حق حق کی یہ پوری نظم ہی سننے کے لائق ہے۔ آگے لکھتے ہیں ؎

پڑھیں وہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کیوں
کہ ان کا دل تو ہے ون ٹو تھری میں
نئی تفسیر لکھ کر لائے ہیں وہ!
ملا کر ڈالڈا لائے ہیں گھی میں
برائی کو بھی نیکی دیکھتے ہیں
یہ کیا اندھیر ہے اس روشنی میں
برائے مصطفیٰ کی ہیں مؤید!!
تری راکٹ کی یہ ساری سیکھیں
کہا اقبال نے کیا خوب حق حق
یہ شعر اس کا ہے میری شاعری میں

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بری صحبت و برے ماحول کا اثر بھی برا پڑتا ہے۔ گندے انڈوں کے ماحول میں اچھے اثر کی توقع عبث ہے۔

مسجدیں

حضرات! مسجدوں کا ماحول ایک ایسا ماحول ہے جو بڑا روح پرور اور پاکیزہ ماحول ہوتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا (پ۱۷ ع۱۳)

"اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے"

گویا یہی ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں روح کی غذا مل سکتی ہے۔ اسی لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶)

"یعنی اللہ کے نزدیک سب سے اچھی مجلس انسان کے لیے مسجدیں ہیں اور سب سے بری مجلس اس کے لیے بازار ہیں۔"

سبحان اللہ! کیا ہی ایمان افروز ارشاد ہے۔ مطلب یہ کہ بازار کے ماحول میں تو وہی غیر شرعی حرکات و سکنات اور غیر اخلاقی امور کا وجود ہوگا جس کا برا ہی اثر پڑے گا اور مسجد کا ماحول نماز، ذکر، کلمہ شریف اور درود شریف پر مشتمل ہوگا، اور ظاہر ہے کہ ایمان افروز ماحول سے طبیعتوں پر اچھا ہی اثر پڑیگا۔

جنت کے باغ

ایک حدیث پاک میں حضور صلے [illegible] سلم فرماتے ہیں:

اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا۔

"جب تم جنت کے باغوں سے گذرو تو ان کے میوے کھا یا کرو"

صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! جنت کے باغ کون سے ہیں اور ان کے میوے کون سے ہیں؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جنت کے باغ مسجدیں ہیں اور ان کے میوے "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف ص۶۲)

سبحان اللہ! کیا شان ہے مسجدوں کی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسجد جنت کا ایک باغ ہے۔ ظاہر ہے کہ جنت اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت کا گھر ہے اسی لیے دوسری جگہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں داخل ہو تو یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ط

"اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے"

اور جب مسجد سے نکلو تو یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (مشکوٰۃ شریف ص۶۰)

"اے اللہ! میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں"

معلوم ہوا کہ مسجد اللہ کے فضل وکرم کا مقام ہے اور اس کی رحمت کا گھر ہے اور اس کا ماحول رحمت ہی رحمت ہے، اور مسلمان کے لیے ایک باغ جنت ہے۔

مسجدوں میں دنیوی باتیں

میرے بھائیو! آپ نے سنا کہ مسجدوں کی کیا شان اور ان کا کتنا بلند مقام ہے۔ اور ان کا ماحول کس قدر رحمت بھرا اور پاکیزہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجدوں کے ماحول کا تقدس برقرار رکھنے کے لیے مسجدوں میں خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے اور فرمایا کہ اگر تم کسی کو مسجد میں کچھ بیچتا دیکھو تو یوں کہو:

لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ ط

"اللہ تجھے اس سودے میں نفع نہ دے"

اور اگر کوئی شخص اپنی گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرے تو یوں کہو:

لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ (مشکوٰۃ شریف ص۶۳)

"خدا تمہاری چیز تمہیں نہ لوٹائے۔"

یہ سب ارشادات اس لیے ہیں تاکہ مسجدوں کے تقدس میں فرق نہ آئے۔ اور مسجدوں میں بازاری ماحول پیدا نہ ہو سکے۔

مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج کل مسجدوں کا تقدس ہمارے پیش نظر نہ رہا۔ اور لوگ مسجدوں میں دنیوی باتیں کرتے نظر آتے ہیں۔ ماہِ طیبہ کے کسی شمارے میں آپ پڑھ چکے کہ ضلع گوجرانوالہ کے ایک قصبہ میں کسی چوہدری کا حقہ گم ہو گیا۔ تو وہ اپنے گم شدہ حقہ کا اعلان کرنے مسجد میں آ گیا، اور مسجد کے لاؤڈ سپیکر میں اعلان کرنے لگا کہ میرا قیمتی حقہ گم ہو گیا ہے جس کے پاس ہو مجھے پہنچا دے"

بتائیے! اس سے بڑھ کر اور ظلم کیا ہو گا کہ جو جگہ اللہ کی یاد کے لیے بنائی گئی ہو۔ اُسے اپنی گم شدہ چیزوں کی بازیابی کے لیے استعمال کیا جائے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے عطر کی شیشی میں مٹی کا تیل ڈال دیا جائے، یا دودھ کے برتن میں پیشاب کر دیا جائے ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ سب سے اچھی مجلس مسجد کی مجلس ہے اور سب سے بری مجلس، بازاری مجلس ہے۔

بازاری مجلس

یہ لفظ "بازاری" کچھ ایسا ہے کہ جس کے ساتھ لگ جائے اُسے بھی نظر سے گرا دے "بازاری گھی"، "بازاری عورت"، "بازاری فقرہ"، کہہ کر دیکھ لیجئے۔ "بازاری" کا لفظ لگ جانے سے گھی کی وہ قدر وقیمت نہ رہی۔ جو اصلی گھی ہے۔ عورت کی بھی وہ عزت ووقعت نہ رہی جو ایک شریف عورت کی ہے اور "فقرہ" کا بھی وہ اثر ووقار نہ رہا۔ جو معقول فقرہ کا ہے۔ بھائیو! کچھ اسی طرح کی بازاری مجلس بھی ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جو علم وحکمت کے منبع ومعلم ہیں اور جن کے ایک ایک ارشاد میں ہزاروں حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ اسی لیے تو فرمایا ہے۔ کہ بازاری مجلس اچھی نہیں۔ دیکھ لیجئے! زیادہ تر فتنے وفساد بھی بازار ہی سے اٹھتے ہیں

شور، ہنگامے۔ تانک جھانک۔ گالی گلوچ ہاتھا پائی اور تمسخر و مذاق وغیرہ بے ہودگیاں زیادہ تر بازار ہی میں نظر آتی ہیں۔ گویا بازار کا ماحول اچھا نہیں ہوتا اور ایسے ماحول اور بُری صحبت سے طبیعتوں پر یقیناً بُرا ہی اثر پڑتا ہے، اس لیے ایسے ماحول اور ایسی صحبت سے بچنا بہت ضروری ہے۔

صحابۂ کرام

ہاں تو میرا مقصد یہ ہے کہ صحبت کا اثر لازماً پڑتا ہے۔ اچھے آدمی کے پاس بیٹھنے سے آدمی اچھا آدمی بن جاتا ہے۔ آپ کسی اللہ والوں کی مجلس میں چلے جایئے۔ کم از کم جتنی دیر اس صحبت میں بیٹھنے کا آپ کو موقعہ ملے گا۔ اتنی دیر آپ بھی ذکر و فکر اور ہُو حق کے رنگ میں نظر آنے لگیں گے متبع شریعت پیر کے مریدین کو دیکھئے۔ سب شرعی رنگ میں نظر آئیں گے، اور اگر پیر ہی برائے نام پیر، اور چرسی اور بھنگی ہو گا تو اس کے چیلے چانٹے بھی سب اسی رنگ میں بھنگی ہی نظر آئیں گے۔

لطیفہ

بھائیو! ایسے نام کے پیروں سے بچو۔ یہ پیر ہرگز نہیں ہوتے بلکہ پیروں کے لباس میں اپنے نفس کے بندے ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں، ایسا ہی ایک برائے نام پیر کسی گاؤں میں آیا۔ ایک سادہ لوح دیہاتی نے کہا۔

"پیر جی! بیٹھ جایئے!"

پیر بولا: "میرے بیٹھنے کے لیے لاؤ پلنگ"

اس نے کہا: "کچھ پینا ہو تو فرمایئے! پینے کو کیا لاؤں!"

بولا: "لے آؤ تھوڑی سی بھنگ"

اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز آئی، تو بولا

"ہم ان مولویوں سے بڑے ہیں تنگ"

سادہ لوح دیہاتی نے پوچھا، جناب! اپنا تعارف تو کرایئے!

تو بولا! "ہم ہیں مولا علی کے ملنگ"

دعا کیجئے! خدا اس قسم کے ملنگوں سے بچائے۔ ہاں تو پیر اچھا ہو تو لازماً اکی

نیکی کا اثر مریدین پر بھی پڑے گا۔ چنبیلی کے پھولوں کی صحبت کے اثر سے ایک عام تیل بھی چنبیلی کا تیل کہلانے لگتا ہے۔ اور یہ پھولوں کی صحبت کا فیض ہوتا ہے کہ تیل میں بھی وہی پھولوں کی خوشبو آنے لگتی ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

گِلے خوشبوئے در حمام روزے
رسید از دست محبوبے بدستم

یعنی ایک روز حمام میں ایک ایسی مٹی دیکھی۔ جس سے پھولوں کی خوشبو آ رہی تھی۔

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلآویزے تو مستم

میں نے اس مٹی سے کہا کہ تم مشک ہو یا عنبر؟ کہ تمہاری دلآویز خوشبو سے میں مست ہوا جا رہا ہوں۔

بگفتا من گِلے ناچیز بودم
و لیکن مدتے با گُل نشستم

مٹی نے کہا: میں تو ایک ناچیز مٹی ہی تھی۔ مگر کچھ مدت کے لیے پھولوں کے پاس بیٹھی تو،

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ان پھولوں کے جمال نے مجھ میں یہ اثر پیدا کر دیا ہے کہ مجھ سے بھی وہی پھولوں کی خوشبو آنے لگی ہے۔ ورنہ میں تو کچھ بھی نہیں وہی مٹی ہوں"

سنا آپ نے؟ یہ ہے صحبت کا اثر، اب غور تو کرو ذرا کہ وہ خوش نصیب حضرات جنہیں سب نبیوں کے سردار اور ساری خوبیوں کے منبع و مخزن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوئی ہو اور جن کے لیے خدا تعالیٰ خود وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فرما کر ان کی اس معیت و صحبت کا اعلان کر رہا ہو۔ بھلا اُن نفوس قدسیہ پر حضور پرنور

صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت کا اثر کیوں نہ پڑا ہو گا۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خود خوشبو سے وہ کیوں مستفیض نہ ہوئے ہوں گے؟ بھائیو! ایک تبع شریعت پیر جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ادنیٰ غلام ہے وہ تو اپنے سینکڑوں مریدوں کو باخدا بنا دے چند پھول جن کی خوشبو صدقہ ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پُر مہک پسینے کا، وہ تو ایک عام تیل اور مٹی کو بھی خوشبودار بنا دیں۔ مگر خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو دن رات اپنے پاس بیٹھنے والوں کو اور وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ کے مصداق اپنے ہم نشینوں کو اپنی مبارک صحبت سے کوئی فیض نہ پہنچا سکیں، اور ان کی طبیعتوں میں کوئی انقلاب نہ لا سکیں یہ کس طرح ممکن ہے؟ یہ بات تو عقل بھی تسلیم نہیں کرتی۔ نقل وعقل تو یہی پکار اٹھے گی کہ ؎

وہ کڑکا تھا بجلی کا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا!
ادھر سے ادھر پھر گیا رُخ ہوا کا

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے عرب بھر میں انقلاب آگیا۔ اور لوگوں کی کایا ہی پلٹ گئی۔ بت پرست خدا پرست بن گئے۔ ظلم وستم کے پتلے رحم وکرم کے مجسمے نظر آنے لگے۔ کفر وشرک کی ظلمتوں سے بھرپور سینے نورِ خدا کے آئینے بن گئے۔ بت اوندھے منہ گر گئے، اور پرچم توحید بلندیوں میں لہرانے لگا۔ خوب کہا ہے شاعر نے کہ ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذروں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہ ہے حقیقت اور یہ ہے ایمان۔ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک صحبت سے صحابہ کرام مستفید ہوئے اور حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے نورانی پرتو سے ان نفوس قدسیہ کا ظاہر وباطن منور ہو گیا ؎

صحبت کو ہے تاثیر، نہیں اس میں کوئی شک
اصحابِ نبی میں نہ ہو کیوں خوئے محمد ﷺ

پڑھئے درود شریف!

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ
وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہ

اوصاف صحابہ

حضرات! خدا تعالےٰ نے اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لے کر پہلے تو فرمایا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور پھر ان کے ساتھیوں کا ذکر فرمانے کے لیے فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ۔ پھر صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس معیت وصحبت سے جو فیوض وبرکات حاصل ہوئے، خود اللہ تعالےٰ نے ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرما دیا ہے، اور اس خیال باطل کا ردّ فرما دیا ہے۔ کہ صحابہ کرام کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معیت وصحبت سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ خدا تعالےٰ نے ان آیاتِ شریفہ میں صحابہ کرام کے اوصاف وکمالات کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

پہلا وصف تو ان کا یہ بیان فرمایا ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ "وہ کافروں پر سخت ہیں"۔ دوسرا یہ کہ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔ "آپس میں نرم دل ہیں"۔ اس کے بعد پھر دیگر اوصاف کا ذکر فرمایا کہ وہ رکوع وسجود میں رہنے والے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہنے والے ہیں۔ ان کی پیشانیوں سے سجدوں کے نشان ظاہر ہیں۔ تورات وانجیل میں بھی ان کی صفت مذکور ہے، اور پھر ان کا وصف وکمال ایک سرسبز ولہلہاتی کھیتی کی مثال میں بیان فرمایا، اور بتا دیا کہ اس مقدس کھیتی کو

دیکھ کر مسلمان خوش ہوتے ہیں اور کافر جل جاتے ہیں۔ یہ سارے اوصاف اور یہ ساری خوبیاں صحابہ کرام کو کس سے ملیں، اور کیسے ملیں؟ اس کا جواب یہی ہے کہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" سے ملیں اور "وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ"، کا مصداق بن کر ملیں۔ باوجود ان حقائق کے پھر بھی اگر کوئی شخص صحابہ کرام کے فضائل واوصاف کا اقرار نہ کرے تو اس کی اپنی مرضی!

انکار بھائیو! صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل وکمالات کا انکار کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس انکار سے کون بچا ہے؟ اولیاء کرام کا انکار کرنے والے بھی ہیں۔ فضائل اہل بیت کا انکار کرنے والے بھی ہیں۔ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے والے بھی تھے اور اب بھی ہیں۔ اور تو اور خود خدا تعالےٰ کا انکار کرنے والے کیا دنیا میں نہیں ہیں؟ ہیں اور یقیناً ہیں اور اس لیے ہیں کہ ؎

لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ تھا وعدۂ ازلی
نہ منکروں کا عبث بدعقیدہ ہونا تھا

تو اس انکار سے خدا کا کیا بگڑا؟ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں کیا فرق آیا؟ منکر کا اپنا ہی ایمان برباد ہوا۔ اسی طرح اولیاء کرام، اہل بیت عظام اور صحابہ کرام کے فضائل وکمالات کا اگر کوئی انکار کرتا ہے تو کرتا رہے۔ اس میں ان پاک لوگوں کا کیا بگڑتا ہے۔ منکر اپنا ہی ایمان خراب کرے گا۔

خدا کا فیصلہ بھائیو! خدا تعالےٰ نے "لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ" فرما کر فیصلہ فرما دیا ہے کہ جو لوگ کافر تھے، ان کے دل صحابہ کرام سے جلتے تھے۔ پس جو لوگ صاحب ایمان ہیں انہیں تو صحابہ کرام بھلے ہی لگتے ہیں، اور وہ دل کی گہرائیوں سے کہتے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کہئے سب ملکر میرے ساتھ ساتھ ؎

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰے عَنْھُمْ
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ
رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ

حق پہ فدا ہو جانے والے — کفر پہ غالب آنے والے
کیوں نہ کہیں پھر مل کر ہم تم — رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ
عاشق کی جاں وجد میں آئے — حاسد تڑپے اور مر جائے
پیدا کیجئے ایسا ترنم — رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ

گستاخ حضرات! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو لوگ منافق تھے ان کے متعلق خدا تعالےٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا کَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَھَآءُ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ وَلٰکِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝

(پ ۱ ع ۲)

"اور جب ان سے کہا جائے کہ ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہیں کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ سنو! وہی احمق ہیں مگر جانتے نہیں۔"

یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کرام ایمان لے آئے۔ تو جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایمان لے آؤ جیسے صحابہ کرام ایمان لائے ہیں تو منافق اس کا جواب یہ دیتے کہ ہم بھی کیا ان احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں۔ دیکھا آپ نے ان منافقوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں یعنی صحابہ کرام کو احمق کہہ دیا۔ خدا تعالےٰ نے ان کی اس گستاخی کے جواب میں فرمایا کہ "یہ بے دین میرے محبوب کے صحابہ کو احمق کہنے والے خود احمق ہیں۔"

حضرات۔ اب خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی جناب میں یہ گستاخی کرنے والے کون تھے؟ اور ان گستاخوں کو اللہ تعالےٰ نے کیا جواب دیا؛ معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام کی گستاخی خدا تعالےٰ کو ہرگز منظور نہیں ہے۔ اسی واسطے جنہوں نے ان کو احمق کہا۔ خدا فرماتا ہے: وہ خود احمق ہیں۔ گویا جو مومن ہے وہ انہیں مومن ہی کہے گا، اور جو احمق ہے، وہ انہیں احمق کہتا ہے۔

اسطرح جو کوئی جو کچھ آپ سے وہی کچھ انہیں کہتا ہے۔ ان صحابہ کرام علیہم الرضوان پر اُسی محبوب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کا پرتو پڑ چکا تھا۔ جن کی شان میں ایک بار ابوجہل نے معاذ اللہ "زشت رو" کا جملہ بکا تھا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ۔

گفت من آئینہ ام معقول دوست
ترک و ہندو در من آں بیند کہ اوست

یعنی میں تو ایک آئینہ ہوں جو جیسا بھی ہے اُسے میرے آئینے میں اپنی ہی شکل نظر آتی ہے۔

انوکھی تفسیر

مسلمانو! قرآن پاک سے بعض لوگوں نے کچھ ایسا ظلم روا رکھا ہے کہ توبہ ہی بھلی! مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ میں وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ سے چونکہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل روز روشن کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے بعض لوگوں نے والذین معہ سے صرف علی مراد لیا ہے اور کہتے ہیں کہ جمع کا صیغہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے سبب فرمایا ہے۔

بھائیو! ایسی تفسیریں اگر ہونے لگیں تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ ذرا سوچئے تو، کہ محض صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اس آیت کا مصداق نہ بننے دینے کے لیے ایک خلاف نقل وعقل تفسیر کی جاتی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ جس کا یہ معنی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔ یہ معنی خود جمع کو ثابت کر رہا ہے کیوں کہ یہ صفت متعدد شخصوں ہی میں ہو سکتی ہے۔ ایک شخص میں نہیں ہو سکتی۔ بہر حال ان آیاتِ کریمہ سے بشمول حضرت علی رضی اللہ عنہ جملہ صحابہ کرام کے فضائل ثابت ہو رہے ہیں، اور مسلمان کا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے رسول حضور "محمد رسول اللہ" صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرما کر پھر وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فرما کر ان کے ساتھیوں کا ذکر فرما رہا ہے وہ مقدس ساتھی یہی ہیں اور

ان کے جتنے اوصاف بیان فرمائے ہیں وہ سب اُن میں موجود ہیں۔ ورنہ خدا تعالیٰ ان کی تعریف کیوں فرماتا۔

دل کی بات

بھائیو! حسد وعناد بہت بُری چیز ہے۔ "خدا محفوظ رکھے اس بلا سے"۔ بعض لوگ حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل وکمالات اور ان کے خلوص وایثار کے واقعات سن کر کہہ دیتے ہیں کہ (معاذ اللہ) یہ سب باتیں دکھاوے کی تھیں۔ وہ دل سے ایسے نہ تھے۔ استغفر اللہ العظیم۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا کہ جن نفوس قدسیہ کی طفیل آج ہم حلقہ بگوش اسلام ہوئے آج انہیں کی شان پاک میں ہم اس قسم کے گستاخانہ کلمات کہیں۔

میرے بھائیو! قرآن پاک نے تو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ظاہر وباطن کی عظمت وپاکیزگی کا اعلان کر دیا ہے

چنانچہ خدا تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ (پ ۲۶ ع ۱۱)

"بے شک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو اُن کے دلوں میں ہے۔ اور ان کے قلوب پر تسکین نازل فرمائی"

یہ بیعت رضوان حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام سے ایک درخت کے نیچے لی تھی کہ وہ قریش مکہ سے لڑیں اور کسی طرح منہ نہ پھیریں۔ چنانچہ سب نے خوشی سے بیعت کی اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا یہ خلوص دیکھ کر اس آیت کریمہ میں سب سے پہلے یہی فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

"یعنی اللہ راضی ہوا ان ایمان والوں سے۔"

اور پھر چونکہ اللہ تعالے کے علم میں یہ بات تھی کہ صحابہ کرام کے لیے بعض لوگ بھی کہہ دیں گے کہ یہ تو محض اُوپر اُوپر سے اور دکھاوے کی انہوں نے بیعت کی تھی۔ اور دل سے وہ کچھ اور تھے (معاذ اللہ) اس لیے اللہ تعالے نے آگے یوں فرمایا کہ:۔

فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ۔

"یعنی جو کچھ ان کے دلوں میں تھا۔ وہ بھی اللہ نے جان لیا"۔

گویا اللہ تعالے فرماتا ہے کہ میں "محمد رسول اللہ" کے ان ساتھیوں کو جنہوں نے درخت کے نیچے میرے محبوب کی بیعت کی، جانتا ہوں ان کے ظاہر کو بھی اور باطن کو بھی اور ان کے دلوں اور سینوں کی باتوں کو بھی خوب جانتا ہوں۔ پس میں نے ان کے دلوں کا امتحان کر لیا۔ اور جان لیا کہ یہ پکے ایمان والے ہیں۔ یہ جان کر ہی میں ان پر خوش ہوا ہوں اور فرماتا ہوں:

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

"یعنی ان ایمان داروں سے اللہ راضی ہو گیا"۔

میرے بزرگو! اب فیصلہ آپ خود ہی کر لیجئے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دلوں کو بھی جب اللہ تعالے نے جان لیا اور ان کے لیے اپنی رضا کا اعلان کر دیا۔ تو آج اگر کوئی خواہ مخواہ یہ کہتا پھرے، کہ نہیں صاحب! ان کے دل میں کچھ اور تھا۔ تو کس کا دل چاہے گا کہ ایسے حاسد کا اپنے دل میں ذرہ بھی احترام رکھے اور اس کے مسلک کو دل میں جگہ دے۔

بھائیو! صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے جب اللہ تعالے نے اعلان فرما دیا کہ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی اللہ اُن سے راضی ہو گیا تو آج اگر کوئی بھنگ کی ترنگ میں یوں کہنے لگے کہ میں ان سے راضی نہیں تو اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اس کے کہنے سے یہ بات ضرور ظاہر ہو گی کہ یہ صاحب اللہ تعالے سے ناراض ہیں اسی لیے جن سے وہ خوش ہے یہ اُن سے ناخوش ہیں۔ تو یہ

اُن کی دشمنی صحابہ کرام سے تو نہ ہوئی، خدا سے ہوئی ؎

صحابہ پر خدا خوش ہے خدا کی ان پہ رحمت ہے
عداوت ہے جسے اُن سے اسے حق سے عداوت ہے

ایک اور آیت

مسلمانو! ایک اور آیت سنئے! خدا تعالے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو مخاطب فرما کر فرماتا ہے:

حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ (پ ۲۶ ع ۱۳)

"اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور اُسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا ہے اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کر دی"۔

سبحان اللہ! کیا واضح ارشاد ہے۔ صاف فرمایا جا رہا ہے۔ کن کو؟ صحابہ کرام کو۔ کہ اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کر دیا ہے اور یہ نہیں کہ تمہارا یہ ایمان بس باہر ہی باہر ہے اور بقول بعض (معاذ اللہ) دکھاوے کا ہے، نہیں، بلکہ اللہ نے تمہارے دلوں کو بھی اس ایمان سے آراستہ کر دیا ہے اور کفر و نافرمانی حکم عدولی وغیرہ ہر قسم کی برائی تمہارے لیے ناگوار کر دی ہے"۔

فرمائیے! اس سے زیادہ اور کیا واضح اعلان ہو گا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ساتھی اس شان کے مالک ہیں کہ ایمان ان کو بے حد پیارا ہے اور ان کے دل بھی ایمان سے مزین ہیں اور کفر و نافرمانی سے وہ سخت بیزار ہیں۔ پھر اگر ان پاک لوگوں کے لیے آج کوئی شخص واہی تباہی بکنے لگے تو انصاف سے کہئے کہ کیا وہ شخص خدا پر ایمان رکھتا؟ اور کیا وہ خدا کے ارشاد کی تکذیب نہیں کرتا؟

اور سنیئے

حضرات! قرآن پاک میں جا بجا ان پاک لوگوں کے اوصاف و فضائل کا بیان ہے لیجئے آپ کو اٹھائیسواں پارہ کے چوتھے رکوع کی چند آیات شریفہ کو دیکھا جائے تو صاف پتہ چل سکتا ہے کہ صحابہ کرام کی کیا شان ہے اور

ان سے بعد آنے والے مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہئے؟ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جملہ مسلمانوں کی صرف تین قسمیں بیان فرمادی ہیں اور اس خوبی سے کہ قیامت تک جس قدر بھی مسلمان ہو سکتے ہیں، ان سے خارج نہیں ہو سکتے۔ سنئے! خدا تعالیٰ پہلی قسم کا ذکر فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۝

اس آیت میں اللہ تعالے نے مہاجرین کی صفت بیان فرمائی ہے۔ اور بتایا ہے کہ:

"وہ اپنے گھر بار اور مال سے جدا کئے گئے ہیں اور وہ خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، اور وہی سچے ہیں"

پھر ساتھ ہی دوسری قسم کا ذکر یوں فرمایا:

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِن قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

اس آیت میں اللہ تعالے نے انصار کی صفت بیان فرمائی ہے۔ اور بتایا ہے کہ:

"وہ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئے تھے اور مدینہ منورہ میں اپنے مکان و ایمان تیار کئے ہوئے، مہاجرین کے آنے کا انتظار کر رہے تھے اور ان کے آنے کے بعد ان کو وہاں ٹھہرایا اور باوجود اپنی حاجت کے اپنی جان سے زیادہ ان کو سمجھا اور نفس کے لالچ سے بچنے والے ہی کامیاب ہیں"

اس کے ساتھ ہی تیسری قسم کا یوں ذکر فرمایا:

وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔

اس آیت میں مہاجرین و انصار کے بعد آنے والے قیامت تک کے مسلمانوں کی صفت بیان فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ وہ مسلمان وہ ہیں:

"جو ان کے بعد آئے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ الٰہی! ہم کو بخش! اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ان کی طرف سے بغض نہ رکھ! الٰہی تو بڑا مہربان اور رحم والا ہے"

حضرات! ان آیات کو بار بار پڑھیے اور دیکھئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے لے کر قیامت تک کے سارے مسلمان ان تینوں قسموں میں آگئے ہیں۔ پہلی قسم مہاجرین کی ہے اور دوسری قسم انصار کی ہے، اور دونوں کا اعلیٰ درجے کا مومن و مسلمان ہونا اللہ تعالے نے بیان فرمایا ہے اور یہ دونوں قسمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہیں۔ باقی تیسری قسم میں قیامت تک کے سارے مسلمان ہیں۔ اور ان کی صفت اللہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ صحابہ کرام کے بعد آنے والے جو مسلمان ہیں، ان کے دلوں میں ان پہلی دو قسم کے مسلمانوں کا بغض نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ یوں کہتے نظر آئیں گے کہ

"الٰہی ہمیں بھی بخش! اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے"

اور ان کی دعا یہ بھی ہوگی کہ:

"الٰہی! ہم سے پہلے کے مومنین کا بغض ہمارے دلوں میں نہ رکھ!"

میرے بھائیو! اب آج جو اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار کرنا چاہتا ہے اور مسلمان ہونے کا مدعی ہے اسے ان تین قسموں میں سے کسی ایک قسم کی صفت اپنے اندر ثابت کرنی ہوگی۔ ورنہ اس کا دعویٰ اسلام غلط ہوگا۔ ظاہر ہے کہ پہلی اور دوسری قسم تو مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم ہی کی تھی۔

رہ گئی تیسری قسم تو اس قسم میں داخل جو شخص ہے۔ بس وہی مسلمان ہے، اور اس قسم کی صفت یہ ہے کہ اس کے دل میں پہلی دو قسم کے مومنین کا بغض نہیں ہوتا اور وہ ان کا ذکر ہمیشہ اچھے پیرائے میں کرتا ہے۔ انہیں اچھا اور مومن سمجھتا ہے اور ان کا نام لے تو ان پر ہزاروں رحمتوں اور مغفرتوں کے نزول کی دعا کرتا ہے۔ اب ہر مسلمان اپنے اندر اس صفت کو دیکھ لے کہ اس میں یہ صفت موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر وہ کوئی چوتھی قسم کا ہی مسلمان ہوگا۔ جس پر قرآن کی کوئی شہادت نہیں۔

لطیفہ کہتے ہیں۔ ایک مجلس میں ایک شرابی زیادہ پی جانے کے باعث اودھم مچا رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے باندھ کر الٹا لٹکا دیا۔ شرابی نے الٹا لٹک کر آنکھ کھولی، تو لوگوں کو دیکھ کر بولا بھئی واہ! تم بغیر پئے کے سب اُلٹے ہو گئے اور میں پی کر بھی سیدھا بیٹھا ہوں۔

کچھ ایسا ہی حساب اس چوتھی قسم کے مسلمانوں کا ہے کہ جو مومن ہیں وہ تو اس کی نظر میں غیر مومن ہیں، اور اپنے متعلق سمجھتا ہے کہ مومن ہوں۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ،

تینتالیسواں ۴۳ وعظ

صحابہ کے فضائل اور حدیث کے دلائل

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِہْتَدَیْتُمْ

ترجمہ: "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے کسی کے پیچھے بھی چلو گے تو منزل تک پہنچ جاؤ گے۔"

(مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۴۶)

حضرات! فضائل صحابہ پر اب تک جو کچھ میں نے بیان کیا۔ وہ کچھ تمہید تھی اور کچھ قرآنی دلائل تھے۔ قرآن پاک کی چند ایک آیات میں نے سنائی ہیں۔ حالانکہ ابھی کئی اور آیات باقی ہیں۔ جن سے صحابہ کرام کے ایمان کامل اور ان کی ارفع و اعلےٰ شان کا ثبوت ملتا ہے۔ میں چند ایک ہی آیات پر اکتفا کرتے ہوئے اب کچھ دلائل حدیث پاک سے بیان کرتا ہوں۔ تاکہ پتہ چل جائے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی عظمت قرآن و حدیث دونوں ہی سے ثابت ہے۔

اُمت میں سب سے بہتر

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا ہے:

اَكْرِمُوْا اَصْحَابِيْ فَاِنَّهُمْ خِيَارُكُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۴)

"میرے صحابہ کی عزت کرو۔ کیونکہ وہ تم سب سے بہتر ہیں۔ پھر جو ان سے ملیں، پھر جو ان سے ملنے والوں سے ملیں"

مسلمانو! سنو اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد۔ آپ کا ہمیں حکم ہے کہ صحابہ کرام کی ہم عزت اور ان کا ادب کریں کیوں کہ وہ ساری امت میں بہتر ہیں۔ پھر جو ان سے ملنے والے ہیں۔ صحابہ کے بعد ان کا درجہ ہے اور ان کے بعد پھر ان کا درجہ ہے جو صحابہ کے ملنے والوں سے ملنے والے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے! صحابہ کرام کی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ساری امت میں بہتر ہو گئے۔ اور پھر خود بھی صاحب تاثیر بن گئے کہ جو ان سے مل جائے، اس کی شان بھی بڑھ جائے۔ کیا کہنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تنویر و تاثیر کے۔ کہ صحابہ کرام کو ایسی تاثیر بخش دی۔ کہ صحابہ کرام نے بھی اپنے ملنے والوں کو یہ تاثیر بخش دی کہ ان کے دیکھنے والوں سے بھی جو مل جائے اس کی شان بھی بڑھ جائے۔

سراج منیر

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک سراج منیر اور روشن چراغ ہیں۔ جو بھی اس سراج منیر کے قریب ہو گا، وہ چمک اٹھے گا

اور جو جتنا بھی قریب ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ چمکے گا اور چراغ سے جتنا بُعد ہوتا چلا جائے گا، اتنا ہی اندھیرا بڑھتا جائے گا، اور یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو جو قربتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حاصل تھی وہ ہمیں نہیں۔ اس لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قربت و معیت اور صحبت کے فیض سے جو عُلوِّ شان انہیں حاصل ہے ہمیں نہیں۔ اور یہ بات قرینِ قیاس بھی ہے کہ صحابہ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے تھے جتنے منوّر وہ ہیں اتنے منوّر دوسرے ہو ہی نہیں سکتے۔ مگر کیا تماشا اور الٹا زمانہ ہے۔ کہ اب یوں بھی کہا جانے لگا ہے کہ وہ تو اندھیرے میں تھے۔ اور روشنی میں ہم ہیں۔ یعنے معاذ اللہ وہ مسلمان نہ تھے، اور ہم مومن ہیں ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

صحابہ کرام کی بدولت فتح

حضرات! ایک اور حدیث پاک سنئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا۔ جب لوگ جہاد و غزا کے لیے نکلیں گے تو ان سے کہا جائیگا:

هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔

"کیا تم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی صحابی بھی ہے تو کہیں گے کہ ہاں ہے! پس انہیں فتح حاصل ہو گی۔"

پھر ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ جہاد و غزا کے لیے نکلیں گے۔ تو ان سے کہا جائیگا کہ:

هَلْ فِيْكُمْ مَنْ صَاحَبَ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيُفْتَحُ لَهُمْ۔

"کیا تم میں کوئی شخص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کا ملنے والے کا کوئی ملنے والا بھی ہے تو کہیں گے کہ ہاں ہے تو انہیں

فتح حاصل ہو گی۔“ (بخاری شریف ص۵۱۵ ج۱ و مشکوٰۃ ص۵۵۵)

دیکھئے! اس حدیثِ پاک سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی فضیلت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو رہی ہے۔ کہ فتح و نصرت اگر ملتی ہے تو صحابہ کرام کے دم قدم سے۔ یعنی جس لشکر میں ایک بھی صحابی موجود ہو اس کے صدقہ میں سب کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ اگر صحابی نہیں تو اس کا دیکھنے والا یا پھر اس دیکھنے والے کا دیکھنے والا بھی موجود ہو تو بھی فتح حاصل ہو جاتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے اِن نفوسِ قدسیہ کی! کہ جس لشکر میں آ جائیں، فتح و نصرت قدم چومنے لگے۔ بھائیو! دراصل ساری برکتوں، فتوحات اور نصرتوں کی منبع حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ جہاد میں فتح نصرت جو ملتی ہے وہ اسی ذات بابرکات سے چلتی ہے اور صحابہ کرام کے وسیلے سے ہمیں ملتی ہے اگر اسی وسیلے سے منہ پھیر لیا جائے تو پھر کامیابی مشکل ہے۔

اللہ والوں کے وسیلہ سے

حضرات! اس حدیث کے مطابق ہمارا ایمان ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ پھر جنہوں نے صحابہ کرام کو دیکھا اور پھر وہ جنہوں نے اِن دیکھنے والوں کو دیکھا۔ اسی طرح سلسلہ بسلسلہ یہ فیض ہمیں ملتا ہے، اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا، اور اللہ تعالےٰ اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی طفیل اپنے مقبولوں کے وسیلے سے ہم پر انعام و اکرام فرماتا رہیگا۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں چالیس ابدالوں کا ذکر آتا ہے۔ جن کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

يُسْقٰى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَاءِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۸۲)

”یعنی ان کے صدقہ میں مینہ برستا ہے اور ان کے وسیلے سے دشمنوں پر فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔“

ملاحظہ فرمائیے! حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کس طرح واضح طور پر

فرما دیا کہ اللہ کے انعام و اکرام مخلوق پر ان اللہ والوں کے صدقہ میں ہوتے ہیں۔ مینہ اگر برستا ہے تو ان اللہ والوں کی بدولت اور ظاہر ہے کہ یہ غلہ وغیرہ خورد و نوش کا سامان مینہ برسنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر مینہ نہ برسے تو کچھ بھی پیدا نہ ہو اور مینہ ان اللہ والوں کے صدقہ میں برستا ہے تو گویا ہمیں یہ کھانے پینے کو جو کچھ ملتا ہے۔ یہ سب ان اللہ والوں کے صدقہ میں ملتا ہے۔ اسی طرح کافروں پر جو فتح و نصرت ملتی ہے۔ یہ بھی ان اللہ والوں کے صدقہ میں ملتی ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۶۵ء میں دشمنوں پر ہمیں بھی جو فتح و نصرت حاصل ہوئی۔ یہ بھی ان اللہ والوں کا صدقہ تھا۔ اس جنگ میں اولیاء کرام کی نصرت و امداد کے جو مختلف واقعات پڑھنے سننے میں آئے، بالکل درست ہیں۔ ان کا انکار محض بغض و عناد ہے اور کچھ نہیں۔ باوجود اس حقیقت کے بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ مدد کرنے والا تو اللہ ہے۔ پھر ان بزرگوں کا نام کیوں لیتے ہو؟ یہ کیا کر سکتے ہیں۔ تم نے تو اللہ کو چھوڑ ہی دیا ہے بس ان بزرگوں کا ہی نام لیتے رہتے ہو وغیرہ وغیرہ۔ بھائیو! کون ایسا مسلمان ہے جو اللہ کو نہیں مانتا۔ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حقیقی ناصر و مددگار وہی ہے۔ وہی فتح و نصرت دینے والا ہے اور ۱۹۶۵ء میں بھی اسی نے ہمیں فتح عطا فرمائی۔ مگر اس بات پر بھی مسلمان کا ایمان ہے کہ فتح و نصرت ملتی اللہ ہی سے ہے لیکن ملتی اللہ والوں کی بدولت ہے اور اگر اللہ والوں کا کسی صورت بھی نام لینا جائز نہیں تو پھر فرمائیے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کیوں فرمایا، کہ جس لشکر میں میرا صحابی ہوگا یا میرے صحابی کے دیکھنے والا یا اس دیکھنے والے کو دیکھنے والا ہوگا، اُسے فتح ملے گی۔ کیوں بھائیو! فتح دینے والا تو اللہ ہی ہے۔ پھر یہ کیا کہ یہ فتح ملے گی اس وقت جب کہ لشکر میں کوئی صحابی یا تابعی یا کوئی دوسرا مقبولِ خدا ہوگا گویا حصولِ فتح کے لیے جہاں مادی اسباب کی ضرورت ہے۔ وہاں ان روحانی تعلقات و وسائل کی ضرورت ہے۔

غیبی امداد

جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تھوڑی تھی اور کافروں کی زیادہ۔ اس صورت حال کے پیش نظر مسلمانوں کی پریشانی دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ (پ۹ ع۱۵)

"جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں۔ ہزار فرشتوں کی قطار سے"

تفسیر خزائن العرفان میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے۔ کہ اول ہزار فرشتے آئے، پھر تین ہزار، پھر پانچ ہزار۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمان اس روز کافروں کا تعاقب کرتے تھے اور کافر مسلمان کے آگے آگے بھاگتا جاتا تھا۔ اچانک اوپر سے کوڑے کی آواز آتی تھی اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا "اقدم حیزوم" یعنی آگے بڑھ اے حیزوم۔ حیزوم حضرت جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے اور نظر آتا تھا کہ کافر گر کر مر گیا اور اس کی ناک تلوار سے اڑا دی گئی اور چہرہ زخمی ہو گیا۔ صحابہ نے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے معائنے بیان کئے تو حضور نے فرمایا کہ یہ آسمان کی مدد ہے۔"

بھائیو! اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے نے مسلمانوں کی مدد فرمانے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں فرشتے نازل کئے۔ مددگار حقیقی اگرچہ اللہ ہی ہے مگر اس کی مدد کا فرشتوں کے ذریعے ظہور رہا۔ اسی طرح کسی میدان جہاد میں اگر اللہ تعالے کی مدد، اولیائے کرام کے ذریعے حاصل ہو تو اس میں کون سی تعجب یا شرک کی بات ہے؟

روحانی قوت

میرے بھائیو! جہاد کے لیے ظاہری و مادی اسباب کا ہونا ضروری ہے چنانچہ خدا تعالے فرماتا ہے،

اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ

بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (پ۱۰ ع۴)

"ان کے لیے تیار رکھو، جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن ہیں"

اس ارشاد باری سے معلوم ہوا کہ مادی لحاظ سے مسلمانوں کو تیار رہنا چاہیے اور دنیا میں ان ظاہری اسباب کا ہونا از بس ضروری ہے۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے ؎

دو تیغ جوانوں کو لو کام جوانوں سے
کوے بھی نہیں اڑتے بے تیر کمانوں سے

لیکن مادی و ظاہری اسباب کے علاوہ مسلمان کے لیے روحانی قوت کا بھی ہونا ضروری ہے۔ ہمارے اسلاف میں علماء عاملین و اولیاء کاملین کی پاک اور برگزیدہ ہستیاں تھیں۔ جن کی بدولت اسلام حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پھیل گیا، اور اسلامی فتوحات دیکھ کر دشمن دنگ اور حیران رہ گئے کوئی ملت خواہ وہ تعداد ظاہری اور مادی طاقت میں کتنی ہی زبردست اور طاقت ور تھی، مسلمانوں کے مقابلہ میں آئی پاکبار مسلمانوں کے ہاتھوں ہمیشہ انہوں نے شکست فاش ہی کھائی۔ پہلے زمانہ کے مسلمان بادشاہوں کی ملکی فتوحات میں اس زمانہ کے برگزیدہ اولیاء کرام کی باطنی قوت اور روحانی قوت کارفرما تھی جس کی بدولت وہ اپنے سے تعداد اور طاقت میں بہت زیادہ زبردست قوموں پر فتح پا لیتے تھے۔ وہ مسلمان بادشاہ اولیاء کرام کو اپنا پشت پناہ اور اللہ کی طرف سے عونِ الٰہی کا مظہر جانتے تھے۔ آج بھی اولیاء کرام کی روحانی قوت و باطنی توجہ سے مسلمان اگر کامیاب ہوں تو اس میں انکار کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی انکار کرتا ہے تو وہ حقائق و واقعات کی تکذیب کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد يُنْصَرُ بِهِمْ عَلَى الْاَعْدَاءِ کا بھی انکار کرتا ہے کہ ان

اللہ والوں کے وسیلے سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے ؎

خدا سے ملتا ہے سب کچھ مگر ملتا ہے حیلے سے
مدد اللہ کی پائی ہم نے ولیوں کے وسیلے سے

قَرْنِیْ

میرے بزرگو! دوستو! اور عزیزو! میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل بیان کر رہا تھا، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سنائی تھی۔ جس میں حضور نے فرمایا ہے کہ میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم سب سے بہتر ہیں۔

اب ایک دوسری حدیث سنو، جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے :

خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ (مشکوٰۃ شریف ص۵۵۳)

"میری ساری امت سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر وہ جو اس سے ملیں۔ پھر وہ جو ان سے ملیں"

اس حدیث میں بھی وہی بات بیان فرمائی گئی ہے۔ مگر یہاں "قَرْنِیْ" کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے "قَرْن" کا معنیٰ ہے زمانہ اور "قرنی" کا معنیٰ ہے "میرا زمانہ" حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت ایک مسلمہ حقیقت ہے بعد از خدا کلام مصطفےٰ کی شان ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے :

اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ (مشکوٰۃ شریف ص۵۰۳)

"میں کلمات جامع عطا فرمایا گیا ہوں"

یعنی میری بات جامع ہوتی ہے۔ اس میں دین و دنیا کے اسرار و رموز نہاں ہوتے ہیں۔ اس ارشاد کے پیش نظر بزرگان دین نے ایک لطیف بات کا ذکر فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ" کا ظاہری معنیٰ تو یہی ہے کہ میری

ساری امت سے بہتر میرا زمانہ ہے" لیکن اس میں ایک دوسری حقیقت کا بھی بیان ہے۔ اور وہ یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں "قَرْنِیْ" کا لفظ اختیار فرمایا ہے اور اشارۃً اپنے چار یارانِ کرام یعنی صدیق و عمر اور عثمان و علی (رضی اللہ عنہم) کی فضیلت کا اعلان فرما دیا ہے اور وہ اس طرح کہ (قَرْنی) کے چار حرف ہیں۔ ق، ر، ن، ی۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے یار بھی چار ہیں۔ حضور نے اپنے ان چار یاروں کا اور ان کی ترتیب خلافت کا بھی "قرنی" فرما کر بیان فرما دیا ہے۔ دیکھئے "قرنی" کا پہلا حرف "ق" ہے اور صدیق کا آخری حرف بھی "ق" ہے۔ قرنی کا دوسرا حرف "ر" ہے اور عمر کا آخری حرف بھی "ر" ہے۔ "قرنی" کا تیسرا حرف "ن" ہے اور عثمان کا آخری حرف بھی "ن" ہے۔ (قرنی) کا آخری حرف "ی" ہے اور علی کا آخری حرف بھی "ی" ہے۔ گویا ان چاروں کے ناموں کے آخری حرف ملا کر پڑھا جائے تو "قرنی" بن جاتا ہے۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے "خَیْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ" فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرما دیا کہ میری امت سے بہتر یہ چاروں یار ہیں۔ اور پھر ان کی ترتیب خلافت بھی بیان فرما دی کہ پہلے ق یعنی صدیق۔ پھر "ر" یعنی عمر۔ پھر "ن" یعنی عثمان اور پھر "ی" یعنی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

بھائیو! یہ ایک لطیف بات اور نکتہ تھا جو میں نے بیان کیا ہے۔ یہ دلیل نہیں بلکہ دلائل کی تائید ہے اور اسی طرح کی ایک اور لطیف بات بھی سنئے کہ حروف تہجی "الف" سے شروع ہوتے ہیں اور "ی" پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح خلافت کی ابتدا ابوبکر کے الف سے ہوئی اور علی کی "ی" پر ختم ہو گئی۔ ؎

اسلام کی عظمت کے نگہبان ہیں چاروں
قرآن کے شاہد دلِ قرآن ہیں چاروں
تبلیغ شریعت میں جو کوشاں رہے ہیں
کیونکر نہ کہوں میں کہ یہ ایماں ہیں چاروں

ستارے

حضرات صحابہ کرام علیہم الرضوان کے فضائل میں ایک اور حدیث سنئے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ
(مشکوٰۃ شریف ص ۵۴۶)

"میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے کسی کے پیچھے بھی چلو گے تو منزل تک پہنچ جاؤ گے"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ستارے فرمایا ہے، اور اللہ تعالےٰ ان ستاروں کے متعلق فرماتا ہے:

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (پ۱۴ ع۸)

"اور ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں"

یعنی یہ ستارے گمراہوں کے لیے رہبر ہیں اور ان کو دیکھ کر سمت کا تعین کر کے آدمی اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب صحابہ کو ستارے فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ سبھی رہبر و رہنما ہیں کسی بھی صحابی کی پیروی کرو، منزل تک پہنچ جاؤ گے

صحابہ گمرہوں کے واسطے روشن ستارے ہیں
ہمیں رستہ دکھانے کے لیے نوری منارے ہیں

ایک اور شاعر لکھتا ہے:

اسلام کی عظمت کے سہارے ہیں صحابہ
تنویر الٰہی کے نظارے ہیں صحابہ
کیوں حسن دو عالم نہ ہوں قربان انہیں پر
ہیں چاند محمد تو ستارے ہیں صحابہ

کشتی

بھائیو! اب ایک حدیث سنو، جس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہل بیت کی محبت کا درس دیا ہے اور ایک مثال سے

سمجھایا ہے کہ اہل بیت کی محبت ضروری ہے۔ فرمایا:

مَثَلُ اَهْلِ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مَثَلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۵)

"میرے اہل بیت کی تم میں مثال ایسی ہے جیسے نوح علیہ السلام کی کشتی جو اس میں سوار ہوا، پار لگ گیا۔ اور جو رہ گیا۔ ہلاک ہو گیا"

یعنی نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہو جائے۔ جو اس محبت کی کشتی میں سوار نہیں ہوتا وہ سمجھ لیجئے کہ ہلاک ہو گیا۔ بے شک ہمارا اس پر ایمان ہے اور اہل بیت کی محبت بے حد ضروری ہے۔ مگر میرے بھائیو! ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو تو ستارے فرمایا ہے۔ اور اہل بیت کی محبت کو کشتی نوح بتایا ہے۔ اس میں کیا راز ہے؟

بزرگان دین پر خدا تعالےٰ ہزار ہزار رحمتیں نازل کرے جنہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کو سمجھا اور ہمیں سمجھایا۔ بھائیو! علماء عظام فرماتے ہیں اور لوگ ستاروں کو دیکھ کر اپنی راہ پاتے ہیں، اب تو قطب نما وغیرہ نکل آئے ہیں۔ پہلے لوگ جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہوتے تھے تو ان ستاروں کو دیکھ کر ہی اپنی منزل تک پہنچتے تھے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی حقیقت کے پیش نظر اہل بیت کی محبت کو کشتی نوح قرار دیا۔ اور صحابہ کرام کو ستارے فرمایا۔ گویا اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ کشتی پر سوار ہونے کے بعد اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے جس طرح ستاروں کی طرف نگاہ رکھنا اور ستاروں کو دیکھتے رہنا ضروری ہے اسی طرح اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہونے کے بعد صحابہ کرام جو ہدایت کے ستارے ہیں کی طرف بھی نگاہ رکھنا اور ان کی رہنمائی اختیار کرنا ضروری ہے۔ جو شخص کشتی پر تو سوار ہو جائے مگر ستاروں پر سے نظر ہٹائے تو منزل تک اس کا پہنچنا دشوار ہے۔ یونہی جو شخص ستاروں پر تو نظر رکھے لیکن کشتی پر سوار نہ ہو،

منزل تک اس کا بھی پہنچنا مشکل ہے ۔ منزل تک وہی پہنچے گا جو کشتی پر بھی سوار ہو اور ستاروں کی طرف بھی نگاہ رکھے۔ اسی طرح اگر اہل بیت کی محبت کی کشتی پر تو بیٹھ گئے، لیکن صحابہ کرام جو ہدایت کے ستارے ہیں سے نظریں ہٹالیں تو منزلِ ہدایت کا پالینا دشوار۔ اور اگر صحابہ کرام کی محبت کے مدعی بن گئے، اور اہل بیت کی محبت کی کشتی پر سوار نہ ہوئے ۔ تو بھی منزل ہدایت کا پالینا مشکل۔ منزلِ مقصود تک وہی پہنچے گا۔ جو کشتی پر بھی سوار ہوگا اور ستاروں کو بھی نگاہ میں رکھے گا۔ یعنی اہل بیت سے بھی محبت رکھے گا اور صحابہ کرام سے بھی پیار رکھے گا، اور ہم اللہ تعالےٰ کا ہزار بار شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ اس نے ہمیں مسلک اہل سنت پر گامزن رکھا ہے۔ یہی وہ مسلک ہے جس میں اہل بیت کی محبت کی بھی تاکید ہے، اور صحابہ کرام کی الفت کی بھی تلقین ہے ۔

اَللہ اللہ

ایک اور حدیث سنئے؛ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللہ اللہَ فِی اَصْحَابِی اَللہ اللہَ فِی اَصْحَابِی لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِی فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِی اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِی وَمَنْ اٰذَانِی فَقَدْ اٰذَی اللہ

(مشکوٰۃ شریف)

"میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور میرے بعد ان کے حق میں برُے کلمات نہ کہنا پس جس نے میرے صحابہ سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں ایذا دی، اس نے اللہ کو ایذا دی۔"

محدثین کرام لکھتے ہیں کہ یہاں اللہ اللہ سے مراد اِتَّقُوا اللہ ہے یعنی میرے صحابہ

کرام کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور ان کے حق میں کلمۂ خیر کے سوا اور کچھ نہ کہو اور اپنے دلوں میں ان کی محبت رکھو کیوں کہ جسے مجھ سے محبت ہوگی وہ اُن سے بھی محبت رکھے گا، اور ان سے وہی بغض رکھے گا جسے مجھ سے بغض ہوگا۔ اور انہیں ایذا دینا دراصل مجھے ایذا دینا ہے اور جو مجھے ایذا دیتا ہے۔ وہ اللہ کو ایذا دیتا ہے۔"

بھائیو! اس حدیث کو بار بار پڑھو اور غور کرو کہ صحابہ کرام کی محبت کس قدر ضروری ہے اور ان کا مقام کس قدر بلند وارفع ہے کہ ان کی محبت اسی سینے میں ہو سکے گی۔ جس سینے میں خدا کا خوف اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوگی اور جہاں صحابہ کی محبت نہیں وہاں نہ خدا کا خوف ہے نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت!

خوفِ خدا

میرے بھائیو! حسنِ عقیدت و حسنِ عمل کے لیے خوفِ خدا بہت ضروری۔ خوفِ خدا اگر ہو تو عقائد بھی درست اور اعمال بھی اچھے ہوتے ہیں۔ افسوس کہ آج کل مغربی تہذیب کی بدولت دلوں سے خوفِ خدا اٹھ گیا ہے۔ ارشاداتِ رسول کا انکار۔ صحابہ و اہل بیت سے بغض وعناد۔ دین و مذہب سے بیزاری اور کذب وافترا، مکر وریا۔ بلیک و رشوت ذخیرہ اندوزی و سمگلنگ وغیرہ۔ جملہ بدعقیدگیاں و بدعملیاں اسی لیے ہیں کہ خوفِ خدا نہیں رہا۔ اسی لیے دین اسلام نے سب سے پہلے خوفِ خدا ہی کی تلقین کی ہے اور قرآن و حدیث میں جا بجا اِتَّقُوا اللہَ کا درس ملتا ہے۔ یعنی خدا سے ڈرو۔

اِسلام نے تو ہر حال میں اللہ کی یاد دلائی ہے۔ کوئی کام کرنے لگو تو کہو بِسْمِ اللہِ۔ کھا پی لو تو کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ چھینک آئے تو بھی کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اور سننے والا کہے یَرْحَمُکَ اللہ کسی بھائی سے فائدہ پہنچے تو کہو جزاکَ اللہ! کچھ نقصان ہو جائے تو کہو اِنَّا لِلّٰہِ۔ کوئی چیز پسند آئے تو کہو مَاشَاءَ اللہ

ناپسند ہو تو کہو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ۔ کوئی وعدہ کرو تو کہو انشاء اللہ! گویا ہر حال میں اللہ ہی اللہ ہو۔

لطیفہ یہاں ایک لطیفہ یاد آگیا۔ ایک ظالم امیر نے اپنے ایک مشیر سے پوچھا کہ عباسی خلفاء کے عہد میں خلیفے اور ان کے امیر ایسا لقب اختیار کرتے تھے۔ جس کے آخر میں لفظ "باللہ" آتا تھا مثلاً "موفق باللہ"، متوکل باللہ، معتصم باللہ۔ آپ میرے لیے بھی کوئی ایسا ہی لقب تجویز کریں۔ لائق مشیر نے کہا کہ آپ کے لیے لقب "نعوذُ باللہ" ٹھیک رہے گا۔

الغرض جب ہر حال میں اور ہر وقت اللہ پیش نظر ہو گا۔ تو حسنِ عقیدت بھی پیدا ہو گا اور حسنِ عمل بھی۔ مگر افسوس کہ اب تو اللہ اللہ کرنا فیشن کے خلاف ہونے لگا ہے۔ خوب کہا ہے حاجی حق حق نے کہ ؎

پڑھیں وہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کیوں
کہ ان کا دل تو ہے دن ٹو تھری میں
نمازِ عصر کی فرصت نہیں ہے!
کہ وہ مصروف ہیں ٹی پارٹی میں

خدا کی یاد بھائیو! خدا کی یاد اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کو مت بھولو، اور یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ اللہ کرو تو دل سے کرو۔ یعنی یہ نہیں کہ زبان سے تو اللہ اللہ ہو، اور دل میں بس رغیر سلاّ، ہو اور بقول اکبر الہ آبادی صورتِ حال یہ ہو کہ ؎

کفر کی رغبت بھی ہے دل میں بتوں کی چاہ بھی
کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی!!

یا جیسے مولانا رومی نے لکھا ہے کہ ؎

بر زباں اللہ و در دلِ گاؤ خرا!
ایں چنیں تسبیح کئے دارد اثر

یعنی زباں پر تو اللہ اللہ ہو اور دل میں گائے گدھے کا خیال ہو اس قسم کی یاد سے کیا فائدہ! ایک اور شاعر لکھتا ہے، اور خوب لکھتا ہے کہ ؎

بدل ذکرِ حق باش ورنہ طوطی ہم
بصوت و حرفِ خدا را کریم ہے گوید

یعنی اللہ کی یاد دل سے کرو۔ ورنہ صرف زبان سے تو طوطا بھی یا کریم کہہ لیتا ہے۔ ایک اور شاعر لکھتا ہے ؎

ہر چند کہ طاعت میں ہوا ہے تو پیر
یہ بات مری سن لے کہ نہیں بے تاثیر
تسبیح بکف پھرنے سے کیا کام چلے
منکے کی طرح من نہ پھرے جب تک پیر

دم بزرگوں نے لکھا ہے کہ انسان کو چاہئے کہ عبادت و طاعت اور ذکر و فکر میں حضورِ دل کو ضروری جانے اور اپنے سانس اور دم پر نگاہ رکھے کہ کوئی دم ذکر اللہ کے بغیر نہ نکلے کیونکہ جو دم اللہ کے خیال و تصور سے نکلتا ہے وہ ایک گوہرِ بے بہا بن کر ذکر کے لیے خزانۂ آخرت میں جمع ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ جو دم گذر جاتا ہے وہ ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ اس کا واپس آنا محال ہے اور جو آئندہ آنے والا ہے۔ خدا جانے وہ آئے نہ آئے۔ غرض دمِ ماضی اور دمِ مستقبل دونوں اختیار و اعتبار سے باہر ہیں انسان صرف اسی ایک ہی دم کا مالک ہے جو زمانہ حال میں جاری ہے۔ اگر یہ دم اللہ تعالیٰ کے خیال خاص اور ذکر باخلاص سے نکل گیا۔ تو سمجھو کہ گوہرِ بے بہا بن۔ جس سے دارین کی دولت اور کونین کی سعادت خریدی جا سکتی ہے اور اگر یہ دم غفلت میں گذر گیا۔ یعنی نفس و شیطان اور دنیا کے خیال میں گذر گیا تو جان لو، کہ یہ دم دار آخرت میں عذاب و آلام کا پہاڑ بن کر ٹوٹ پڑے لہذا انسان کو چاہیے کہ دم کی قدر جانے ؎

نگہدار دم را کہ عالم دمے است   دمے پیشِ دانا بہ از عالمے است

حکایت ایک بزرگ کا اپنے مریدوں کی معیت میں چند قبروں پر گذر ہوا. آپ فاتحہ پڑھنے کے لیے وہاں رُکے اور پھر ان کے احوال کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب آپ مراقبے سے فارغ ہوئے تو آپ نے ایک آہ بھری، اور آب دیدہ ہوگئے۔ مریدوں نے دریافت کیا کہ اس کی وجہ کیا ہے! تو فرمایا: کہ یہ قبریں جن لوگوں کی ہیں یہ دنیا میں بڑے بڑے عابد و زاہد اور پرہیزگار گذرے ہیں۔ لیکن دنیا میں کچھ سانس اور دم ان کے اللہ کی یاد سے غفلت میں گزر گئے تھے۔ ان چند دموں اور سانسوں کی نسبت ان کے دلوں میں اس قدر حسرت اور ارمان ہے کہ اگر ان میں سے ایک قبر والے کے دل کی حسرت و ندامت نکال کر تم سب کے دلوں میں تقسیم کر کے ڈال دی جائے تو خدا کی قسم! تم سب دیوانے ہو جاؤ۔

الغرض موت کے بعد انسان کو اس بات کا غم نہیں ہوتا۔ کہ وہ اپنے پیچھے عزیز بچے۔ پیاری بیوی۔ بہن بھائی۔ دوست آشنا مال دولت اور گھر بار چھوڑ کر آیا ہے۔ اُسے جب معلوم ہوتا ہے کہ بازارِ آخرت میں اللہ تعالےٰ کے ذکر یادِ الٰہی اور طاعت و عبادت کے بغیر اور کوئی دام نہیں چلتا اور نہ اس کھرے سکے کے بغیر کوئی کام نکلتا ہے. تو انہیں اگر کوئی غم ہوتا ہے۔ تو صرف اس بات کا کہ ہائے عمرِ گراں مایہ کی وہ قیمتی گھڑیاں ہاتھ سے نکل گئیں۔ جن کے ایک ایک تار تنفس میں زندگی کا گوہرِ مقصود پرو دیا ہوا تھا۔ صد افسوس دن رات میں چوبیس ہزار دم حاصل تھے۔ جو ضائع ہوگئے۔ خاقانی نے کیا اچھا کہا ہے کہ ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اس دَم کی قدر و قیمت آج ہمیں معلوم نہیں اس کی قدر و قیمت کا کل پتہ چلے گا۔

شربت حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک مہمان آیا. اس نے

کھانا کھانے کے بعد شربت طلب کیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کون سا شربت درکار ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ شربت جو نہ ملنے کے وقت جان سے زیادہ قیمتی، اور ملنے کے وقت نہایت کم قیمت ہوتا ہے۔ حضرت امام نے لوگوں سے فرمایا کہ مہمان پانی مانگتا ہے۔ حاضرین کو حضرت امام کی ذہانت پر بڑی حیرت ہوئی،،

اسی طرح یہ دم آج میسر آنے پر اگر کم قیمت نظر آرہا ہے تو کل قبر میں جبکہ یہ نہ رہے گا اس کی قدر و قیمت کا پتہ چلے گا۔

اور سنئے حضرات! میں صحابہ کرام کے فضائل پر احادیث سنا رہا ہوں۔ کچھ آپ سن چکے۔ ایک اور سنئے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَمَسُّ النَّارُ مُسْلِمًا رَآنِیْ اَوْ رَاٰی مَنْ رَآنِیْ (مشکوٰۃ ص۵۴۶)

"جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا آگ اُسے چھوئے گی بھی نہیں"

سبحان اللہ! کیا شان ہے ان خوش قسمت حضرات صحابہ کی جنہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دن رات اور جی بھر بھر کے زیارت کی اور جن کی گویا یہی تمنا تھی کہ ؎

ہے یہی دل کی تمنا اور یہی ہے آرزو
سامنے بیٹھے رہو تم اور میں دیکھا کروں

بھائیو! غور تو کرو۔ جن مقدس آنکھوں کے سامنے ہر وقت چہرۂ زیبائے رسول رہا ہو۔ ان کی آنکھوں کی عظمت ان آنکھوں والوں کی فضیلت کا کیا بیان ہو سکتا ہے ان خوش نصیب حضرات کی شان آنکھ والوں ہی کو نظر آسکتی ہے اور ؏

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

کیا شانِ تاثیر ہے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ زیبا کی بھی کہ جس کی

نظر اس پر پڑ گئی اس پر آگ حرام ہوگئی اور پھر اس دیکھنے والے کو بھی جس نے دیکھ لیا، آگ سے وہ بھی مامون ہوگیا۔ بھائیو! یہ ہے شان صحابہ کرام کی کہ جن آنکھوں نے شبِ معراج خدا کو دیکھا پھر دوزخ کی کیا مجال کہ آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف دیکھے سہ

کیا شان دیکھئے ہے صحابہ کرام کی
اللہ نے اُن پہ آتشِ دوزخ حرام کی

بھائیو! کچھ لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مثل بھی بننے لگتے ہیں۔ حالاں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور وہ مبارک و مسعود چہرہ ہے کہ جو اُسے دیکھے، آگ سے بچ جائے اور ایک یہ بھی ہیں کہ جو انہیں دیکھ لے سارا دن بھوکا مرے سہ

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلیچڑی گنجی!
حضورِ بلبلِ بستاں کرے نوا سنجی

بہر حال صحابہ کرام کی بہت بڑی شان ہے۔ مسلمانوں کو ان سے محبت رکھنی چاہیے اور ان کے بغض سے بچنا چاہیے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

چوالیسواں وعظ

حُسنِ اخلاق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (پ ۲۹ ع ۳)

"اور بے شک تمہاری خو بڑی شان کی ہے۔"

حضرات! اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خلق کی تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑے خلق کے مالک ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ارشاد فرمایا ہے:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (مشکوۃ شریف صـ۴۲۲)

"یعنی میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں تاکہ حسنِ اخلاق کی تکمیل کروں"۔

چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اخلاق کی ایک دھوم ہے اور دنیا مانتی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اخلاق نے دنیا کی کایا پلٹ دی اور ع

ادھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

کے مطابق درندہ خصلت لوگوں کو انسان بنا دیا ہے ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا

بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک امتیازی وصف یہ بھی ہے کہ آپ نے جس بات کا بھی حکم دیا اُسے سب سے پہلے خود کر کے دکھایا۔ چنانچہ مکارمِ اخلاق اور حسنِ اخلاق کے جتنے شعبے بھی ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان سب میں سب سے بلند و بالا مقام پر نظر آتے ہیں، اور حسنِ اخلاق کے جتنے پہلو بھی ہیں، ان سب کی تکمیل اور تبلیغ جس انداز سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمادی اس کے بعد اب قیامت تک کے لیے کسی دوسری ہدایت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ مجھے آج حضور صلے اللہ وسلم کے اسی حسنِ اخلاق اور اس کی تکمیل و تبلیغ کا ذکر کرنا ہے۔ اور میرا یہ دعوے ہے کہ آج دنیا بھر کے لوگ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حسنِ اخلاق کو اپنالیں تو خدا شاہد ہے کہ کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اور کہیں بھی کوئی بدامنی پیدا نہ ہو۔

حسنِ صورت و سیرت

سب سے پہلے ایک حدیث پاک سنئے: حضور صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی آئینہ ملاحظہ فرماتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ حَسَّنَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ (مشکوٰۃ شریف ص۴۳۲)

یعنی تعریف اس اللہ کی جس نے میری صورت اور سیرت دونوں

ہی کو حسین بنایا"۔

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کی اور کیا حسن و جمال ہے صورتِ منورہ کا اور کیا حسن و کمال ہے سیرت مقدسہ کا ؎

تری خَلق کو رب نے جمیل کیا ترے خُلق کو رب نے عظیم کہا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالقِ حسن و ادا کی قسم

مومن کامل

حضرات! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُہُمْ خُلُقًا (مشکوٰۃ ص۴۳۵)

"یعنی مومن کامل وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں"

اس حدیثِ پاک کے پیشِ نظر ہمیں اپنے اخلاق کو سنوارنا ضروری ہے! افسوس کہ آج ہم نے سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو بھلا دیا ہے۔ آج ہماری حرکات و سکنات سے پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ مسلمان ہے یا کون؟ اے کاش! ہم اخلاقِ نبوی کو پیشِ نظر رکھتے اور اپنے بلند اخلاق سے دنیا کو دکھاتے کہ مسلمان تکبر و غرور۔ کذب و افترا۔ مکر و فریب۔ افتراق و انتشار۔ ظلم و ستم۔ جور و جفا اور رشوت و بلیک وغیرہ ہر قسم کی بدعنوانی سے دور رہتا ہے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بھائیو! ہمارے آقا و مولےٰ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ساری کائنات سے بلند مرتبہ ہونے کے باوجود تواضع کو اختیار فرمایا اور آپ کی شفقت و رافت کا یہ عالم تھا کہ ہر ایک شخص یہی سمجھتا تھا کہ حضور کو مجھ سے زیادہ محبت ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد ہر ایک صحابی سے دریافت فرماتے۔ اور مناسب سلوک فرماتے۔ آپ مجلس میں کبھی پائے مبارک دراز فرما کر تشریف نہ رکھتے اور اپنے اصحاب کو کنیت کے نام سے پکارتے۔ عرب میں کنیت سے پکارنا عزت و

احترام کی دلیل ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص حضور کو پکارتا تو حضور جواب میں لبیک فرماتے۔ کوئی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ اس کی عزت و تعظیم فرماتے۔ ایک دفعہ آپ کسی حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے اصحاب اس کثرت سے خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ کہ حجرہ شریف بھر گیا۔ بیٹھنے کو جگہ باقی نہ رہی۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور نے اپنی چادر مبارک لپیٹ کر ان کے پاس پھینک دی اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے چادر مبارک کو اٹھا کر آنکھوں سے لگالیا، اور بوسہ دے کر رونے لگے اور تہ کر کے آپ کو پیش کر دی اور عرض کی یا رسول اللہ! میں اس قابل نہیں کہ آپ کی چادر پر بیٹھوں۔ خدا آپ کی تعظیم و تکریم کرے۔

بعض اوقات آپ کی خدمت میں کوئی حاضر ہوتا اور تکیہ لگا کر تشریف فرما ہوتے۔ جس میں اتنی گنجائش نہ ہوتی کہ آپ اُسے اپنے ساتھ بٹھائیں تو تکیہ نکال کر اُسے دے دیتے۔ اگر وہ انکار کرتا تو آپ اصرار فرما کر اسے دے ہی دیتے۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا آپ کے پاس آئی۔ آپ نے اس کی بہت تعظیم کی۔ جب آپ سے اس کا حال پوچھا گیا۔ تو فرمایا یہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی سہیلی ہے اور ان کے پاس اکثر آیا کرتی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم عمر رسیدہ لوگوں کی عزت فرماتے اور ان کی بات مان لیا کرتے۔ ایک دفعہ آپ کنوئیں پر اپنے ایک صحابی کے ساتھ غسل کرنے تشریف لے گئے۔ انہوں نے ایک چادر کی آڑ آپ پر کر لی۔ جب آپ نہا چکے تو وہ صحابی نہانے لگے آپ نے بھی ویسے ہی ایک چادر کی آڑ ان پر کر لی۔ صحابی نے عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ ایسا نہ کریں۔ مگر آپ نے نہ مانا اور جب تک وہ نہا کر فارغ نہیں ہوئے آپ چادر سے آڑ کئے تشریف فرما رہے۔

الغرض حضور صلے اللہ علیہ وسلم محاسنِ اخلاق کے مخزن و منبع ہیں۔ پڑھیے درود شریف! اور کہئے میرے ساتھ مل کر

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں
اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
الغرض اُن کے ہر مُو پہ لاکھوں درود
ان کی ہر خو و خصلت پہ لاکھوں سلام

ارشادات

بھائیو! اب اپنے آقا و مولےٰ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے رحمت بھرے اور اخلاق آموز ارشادات سنو!

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ

"ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون۔ مال اور اس کی عزت حرام ہے"
(مشکوٰۃ شریف ص۴۲۱)

یعنی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ نہ کسی اپنے بھائی کو قتل کرے اور نہ اس کا مال اڑائے۔ اور نہ اس کی عزت پر ہاتھ ڈالے میرے بزرگو! اور دوستو! یہ حقیقت ہے کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسی ایک ارشاد پر عمل ہونے لگے تو کوئی فتنہ و فساد باقی نہ رہے مگر افسوس کہ آج کل مسلمانوں میں کچھ ایسی غفلت اور نا عاقبت اندیشی پیدا ہوگئی ہے کہ بات بات پر لڑتے جھگڑتے اور مرتے ہیں۔

حضور نے دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ۔
(مشکوٰۃ شریف ص۴۲۲)

"مسلمان کا مسلمان بھائی ہوتا ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ چھوڑ

دیتا ہے۔ اور نہ اُسے حقیر جانتا ہے"۔

اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے بھائی پر کوئی ظلم نہ کرے اور اس کا ساتھ نہ چھوڑے اور نہ اُسے حقیر جانے۔

اخوت

میرے بھائیو! مسلمان آپس میں سب بھائی بھائی ہیں۔ خدا تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ایک لاکھ سے زیادہ صحابہ کرام کو خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ:

"لوگو! میری بات سنو اور سمجھو! جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اب مسلمان ایک برادری ہیں کسی شخص پر اس کے بھائی کا مال حلال نہیں جب تک وہ خود خوشی سے نہ دے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔"

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سب مسلمانوں کو اس رشتۂ اخوت میں کچھ اس طرح پرو دیا ہے کہ مشرق کے کسی مسلمان پر اگر کوئی تکلیف آتی ہے تو مغرب کا مسلمان بے چین ہو جاتا ہے۔ مغرب کے کسی بھائی پر کوئی آفت آئے تو مشرق کا مسلمان مضطرب ہو جاتا ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ اسی رشتے میں پروئے رہنے ہی میں ہماری کامیابی ہے۔

السلام علیکم

چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا ہے کہ جب بھی دو یا دو سے زیادہ مسلمان بھائی آپس میں ملیں تو چاہئے کہ بیگانہ وار نہ گزریں۔ بلکہ اخوت و محبت کا اظہار کریں اور السلام علیکم کہیں۔ واقف مسلمان ہو یا ناواقف اپنے شہر کا ہو یا دوسرے شہر کا، اپنے ملک کا ہو یا دوسرے ملک کا جب بھی سامنے آئے اسلام اُسے سلام کہنے کی تاکید کرتا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ سب مسلمانوں کے دل ایک ہیں۔ ایک ہی برادری سے وابستہ ہیں۔ جب بھی ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو مدتوں کے بچھڑے ہوئے بھائیوں کی طرح مل کر خوش ہوتے

ہیں۔ سلام کے الفاظ انہیں یاد دلاتے ہیں کہ اسلامی اخوت فولاد کی طرح مضبوط ہے اس کو قائم و دائم رکھنا ہم پر لازم ہے۔ بھائیو! اسلام کی ہر بات میں ہزاروں حکمتیں مضمر ہوتی ہیں۔ اسی السلام علیکم کو لیجئے۔ اسلام سے پہلے اہل عرب جب ایک دوسرے سے ملتے تھے تو یوں کہتے تھے حَیَّاكَ اللّٰہ: یعنے اللہ تجھے زندہ رکھے۔ جب اسلام کا زمانہ آیا، تو السلام علیکم کا رواج ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلام کو خوب پھیلاؤ، اور ایک دوسرے کو السلام علیکم کہا کرو۔ اگرچہ مقولہ عرب بھی دعا تھا کہ اللہ تمھیں زندہ رکھے۔ مگر السلام علیکم اس سے زیادہ کامل ہے۔ کیوں کہ السلام علیکم کے معنی ہیں۔ تم پر سلامتی ہو اور اس پر راز یہ ہے کہ جب ہر آفت سے سلامت ہوا تو زندہ ہوگا۔ برخلاف اس کے زندہ کے لئے ہر آفت سے سالم ہونا ضروری نہیں اور سب سے بڑا اور اعلےٰ مقصد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اس کلمہ کے سکھانے میں یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کا ایک نام سلام بھی ہے تو اس طریق سے ہر مسلمان کی زبان پر اللہ کا نام رہے گا اور خدا تعالےٰ کی یاد تازہ رہے گی۔ اور مسلمان چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اس پاک نام کا وظیفہ کر کے عبادت ہی میں رہیں گے اور نام بھی ایسا مخصوص فرمایا کہ جس میں مومن کے لیے سلامتی کی دعا بھی ہوتی رہے اور خدا کا ذکر بھی ہوتا رہے۔ السلام علیکم میں ابتدا بھی اللہ تعالےٰ کے نام سے ہوتی ہے اور جب مجیب کہتا ہے وعلیکم السلام تو انتہا بھی اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوئی۔ گویا ذکر خدا بھی ہو گیا اور دعا بھی ہو گئی اسے کہتے ہیں، "ہم خرما و ہم ثواب"۔ اسی طرح اور بھی کئی راز ہیں جو اس اسلام میں رکھے گئے ہیں۔

سلامتی

میرے بھائیو! ایک مسلمان جب دوسرے مسلمان کے لیے سلامتی کا خواہاں ہوگا تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے بھائی کے کسی قسم کے نقصان میں راضی نہ ہوگا۔ جب ایک بھائی دوسرے سے کہتا ہے السلام علیکم یعنی "سلامتی ہو تم پر" اور جواب میں دوسرا بھائی کہتا ہے وعلیکم السلام، اور تم پر بھی سلامتی ہو، تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ نہ یہ اُسے کوئی نقصان پہنچائے گا اور نہ وہ اسے۔

کیوں السلام علیکم اور وعلیکم السلام کہنے سے یہ معاہدہ ہوچکا ہے اور ہاتھ میں ہاتھ دے کر یعنے مصافحہ کر کے یہ عہد ہوچکا ہے کہ دونوں طرف سے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ بھائیو! اب غور کرلو کہ اس معاہدہ کے بعد نہ تو مسلمان آپس میں لڑ سکتے ہیں نہ دوسرے کا مال اڑا سکتے ہیں نہ رشوت لے سکتے ہیں نہ بلیک کر سکتے ہیں۔ نہ سمگلنگ نہ ذخیرہ اندوزی کر سکتے ہیں۔ نہ کم تول سکتے ہیں نہ ملاوٹ کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ ان سب باتوں میں مسلمان کے لیے سلامتی نہیں بلکہ نقصان ہے۔ اسی لیے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افشوا السلام یعنی سلام کو خوب پھیلاؤ اور عام کرو۔ مطلب یہ کہ امن وسلامتی کا پیغام عام کرو اور سچے دل سے السلام علیکم کہنا اور وعلیکم السلام جواب دینے کی عادت اختیار کرو تاکہ یہ ساری نقصان دہ باتیں رشوت و بلیک اور ذخیرہ اندوزی اور سمگلنگ وغیرہ باقی نہ رہیں اور مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مامون و محفوظ رہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر کوئی کہے کہ آج کل السلام علیکم، اور وعلیکم السلام کہہ کر بھی لوگ اِن بُری حرکتوں سے باز نہیں آتے، تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر کوئی طبیب کسی بیمار کو بتائے کہ ہر روز دس بادام کھا لیا کرو تو تمہاری دماغی واعصابی کمزوری دُور ہو جائے گی تو بیمار اگر اپنی نادانی سے ہر روز دس بادام بغیر توڑے چھلکوں سمیت ہی کھانا شروع کر دے۔ تو ظاہر ہے کہ فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ الٹا نقصان ہونے کا احتمال ہے طبیب کا مقصد تو یہ تھا کہ بادام توڑ کر اس کا مغز استعمال کرے۔ میرے بھائیو! اسی طرح ایک تو محض رسماً السلام علیکم اور وعلیکم السلام کہنا ہے اور صرف طوطے کی طرح رٹ لگانا ہے اور ایک اس السلام علیکم وعلیکم السلام کی روح اور اس کے معنیٰ تک پہنچ کر اور اس کے اصل مقصد کو سمجھ کر السلام علیکم اور وعلیکم السلام کہنا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جب السلام علیکم کے اس مغز کو اپنا لیا جائے تو پھر فائدہ ہی

فائدہ اور سلامتی ہی سلامتی ہے۔ پس اے میرے بھائیو! سلام کو عام کرو اور اپنے ہر بھائی کو سلام کرو۔ اسلام کے دامن سلام میں آؤ، اور ان بُری حرکتوں سے بچو اور بچاؤ۔ اور درود وسلام بھیجو اس ذاتِ بابرکات پر جس نے ہمیں یہ حسنِ اخلاق کے سبق دیئے ؎

سلام اُس پر کہ جس کے دم سے یہ دنیا سلامت ہے
سلام اُس پر کہ جو سب کے لیے رحمت ہی رحمت ہے
سلام اُس پر کہ جس کا درس صدق وراستی کا ہے
سلام اُس پر کہ جس کا وعظ صلح وآشتی کا ہے
قیامت تک رہے گا نام اک روشن محمدؐ کا
مسلمانو اٹھو اور تھام لو دامن محمدؐ کا!

(صلی اللہ علیہ وسلم)

مدینہ منورہ کا ایک واقعہ

میں جب ۱۹۶۰ء میں حج کے لیے گیا اور مدینہ منورہ حاضر ہوا تو مدنی ڈاکٹر غلام احمد صاحب سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ مدنی ڈاکٹر صاحب نے مجھے ایک بہت کارآمد نصیحت فرمائی۔ کہنے لگے۔ دیکھئے! مدینہ منورہ میں جو شخص بھی کہیں ملے اُسے السلام علیکم ضرور کہئے کیوں کہ مدینہ منورہ میں نظر آنے والے لوگ خدا جانے کہاں کہاں سے آئے ہوتے ہیں اور خدا جانے کس کس پایہ کے بزرگ ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو بھی کہیں ملے اُسے السلام علیکم ضرور کہئے: اس لیے کہ جواب میں "وعلیکم السلام" کسی خاص بندے کے منہ سے نکل گیا تو سمجھ لیجئے کہ آپ کا کام بن گیا یعنی کسی مقرب حق نے جب سلامتی کی دعا کر دی تو بیڑا پار ہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھی بات ہے۔ چنانچہ میں نے اس پر عمل کیا اور مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں پھرتے ہوئے جو بھی نظر آتا سب سے سلام عرض کرتا رہا اور وعلیکم السلام جواب پاتا رہا۔ میرے بھائیو! یہیں سے صحابہ کرام واہل بیت عظام رضوان اللہ اجمعین کی خوش قسمتی کا اندازہ کر لیجئے۔ کہ یہ وہ خوش قسمت بزرگ تھے جو دن رات حضور

صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے اور حضور پُرنور پر سلام عرض کرتے اور حضور سے وعلیکم السلام کا جواب پاتے اور خود حضور بھی ان سے السلام علیکم فرماتے۔

افسوس

میرے بھائیو! آپ نے سلام اسلام کی خوبیاں ملاحظہ فرمائیں مگر افسوس کہ آج کل بعض لوگوں نے بجائے السلام علیکم کے آداب عرض،، ،،ہیلو،، اور ''گڈ نائٹ،، وگڈ مارننگ کہنا اپنا لیا ہے۔

لطیفہ

ایک لطیفہ بھی سن لیجئے۔ یہ جہالت کا قصہ ہے۔ ایک جاہل عورت کے خاوند کا نام رحمت اللہ تھا اور اس نے مسئلہ یہ یاد کر رکھا تھا کہ خاوند کا نام لے لیا جائے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ چنانچہ اسی لیے جب وہ نماز پڑھتی اور سلام پھیرنے کا وقت آتا تو بجائے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے دونوں طرف مُنہ پھیرتی ہوئی یوں کہتی:

السلام علیکم ونھّے کا ابّا
السلام علیکم ونھّے کا ابّا

اسی طرح بعض لوگوں نے اس کی جگہ آداب عرض اور ہیلو وغیرہ کو رکھ لیا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں جو جامعیت سلام اسلام میں ہے وہ دوسرے کسی سلام میں کہاں؟ ؎

عشق میرا سا نہانی دلِ بلبل میں نہیں
میرے پھولوں میں جو بُو ہے وہ کسی گل میں نہیں

بادی بالسلام

حضرات! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم حسنِ اخلاق کے منبع و مخزن ہیں۔ باوجود اس کے کہ آپ خدا کے بعد سب بڑوں سے بڑے ہیں۔ مگر سلام فرمانے میں آپ ابتدا فرماتے تھے۔ سبحان اللہ! کیا شانِ اخلاق ہے اور اسی حسنِ اخلاق کی آپ نے تبلیغ و تعلیم بھی فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

اَلْبَادِیْ بِالسَّلَامِ بَرِیْءٌ مِّنَ الْکِبْرِ۔

''یعنی پہلے سلام کرنے والا تکبر سے بری ہے،،

یعنی اس انتظار میں رہنا کہ پہلے مجھی کو کوئی سلام کرے اور میں پہلے سلام نہ کروں، یہ تکبر کی علامت ہے۔ اس لیے جو کوئی پہلے سلام کرے گا وہ تکبر سے بری ہو جائیگا۔ معلوم ہوا کہ سلام رعونت و انانیت کو فنا کرنے والا ہے۔ جب کوئی امیر آدمی کسی غریب مسلمان کو سلام کرے گا تو گویا اس احساس و جذبہ کے ساتھ کریگا کہ یہ غریب شخص ہزار نادار و غریب سہی۔ مگر اسلام کی بدولت عزت و احترام میں میرے برابر ہے۔ بھائیو! ذرا غور تو کرو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرکے کوئی بڑا آدمی جب کسی چھوٹے کو سلام کہے گا تو جہاں اس امیر آدمی کے دل میں عجز و فروتنی کے جذبات اُبھریں گے۔ وہاں اس غریب آدمی کے دل میں خوشی اور عزت نفس کا جذبہ اُبھرے گا۔ گویا اس غریب کو اسلام کی بدولت، یہ اطمینان حاصل ہو گا کہ میں بھی عزت و احترام میں کسی سے کچھ کم نہیں ہوں۔ بھائیو! خدا گواہ ہے کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اسی ارشاد پر سب عمل کرنے لگیں تو یہ جو آج کل امارت و دولت کے نشہ میں بعض لوگ غریبوں کو ستانے کے عادی ہیں۔ ان کا یہ جور و ستم ہرگز باقی نہ رہے۔ ایک تو امیر آدمی کی ابتدا بالسلام سے غریب آدمی کی عزت نفس بیدار ہوگی۔ دوسرے امیر آدمی کے پیغام سلامتی سے غریب آدمی اس کے کسی جور و ستم سے محفوظ و مامون ہو جائے گا۔ پڑھئے سب مل کر درود و سلام:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ
اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَاحَبِیْبَ اللّٰہ

مساوات

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا ہے:

یُسَلِّمُ الرَّاکِبُ عَلَی الْمَاشِیْ وَالْمَاشِیْ عَلَی الْقَاعِدِ (مشکوٰۃ شریف ص۳۹۸)

"یعنی سوار پیدل کو اور پیدل بیٹھنے والے کو سلام کہے"

اس ارشاد میں امیر غریب اور حاکم ومحکوم کی کوئی قید نہیں۔ کوئی بھی ہو یہ حکم سب کے لیے برابر ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، ایک دوسرے کو سلام کہیں۔ گویا اسلامی سلام نے سب کو رنگِ مساوات میں رنگ دیا۔ میرے بھائیو اس تعلیم پر عمل کرنے سے لازمًا آپس میں محبت بڑھے گی۔ اتفاق پیدا ہوگا۔ امیر غریب سب متحد ہو جائیں گے اور ظاہر ہے کہ جس قوم کا آپس میں محبت۔ اتفاق اور اتحاد ہوگا۔ لازمًا اسے عروج وسربلندی حاصل ہوگی۔ اسی لیے حضور معلمِ اخلاق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

اَفْشُوا السَّلَامَ کَیْ تَعْلُوْا (الترغیب والترہیب ص۴۲۳)

"یعنی سلام عام کرو تاکہ تم سربلند ہو"

سبحان اللہ! کیا شان تعلیم ہے سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک بظاہر معمولی سی بات کو عروج وسربلندی کا زینہ بنا دیا۔ اور سربلندی حاصل کرنے کے لیے ایک نہایت ہی آسان طریقہ ہمیں سکھا دیا۔

سچ کہا ہے شاعر نے کہ:

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

اللہ کی طرف سے

حضرات! سلام ایک ایسی بابرکت چیز ہے کہ اللہ تعالے نے اسے اپنی طرف سے فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ تَحِیَّۃً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ مُبٰرَکَۃً طَیِّبَۃً (پ۱۸ ع۱۴)

"جب تم گھروں میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو۔ ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کے پاس سے۔ مبارک پاکیزہ"

خدا تعالے فرماتا ہے کہ اپنے گھروں میں بھی جب جاؤ تو اپنے افراد پر سلام کہو کیوں کہ یہ کلمات اللہ کی طرف سے ہیں۔ سبحان اللہ کیا شان ہے ان کلمات شریفہ کی کہ خدا تعالے انہیں "مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ" یعنی منجانب اللہ فرماتا ہے۔ بھائیو! وہ کلمات جو اللہ کی جانب سے ہوں ان کی برکات کا کیا کہنا۔ پھر جو لوگ ان مبارک اور پاکیزہ کلمات کی جگہ اور بجائے مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ کے "مِنْ عِنْدِ یُوْرپ" کے کلمات گڈ مارننگ وغیرہ یا "ہیلو" اور "بائی بائی" قسم کے واہی تباہی برائے نام سلام استعمال کرتے ہیں وہ لوگ برکاتِ اسلام سے کس قدر محروم رہ جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام

حضرات! یہاں ایک اور ایمان افروز مسئلہ بھی سن لیجئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم جب اپنے گھروں میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں سے سلام کہو۔ محدثین کرام علیہم الرحمۃ اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں کہ اگر کوئی گھر میں داخل ہو اور گھر میں کوئی نہ ہو تو پھر کیا جائے؟ بھائیو! سنو اس کا جواب۔ حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شفا شریف میں فرماتے ہیں:

اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِی الْبَیْتِ اَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

"اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر سلام کہو اور یوں کہو اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح الشفاء میں اس ارشاد کے ماتحت جو کچھ لکھا ہے وہ گویا نورٌ علیٰ نور ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر گھر میں کوئی نہ ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیوں کہا جائے فرماتے ہیں لِاَنَّ رُوْحَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ حَاضِرٌ فِیْ بُیُوْتِ اَھْلِ الْاِسْلَامِ۔

(شرح الشفا جلد ثانی ص۱۱۸ پہلی سطر)

"اس لیے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مقدس مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہوتی ہے۔"

نعرۂ تکبیر! اللہ اکبر! نعرۂ رسالت! یا رسول اللہ! پڑھئے ذوق وشوق سے صلوٰۃ وسلام اور اس وثوق ویقین کے ساتھ کہ ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس اپنے غلاموں کے گھروں میں موجود ہے اور حضور اپنے غلاموں کے محبت بھرے پیغام وسلام سنتے ہیں ؎

نبیوں کے سرور وامام   تجھ پر درود اور سلام
کہتے ہیں مل کے ہم تمام   تجھ پر درود اور سلام
مشکل جو آ پڑی کبھی   تیرے ہی نام سے ٹلی
مشکل کشا ہے تیرا نام   تجھ پر درود اور سلام
تیری ادا ادائے حق   تیری تغنا تغنائے حق
وحیٔ خدا ترا کلام   تجھ پر درود اور سلام
در پر ترے جو آئے گا   جھولیاں بھر کے جائے گا
جود وکرم ہے تیرا عام
تجھ پر درود اور سلام

بھائیو! سنا آپ نے محدثین کرام علیہم الرحمۃ کا ایمان افروز فیصلہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں سے دور نہیں، قریب ہیں اور غلام جب سلام عرض کرتے ہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں۔ اگر سنتے نہیں تو سلام عرض کرنے کا کیا فائدہ؟ اسی لیے تو شریعت میں ان لوگوں کے لیے جو ہمارا سلام نہ سن سکیں، سلام کہنا مامور نہیں۔ مثلاً لاہور والے کراچی کے مسلمانوں کو سلام نہیں کہتے اور کراچی والے لاہور کے مسلمانوں کو سلام نہیں کہتے اس لیے کہ لاہور والوں کا سلام کراچی والے اور کراچی والوں کا سلام لاہور والے نہیں سنتے۔ پھر سلام کیوں کیا جائے؟ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ہر گھر میں

سلام کہا جائے گا۔ اور نہ صرف یہ کہ ہر گھر میں بلکہ ہر نماز میں بھی عرض کیا جائیگا السّلام علیک ایھا النبی۔ تو میرے مسلمان بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگر ہمارا سلام نہ سنتے ہوں تو پھر ہم یہ سلام عرض کرنے پر مامور کیوں ہیں! معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور اللہ کی عطا سے سب کی سنتے ہیں۔ اور دور و نزدیک کی سنتے ہیں ؎

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! اپنا ایمان رکھئے کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم زندہ، اور اپنی امت کے حالات سے باخبر ہیں۔ اگر دل میں یہ خیال آنے لگے کہ معاذ اللہ آپ مر گئے ہیں تو اس خیال سے پھر یہ خیال خام بھی پیدا ہونے لگے گا کہ آپ ہماری کب سنتے ہیں۔ بھائیو! ہمارے اسلاف محدثین کرام علیہم الرحمۃ نے تصریح فرمادی ہے کہ؛

من المعتقد المعتمد انّہ صلے اللہ علیہ وسلم حیٌّ فی قبرہٖ کما ان الانبیاء فی قبورھم وھم احیاءٌ عند ربّھم وانّ لارواحھم تعلقًا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون

(شرح الشفا جلد ثانی ص۱۴۲ سطر ۱۵ تا ۱۸)

"پکا اور معتمد عقیدہ یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم دیگر سارے انبیاء کی طرح اپنی قبر انور میں زندہ ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور سارے انبیاء علیہم السلام اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کے ارواح مقدسہ کو اس عالم بالا سے بھی اور اس عالم دنیا سے بھی تعلق ہے جیسے کہ اس دنیوی زندگی میں بھی ان کا تعلق دونوں عالموں سے تھا۔ پس وہ دل کے اعتبار سے عرشی ہیں اور جسم کے

اعتبار سے فرشی،،

یہ ہے بزرگانِ دین اور ہمارے اسلاف کرام علیہم الرضوان کا ایمان افروز ارشاد وبیان اور یہی عقیدہ ہے ایمان بلکہ جان ایمان اور اسی لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ؎

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ
مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

ہاں تو بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اخلاق نے آدمی کو انسان بنایا ہے اور حضور کی پاکیزہ تعلیم پر چل کر ہم دین و دنیا کی کامیابیاں پاسکتے ہیں۔ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر شعبہ میں ہمیں ہدایات فرمائی ہیں۔ اور کوئی حصہ زندگی کا ایسا نہیں جسے حضور نے اپنی ہدایات سے روشن نہ فرمایا ہو۔

چنانچہ ایک ارشاد اور سنئے فرمایا:

اِیَّاکُمْ وَالْجُلُوْسُ بِالطُّرُقَاتِ ط

،،راستوں میں بیٹھنے سے بچو،،

صحابہ کرام نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ہمیں بعض اوقات راستوں میں بیٹھنا پڑتا ہے۔ آپس میں کچھ باتیں کرنا ہوتی ہیں تو حضور نے فرمایا اچھا اگر تم مجبور ہو تو

فَاعطُوا الطریق حَقَّہٗ

،،رستہ کو اس کا حق دو،،

صحابہ نے عرض کیا:

وَمَا حَقُّ الطَّرِیْقِ ؟

حضور رستے کا حق کیا ہے؟

فرمایا:

غَضُّ الْبَصَرِ وَکَفُّ الْاَذٰی وَرَدُّ السَّلَامِ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّھْیُ عَنِ الْمُنْکَرِ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۹۰)

،،آنکھ کا جھکانا اور ایذا نہ دینا۔ سلام کا جواب دینا اور نیکی کی تقلین کرنا اور برائی سے منع کرنا،،

یعنی بازار اور راستے بیٹھو تو پھر اپنی نظریں نیچی رکھو اور گھورنے وغیرہ سے باز رہو اور اس شعر کا مصداق نہ بنو ؎

چشم را گفتم نظر از خوبرویاں دور دار
چشم گفتہ کار ما این است تو معذور دار

شاعر کہتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے کہا کہ ان حسینوں کو مت دیکھ۔ آنکھ نے کہا کہ میرا تو کام ہی یہی ہے۔ مجھے مت روکو، اور مجھے معذور سمجھو،،

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان بنو اور راستے میں بیٹھ کر نظر بازی مت کرو۔ اور نگاہیں نیچی رکھو۔ اور دوسرے یہ کہ رستے میں بیٹھ کر دوسروں کو ستانا مت شروع کر دو۔ یوں نہ کرو کہ کسی کو چپت لگا دی۔ کسی کو گالی دے دی۔ کسی دکاندار کی چیز اچک لی اور فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے کسی غریب خوانچہ فروش پر دھونس جما دی۔ خوب یاد رکھئے۔ غریب کو ستانا اچھا نہیں ؎

مت ستائے غریب کو بری غریب کی آہ
موئے بکرے کی کھال سے لوہا بھسم ہو جا

تیسرے یہ کہ کوئی سلام کہے تو اس کا جواب دو۔ چوتھے یہ کہ نیکی کی تلقین کرو، اور برائی سے روکو۔

مسلمانو! سنو اپنے آقا کی اخلاق آموز مقدس ہدایات۔ تم بازار اور راستے میں بھی بیٹھے ہو تو اپنے اخلاق کی بلندی اور کردار کی عظمت کا مظاہرہ کرو۔ بھائیو! آجکل بعض لوگ مسجد میں بیٹھے ہوں تو یوں کہتے ہیں۔ کہ صاحب! مسجد میں بیٹھا ہوں۔ مسجد میں کیا جھوٹ بولنا ہے؟ گویا جب تک مسجد میں ہوں سچ بولوں گا اور جب مسجد سے باہر نکلا تو پھر خوب جھوٹ بول لوں گا۔ کئی لوگ یوں کہتے ہیں۔ اجی مولوی صاحب! اب آپ کے سامنے کیا جھوٹ بولوں؟ گویا کسی دوسرے کا

سامنا ہوا، تو جی بھر کے جھوٹ بول لوں گا۔ مسلمانو! ہمارے حضور صلے اللہ
علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ مسجد میں ہو یا بازار میں، گھر میں ہو یا رستے میں تم ہر حال
میں مسلمان رہو اور کسی حال میں بھی تمہیں غیر اخلاقی حرکات کی اجازت نہیں۔ تم ہر
حال میں اور ہر وقت مسلمان رہو اور کسی وقت بھی غیر اسلامی حرکت کا ارتکاب نہ کرو
خدا تعالےٰ بھی فرماتا ہے:

لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ط

"مسلمانو! تم جیو بھی تو مسلمان رہ کر اور مرو بھی تو مسلمان ہو کر،،

میرے بھائیو! یہ ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اخلاق اور جو سچا
مسلمان ہے اس کے سارے کام حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اسی تعلیم کے
مطابق ہوتے ہیں۔ اس کا کردار بھی پاکیزہ اور گفتار بھی پاکیزہ ہوتی ہے اور اگر
کوئی شخص کہلاتا مسلمان ہے اور کام اس کے غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ہیں تو ایسے
شخص کے لیے ایک ہندی شعر بڑا موزوں ہے ؎

مَن میلا تن اُجلا بگلا کا سا بھیکھ
تو سے تو کاگا بھلا جو باہر بھیتر ایک

یعنی من میلا ہو اور تن اجلا ہو تو اس کی مثال بگلے کے بھیس کی ہے جو بظاہر بڑا
سفید اور اُجلا ہوتا ہے۔ مگر بباطن غریب مچھلیوں کا جانی دشمن ہوتا ہے۔ اس سے
تو کوا ہی اچھا۔ باہر اور اندر ایک سا ہے"

رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْن

حضرات! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سارے جہان والوں
کے لیے اور ساری مخلوق کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے
ہیں اور آپ کی تعلیم ساری مخلوق کے لیے باعثِ رحمت ہے۔ آپ کے حسنِ
اخلاق کی وسعت و ہمہ گیری اس ایک ارشادِ پاک سے ظاہر ہے۔ فرمایا:

لَا یَرْحَمُ اللّٰہُ مَنْ لَّمْ یَرْحَمِ النَّاس۔

"جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ رحم نہیں کرتا،،

سبحان اللہ! کیا شانِ رحمۃ للعالمینی ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ صرف مسلمانوں
ہی پر رحم کرنا چاہیے بلکہ اس دائرہ رحم میں مسلم و غیر مسلم سب کو لے لیا۔ اور درس
یہ دیا کہ سارے انسانوں پر رحم کرنا چاہیے۔ چنانچہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم
کی رحمت عامہ اور آپ کے اخلاقِ حسنہ کے واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ
نے نہ صرف یہ کہ اپنوں ہی پر بلکہ بیگانوں پر بھی رحم فرمایا۔ یہ شعر تو آپ نے بارہا
سنا ہو گا ؎

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے دشمنوں کو بھی قبائیں دیں

اس موقعہ پر میں چاہتا ہوں کہ آپ کو حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم
کے عفو و کرم اور آپ کی دشمنوں پر بھی رحمت کی ایک جھلک دکھاؤں۔

عفو و کرم

بھائیو! عفو و کرم بھی اخلاق کا ایک بلند درجہ ہے کہنے کو تو عفو ایک
معمولی لفظ ہے لیکن جب کسی سے بیٹھے بٹھائے بلا وجہ ضرر پہنچے
کوئی خواہ مخواہ ستائے بلا وجہ آمادہ جفا ہو جائے اور نقصان پہنچائے تو دل یہی کہے گا
کہ اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیا جائے اس کی کھال کھچوالی جائے۔ اس وقت تک سینے کی
آگ بجھتی ہی نہیں جب تک ناحق ستانے والے سے بدلہ نہ لے لیا جائے دنیا میں
تو یہاں تک ہوتا رہا اور ہوتا ہے۔ کہ بدلہ لے کر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوتا، اور نسلوں
تک یہ عناد باقی رہتا ہے۔ عرب کی یہی حالت تھی۔ مگر کروڑوں سلام اور کروڑوں
درود ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر، کہ قریش مکہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو
ناحق ایذائیں دیں اور آپ کو آپ کے احباب و اصحاب کو ستایا اور دکھ دیا، بے خبر دل
نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں پر بے حد ظلم و ستم کئے مگر جب
جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم فاتحانہ حیثیت سے اسی مکہ معظمہ میں داخل ہوئے
تو خدا تعالےٰ کے جلال نے کفار پر رعب ڈال دیا اور بڑے بڑے ظالم جنہوں
نے حضور کو ستایا تھا ہیبتِ حق سے تھرانے لگے اور پھر اسیرانہ حالت میں حضور

صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خود ہی حاضر ہو گئے اور اپنے دل میں اپنی کرتوتیں یاد کر کے پچھتانے لگے اور ڈرنے لگے کہ دیکھیں اب ہمارے حق میں کیا فیصلہ ہوتا ہے اور ہمارا ظلم وستم کیا رنگ لاتا ہے اور حضور ہمارے لیے کیا سزا تجویز فرماتے ہیں چنانچہ یہ سب کے سب شاہی مجرموں کی طرح دربار نبوی میں سر جھکائے کھڑے ہیں اور زبان حال سے کہہ رہے ہیں ؎

مار ڈالو اس گھڑی یا جرم الفت بخش دو
لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

اُدھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف اپنی ذاتی تکالیف ہی کا بدلہ لینا ہے بلکہ اپنے ہمراہیوں کی بے شمار ایذاؤں اور نقصانوں کا انتقام بھی آپ کے پیش نظر ہے اور ان بد قماش موذیوں کے لیے جو کچھ بھی آپ سزا تجویز کریں وہ عقلاً، نقلاً، شرعاً اور عرفاً ہر طرح بجا اور درست ہے مگر عین اس حالت امید وبیم میں آپ نے اپنے دشمنوں سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ مَا تَرَوْنَ اِنِّيْ فَاعِلٌ بِكُمْ ۔

"اے قریشی لوگو! تمہارا کیا خیال ہے کہ میں اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں،،

یعنی تم نے جو مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر لاانتہا مظالم توڑے تھے۔ آج ان کے بدلے میں تم مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟ میں تم سے اب کیا سلوک کر دوں گا! بولو کیا کہتے ہو؟

میرے بھائیو! ذرا یہ منظر تصور میں لائیے اور پھر اپنے حضور کا اعلان سنئے حضور نے جب ان سے یہ بات دریافت فرمائی تو وہ چونکہ حضور کے اخلاق کریمانہ سے ناواقف نہ تھے اس لیے وہ نہایت عاجزی سے بیک زبان ہو کر بولے

خَيْرًا اَخٌ كَرِيْمٌ وَّابْنُ اَخٍ كَرِيْمٍ

یعنی ؎

آپ کی ذاتِ مقدس ہے کریم ابن کریم
بس وہی کیجئے کرتے ہیں جو اعدا سے کریم

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اذیتوں سے جو اُن نادانوں سے پہنچی تھیں، درگذر فرما کر بکمال شفقت ورحمت آبدیدہ ہو کر فرمایا

"تم میرے بھائی ہو اور میں تم سے وہی کہتا ہوں، جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں اور کوئی الزام نہیں۔ خدا تم کو معاف کرتا ہے اور وہ بڑا رحم کرنے والا ہے اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ ۔ جاؤ میں نے تم سب کو چھوڑ دیا تمہیں سب کو معاف کیا تم پر آج کوئی گنہ نہیں،،

حضور نے یہ اعلان فرما کر پھر اپنے لشکر سے ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ كُمْ اَنْ يَّحْمِلَ السِّلَاحَ بِمَكَّةَ

(تم میں سے کسی کو بھی حلال نہیں کہ آج مکہ میں قتل کے لیے ہتھیار اٹھائے بلکہ میری طرح تم سب کو بھی معاف کر دینا چاہیئے)

سبحان اللہ! کیا شانِ عفو وکرم ہے کہ ان راستے میں کانٹے بچھانے والوں اور طرح طرح کی ایذا دینے والے جانی دشمنوں پر پورا پورا قابو پا کر بھی ان کو معاف کر دیا اور اپنے لشکر کو بھی حکم فرما دیا کہ میری طرح تم سب بھی انہیں معاف کر دو۔ ہزاروں سلام اور لاکھوں درود اس نبی رحمت پر!

ہاں تو بھائیو! ذرا غور تو فرمایئے کہ مجرم دربار میں حاضر ہیں، اور اپنے انجام کی فکر میں ہیں اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی چشمانِ مبارک میں آنسو نظر آتے ہیں اور حضور کے دریائے رحمت میں کچھ ایسا جوش آیا کہ حضور نے آبدیدہ ہو کر انہیں معاف فرما دیا۔ سبحان اللہ مجرم وہ اور آنسو چشم رحمت میں ع

گنہ بندہ کرد است او شرمسار

ہمارے لیے

بھائیو! جو آقا اپنے دشمنوں پر بھی اتنا لطف و کرم فرماتا ہو، وہ بھلا اپنے غلاموں کے لیے کیا کیا رحمت نہ فرماتا ہوگا، اور ہمارے لیے بھی حضور کیوں نہ گریہ فرماتے ہوں گے۔

سچ فرمایا ہے اعلیٰ حضرت نے ؎

پیشِ حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے
آپ روتے جائیں گے ہم کو ہنساتے جائیں گے

یہ کل قیامت کے روز کا منظر ہے کہ آگے آگے ہمارے آقا ہمارے شفیع بن کر گریہ فرماتے جائیں گے۔ آپ روئیں گے اور ہم گنہگاروں کو ہنسائیں گے۔
آگے فرمایا ؎

خاک افتادو بس ان کے آنے ہی کی دیر ہے
آپ گر کر سجدے میں ہم کو اٹھاتے جائیں گے

پھر فرمایا کہ ؎

وسعتیں دی ہیں خدا نے دامنِ محبوب کو
جرم کھلتے جائیں گے اور وہ چھپاتے جائیں گے

پڑھئے درود شریف!

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

سبق

حضرات! اپنے آقا و مولیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ عفو و کرم سے سبق حاصل کرو اور سوچو کہ ہمارے آقا تو دشمنوں پر بھی کرم فرماتے رہے اور ہم آج اپنے ہی بھائیوں کے درپے آزار رہتے ہیں۔ کتنے ظلم کی بات ہے کہ مسلمان خود اپنے بھائیوں ہی کو ستانے لگے ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دلِ دشمناں ہم نکردند تنگ

ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

ایک واقعہ

بھائیو! ان مکہ والوں نے جنہیں آج حضور صلے اللہ علیہ وسلم معاف فرما رہے ہیں۔ حضور اور آپ کے ساتھیوں پر کیا کیا ستم نہ توڑے تھے؟ چنانچہ آپ ایک مرتبہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو عقبہ بن ابی معیط نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس گلے میں اپنی چادر ڈال کر چادر کو دونوں طرف کھینچنا شروع کیا، جس سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے، دوڑے اور فرمایا ظالمو! کیا جہنم سے نجات دلانے والے کو تنگ کر رہے ہو اور اپنے بخشوانے والے کے درپے آزار ہو اور جو اللہ کو ایک کہے اُسے اذیت دیتے ہو۔ ان ظالموں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت ابوبکر پر حملہ کر دیا اور صدیق اکبر کو اس قدر مارا کہ حضرت صدیق بے ہوش ہو گئے۔ آپ کے گھر والے سمجھے، کہ آپ کا انتقال ہو گیا ہے۔ وہ آپ کو اٹھا کر گھر لے آئے۔ آپ کافی عرصہ تک بے ہوش رہے۔ چوتھے روز آپ کے ہونٹوں میں کچھ حرکت معلوم ہوئی اور آپ نے اپنی آنکھیں بھی کھولیں۔ گھر والوں نے عرض کیا: ابوبکر! آپ کا کیا حال ہے؟ بھائیو! ذرا صدیق اکبر کی محبت رسول کو دیکھنا۔ اپنی جان پر بن رہی ہے۔ مگر اپنی کوئی پروا نہیں بلکہ جب ہوش آیا تو ؎

سب سے پہلے آپ کا تھا یہ سوال
میرے پیارے مصطفیٰ کا کیا ہے حال

لوگو! مجھے یہ بتاؤ کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک کیسا ہے؟ سب نے بتایا کہ حضور بخیریت ہیں۔ حضرت صدیق اکبر یہ خبر سُن کر خوش ہو گئے۔ اور فرمایا ؎

وہ سلامت ہیں تو پھر کچھ غم نہیں
وہ نہ ہوں تو دوستو پھر ہم نہیں

پھر فرمایا کہ مجھے کسی طرح حضور کے پاس لے چلو تاکہ میں ان کی زیارت کرلوں اور چین پاؤں۔ جب تک میں خود انہیں اپنی آنکھوں سے زندہ سلامت نہ دیکھ لوں گا، تندرست نہ ہوں گا۔ عرض کیا گیا کہ آپ کی حالت بہت نازک ہے آپ کو وہاں تک جانے میں سخت تکلیف ہوگی۔ فرمایا کیا مردہ کو روح سے ملنے میں تکلیف ہوگی یا بیمار کو آبِ حیات تک پہنچنے میں تکلیف ہوگی؟ اگر میری زندگی چاہتے ہو تو مجھے اسی وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراؤ۔

چنانچہ آپ کو گود میں اٹھا کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے جایا گیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے سچے جانثار کی یہ حالت دیکھی تو آپ کی چشمانِ مبارک میں آنسو آگئے۔ حضرت صدیق اکبر نے حضور کو جو دیکھ لیا تو خوش ہوگئے اور فرمایا کہ لوگو اب میں شفایاب ہوگیا۔

شاعر نے کیا خوب لکھا ہے کہ ؎

یوں زلف جلوہ گر ہے رُخِ پُرضیا کے پاس
واللیل جس طرح ہے لکھی والضحیٰ کے پاس
گر پڑ کے جس نے بابِ مدینہ کو آلیا
گویا مریض آگیا دار الشفا کے پاس

فرق

بھائیو! یہاں ایک فرق بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔ زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام سے جسمانی عشق تھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے روحانی عشق۔ یہی وجہ ہے کہ جب زلیخا کی آبرو پہ آبنی اور زلیخا کے عشق کا حال زلیخا کے خاوند عزیزِ مصر کو معلوم ہوا تو فوراً زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو متہم کردیا اور انہیں جیل میں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ مگر روحانی عشق کا مظاہرہ دیکھئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور کی محبت میں اپنی جان دینے کو تیار ہوگئے۔

حضرات! پھر کیوں نہ ہم ایسے سچے جاں نثار اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے

محبِ صادق سے محبت رکھیں اور کیوں نہ ان کی محبت کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت سمجھیں

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی محبت رسول کا واقعہ سنا۔ حضور سے محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ حضرت صدیق نے اپنی جان کی پرواتک نہیں کی مگر افسوس کہ آج کل ہم دنیوی رسموں میں پڑکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے احکام وارشادات کو بھلا بیٹھے یاد رکھئے کہ حضور کی محبت کے مدعی بن کر پھر نیکی بدی کے موقعوں میں دنیوی رسم اور برادری کے کہنے کو مقدم رکھنا بہت بری بات، اور محبت رسول کے خلاف کام ہے۔ بھائیو! آج ہم اپنے معاملات کو دیکھتے ہیں تو شادیوں اور غموں میں ہزاروں بری رسمیں ایسی پڑی کہ جن سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ نظر آتی ہیں۔ چنانچہ یہ گانے بجانے ڈھولک تماشے اور لڑکیوں کا گانا بجانا اور اسی طرح کی متعدد غیر شرعی حرکتیں آج ہم کس بے خوفی سے کرتے ہیں آج کل کی مسلمانوں کی شادیاں دیکھ کر پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو گانے بجانے کے آلات کے توڑنے کے لیے تشریف لائے۔ مگر ہم ہیں کہ ہماری کوئی شادی شادی ہی نہیں کہلاتی جب تک کہ اس میں گانے بجانے حتےٰ کہ رقص وسرود کی محفلیں نظر نہ آئیں۔

لطیفہ

کہتے ہیں۔ ایک گاؤں میں برات آئی۔ براتی گانے بجانے کا پورا سامان ساتھ لے کر آئے حتےٰ کہ وہ ناچ کے لیے ایک رنڈی بھی ساتھ لے آئے۔ چنانچہ پورا دن رقص وسرود، اور گانے بجانے میں گذار دیا۔ رات بھر بھی یہی ہنگامہ رہا نہ خود سوئے نہ گاؤں بھر کو چین لینے دیا۔ دوسرے دن جب دلہن کو ڈولی میں بٹھا کر واپس لوٹے تو میل بھر کا سفر طے کر لینے کے بعد یاد آیا، کہ اوہو! نکاح پڑھانا تو یاد ہی نہیں رہا۔ یہ اتنی بڑی بنیادی بھول یاد کر کے پھر وہاں سے پلٹے

اور واپس گاؤں میں آکر پھر نکاح پڑھایا۔

دیکھا میرے بھائیو! دنیوی رسموں اور غیر شرعی حرکتوں میں ایسے مگن ہوئے کہ جو اصل بات تھی وہ بھول ہی گئے۔ حضرات! اسی طرح ہم نے دنیوی ترقیاں تو خوب پالیں مگر جو اصل بات ہے محبت رسول اور اتباع شریعت اُسے ہم نے فراموش ہی کر ڈالا۔ پھر بتائیے، کہ ایسی ترقیوں کو ہم کیوں نہ محض تضیع اوقات سمجھیں۔

برادری

میرے بھائیو! آج اپنی برادری کی خوشنودی کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ بیاہ شادیوں میں اپنی برادری کے منانے کے لیے ہزار جتن کئے جاتے اور برادری بھی کچھ ایسی سنگدل واقع ہوتی ہے کہ ہزار منت سماجت کرا کے بھی راضی نہیں ہوتی اور وہ اس موقعہ کی انتظار میں ہوتی ہے کہ کوئی شادی کا موقعہ آئے تو ہم اپنا غصہ نکالیں۔ بھائیو! شریعت تو یہ فرماتی ہے کہ دنیوی غصہ تین دن سے زیادہ رکھنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضور نے ارشاد فرمایا:

لَا يَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثٍ ۔

یعنی کسی مومن کے لیے یہ بات حلال نہیں کہ وہ اپنے مومن بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔" (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۴۲۰)

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ هَجَرَ اَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهٖ (صفحہ مذکور)

"جس نے اپنے بھائی کو سال بھر چھوڑے رکھا تو وہ ایسا ہے جیسے اس نے اپنے بھائی کا خون کر دیا ہو۔"

دیکھا میرے بھائیو! ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ غصہ نہ رکھے۔ اور اگر سال بھر یونہی زندگی میں گذار دیا۔ تو گویا اس نے اپنے بھائی کا خون کر دیا۔ مگر برادری کا یہ حال ہے کہ کسی بات کا غصہ دل میں جمع رکھتے ہیں اور پروگرام یہ بنتا ہے کہ اس کا کوئی موقعہ آنے دو۔ اس وقت یہ غصہ نکالیں گے اور یہ موقعہ چاہے سال یا دو سال کے بعد ہی آئے۔

پرواہ نہیں۔ غصہ جوں کا توں دل میں برابر رہے گا۔ غور فرمائیے! کیا یہی مسلمانوں کا شیوہ ہے؟ اب جو موقعہ آیا تو پرانے غصے گن گن کر نکالے جا رہے ہیں اور صاحب خانہ جس کے ہاں شادی کی تقریب ہے۔ بچارا منت پر منت کر رہا ہے۔ ہاتھ جوڑ رہا ہے معافیاں مانگ رہا ہے۔ مگر برادری کا دل نرم ہی ہونے میں نہیں آتا۔ غصہ دل سے نکلتا ہی نہیں۔ پھر ہزار شرطیں پیش کی جارہی ہیں کہ فلاں کو مناؤ تو آؤں گا۔ فلاں صاحب آگئے، تو نہ آؤں گا۔ کیوں کہ میرے دوستو! ذرا انصاف سے کہنا، کہ برادری کا منانا ایک بے حد مشکل اور کٹھن کام ہے یا نہیں؟ پھر اے میرے بھائیو! جو لوگ یوں کہتے ہیں کہ دین پہ چلنا بڑا مشکل کام ہے وہ سراسر غلط کہتے ہیں یا نہیں؟ مشکل تو دنیا پر چلنا ہے اور دین تو اس قدر آسان ہے کہ اس سے آسان اور کوئی بات ہے ہی نہیں۔ مشکل تو برادری کو منانا ہے اور اللہ و رسول کو منانا تو بڑا ہی آسان ہے۔ ساری عمر گناہ کرتے رہو۔ گناہوں کے انبار لے کر آؤ۔ مگر ایک بار سچے دل سے خدا کے سامنے شرمندہ ہو کر اس سے معافی مانگ لو تو خدا فوراً راضی ہو جاتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کہ:

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا

"یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ اللہ تعالےٰ تمہارے سارے گناہ بخش دے گا۔"

سبحان اللہ! کتنا آسان ہے خدا کو راضی کر لینا کہ سچے دل سے صرف ایک مرتبہ توبہ کر لینے سے ساری غلطیاں معاف۔ اور برادران ہے کہ ہزار بار معافیاں مانگو مگر راضی ہونے میں ہی نہیں آتی۔ پھر کس قدر ظلم ہے کہ جو آسان بات ہے اس کی طرف تو توجہ ہی نہ ہو اور جو مشکل بات ہے اس کے لیے دن رات ایک کر رہے ہیں اور اسی کوشش میں ہیں۔ کہ برادری راضی ہو جائے۔ بھائیو! سچا مسلمان وہ ہے جو سب سے پہلے خدا اور رسول کو راضی

کرے۔ برادری بگڑتی ہے تو بگڑے مگر خدا ورسول نہ بگڑیں۔ سچا مسلمان جب اپنے خدا ورسول کو راضی کر لیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ برادری سب بگڑ گئی ہے۔ تو وہ اس بات کی پروا نہیں کرتا کہ بھائی بہن اور چچے ماموں وغیرہ ناراض ہو گئے ہیں بلکہ وہ ایسے موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یوں عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ!

مرے عمل سے نہ بھائی خوش ہیں نہ خویش خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

خادموں سے سلوک

حضرات! میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا بیان کر رہا تھا۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا کہاں تک بیان کیا جائے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنے خادموں سے کیسا سلوک تھا؟ سنئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

خَدَمْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِیْنَ
فَمَا قَالَ لِیْ اُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا اَلَّا صَنَعْتَ۔
(مشکوٰۃ شریف ص۵۱۰)

"میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی دس برس خدمت کی آپ نے اس عرصہ میں مجھے کبھی اُف تک نہ فرمائی اور نہ کبھی یوں فرمایا کہ یہ کام کیوں کیا اور یہ کیوں نہیں کیا"

دیکھئے حضور کے حسنِ اخلاق کو! کہ اپنے خادم سے کبھی خفگی تک نہ فرمائی۔ آج ہم ہیں کہ ذرا سی بات پر نوکروں پر ہزار ظلم و ستم توڑنے لگتے ہیں۔ ذرا سے نقصان پر اُسے موقوف تک کر دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا پرتو حضور کے غلاموں پر کچھ اس طرح پڑا تھا کہ وہ بھی حضور کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مجسم اخلاق بن چکے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ

چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن اپنے غلام کو بلایا تو اس نے جواب نہ دیا پھر بلایا۔ تو پھر بھی اس نے جواب نہ دیا۔ پھر بلایا پھر بھی وہ خاموش رہا۔ حضرت علی پھر خود ہی اس کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہ آرام سے لیٹا ہوا ہے آپ نے فرمایا: تم نے میری آوازیں نہیں سنیں؟ اس نے کہا۔ حضور! میں برابر سنتا رہا۔ فرمایا! پھر تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟ اور کون سی بات نے تمہیں اس امر پر قائم رکھا کہ تو جواب نہ دے۔ اس نے کہا۔ کہ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میں اگرچہ جواب دوں یا نہ دوں آپ مجھ پر ناراض نہیں ہوں گے اسی خیال سے میں نے جواب دینے میں سستی کی۔ حضرت علی نے فرمایا۔ اچھا جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔

سبحان اللہ! سزا دیکھئے کس شان کی ہے کہ قصور کیا، اور انعام پایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز صبح مسجد میں تشریف لائے تو راستے میں کسی شخص کے پاؤں پر اتفاقاً حضرت عمر کا پاؤں پڑ گیا ؎

کہا اس نے اندھا ہے اے بے خبر
لگے معذرت کرنے حضرت عمرؓ
کہ اندھا نہیں ہوں خطا وار ہوں
خطا بخشنے کا طلب گار ہوں!

سبحان اللہ! کیا شان ہے کہ اتفاقاً پاؤں پر پاؤں پڑ گیا، اور وہ شخص بے خبری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اندھا کہہ دیتا ہے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات پر مطلق غصہ نہیں آتا اور بجائے اس کے کہ اس شخص پر ناراض ہوں، اس سے معذرت طلب کرنے لگتے ہیں۔

سچ کہا ہے شاعر نے ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا
خاک کے ذرّوں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

پینتالیسواں ۴۵ وعظ

اسلامی مساوات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ط وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝ (پ ۲۶ ع ۱۴)

"اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد ایک عورت سے پیدا کیا۔
اور تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا، کہ آپس میں پہچان رکھو بے شک

اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں
زیادہ پرہیز گار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے۔"

حضرات! آج مجھے کچھ اسلامی مساوات کے متعلق بیان کرنا ہے۔
ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں بالعموم اور عرب میں بالخصوص قبیلوں کے تنگ دائروں۔ خاندان و نسل کے خود ساختہ امتیازات اور رنگ و نسل پر فخر و غرور سے نسلِ انسانی کی تحقیر و تذلیل ہو رہی تھی۔ دماغوں پر فخر و غرور اور انانیت کا بھوت سوار تھا اور اس کے باعث انسان نسل و حسب کے نام پر بغض و عناد کی آگ میں جل رہا تھا۔ سرمایہ دار اپنی دولت کے بل بوتے پر غریبوں پر جانوروں کی طرح ظلم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ گورے رنگ والے اپنے رنگ پر ناز کرتے ہوئے کالوں پر جور و ستم کی آگ برسا رہے تھے۔ اسی طرح ہر قبیلہ اپنے آپ کو اعلیٰ و افضل سمجھ کر دوسرے لوگوں پر تحقیر و تذلیل کے تیر برسا رہا تھا۔ غریبوں اور مظلوموں پر دنیا اپنی ساری وسعت کے باوجود تنگ ہو رہی تھی۔ وہ ہر طرف سے نفرت و حقارت کے ساتھ ٹھکرائے جاتے تھے۔ ان کے لیے کوئی جائے امن نہ تھی۔ ان کا کوئی دادرس نہ تھا، اور انسان کے شرف و عزت کے معیار کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا۔

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا بھر کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے اور آپ نے اس دنیا کو اس ظلم و ستم سے نجات دینے کے رحمت بھری مساوات کا پیغام دیا، اور ان خلاف عقل و فطرت حد بندیوں کی زنجیروں کو توڑ پھینکا۔ وطنیت و قومیت کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ نسلی و وطنی اور حسب و نسب کے فخر و غرور کو خاک میں ملا دیا۔ حضور نے تمام غیر حقیقی اور خود ساختہ رشتوں کو توڑ کر انسان کو اس مقام پر کھڑا کر دیا۔ جہاں

کسی ذات پات کسی رنگ و نسل اور کسی قومیت و وطنیت کا دخل نہیں۔ بلکہ وہاں صرف انسانیت جلوہ گر ہے۔ اور برتری و عظمت کسی قبیلے، کسی قوم، اور کسی رنگ سے وابستہ نہیں۔ وہ اگر وابستہ ہے تو حسنِ کردار کے ساتھ چاہے وہ کسی قبیلے سے ہو۔ غریب ہو یا کالا۔ چنانچہ آیت کریمہ جو میں نے پڑھی، اس میں اسی حقیقت کا اعلان ہے کہ انسانوں کے گروہوں اور جماعتوں کی حقیقت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ ایک دوسرے کے ساتھ پہچان کا ذریعہ ہیں۔ یہی وہ اعلان حقیقت ہے۔ جس نے دنیا میں حقوق انسانی اور اخلاق حمیدہ کی بنیاد رکھی۔ اور تمام انسانوں کو بلاتمیز نسب و نسل، زبان و رنگ ایک سطح اور ایک صف میں کھڑا کر دیا۔

جن کی مقدر میں تھی غلامی اس نے انہیں آزاد کیا
نوعِ بشر کی لوح جبیں سے اس نے یہ داغ مٹایا ہے
ابیض و اسود، احمر و اصغر، عالی و دانی، خورد و بزرگ
سب کا بنا کر ایک ہی کنبہ ایک ہی گھر میں بسایا ہے

اللہ تعالٰے نے اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کا صاف صاف اظہار فرما دیا ہے۔ کہ عزت و شرافت کا معیار کوئی قبیلہ کوئی قوم اور کوئی رنگ و زبان نہیں۔ بلکہ اس کا معیار حسنِ کردار اور عمل ہے۔ اللہ کے نزدیک معزز ترین وہ شخص ہے۔ جس کے دل میں خوف خدا سب سے زیادہ ہو اور جس کا اللہ تعالٰے سے تعلق زیادہ ہو۔ حقیقی امتیاز اور عزت و شرف کا معیار یہی پرہیز گاری ہے اسلام کے دائرے میں آکر پاکستانی و ہندی ایرانی و ترکی۔ امیر و غریب اور ادنیٰ و اعلیٰ کا امتیاز مٹ جاتا ہے اور اعمال کے بغیر کوئی چیز وجہ امتیاز نہیں رہتی۔

خطبہ مساوات

میرے بھائیو! نبی رحمت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے مساوات کو کچھ ایسی اہمیت دی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنے آخری حج میں جو خطبہ فرمایا۔ اس میں اسی مساوات پر زور
دیتے ہوئے یوں فرمایا:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَ لَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ کُلُّکُمْ
اَبْنَاءُ اٰدَمَ۔

"نہ عربی کو کسی عجمی پر اور نہ عجمی کو کسی عربی پر فضیلت ہے۔
تمام انسان آدم کی اولاد ہیں"

سبحان اللہ! کیا ارشادِ رحمت ہے کہ کوئی شخص محض اس بناء پر کہ وہ
فلاں ملک کا ہے۔ دوسرے پر فضیلت نہیں رکھتا۔ اسی طرح کوئی شخص
محض اس بناء پر کہ وہ گورے رنگ کا ہے یا وہ دولت مند ہے کسی
دوسرے پر اعلیٰ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ گورے کالے، عربی عجمی اور امیر غریب، سب
حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور یہ ساری اولاد برابر ہے۔ ہاں اچھائی
برائی اگر ان میں آسکتی ہے تو وہ تقوے پرہیزگاری کی بدولت۔ جس میں جتنا
خدا کا خوف پایا جائے گا اتنا ہی وہ معزز و مکرم ہوجائے گا۔

عملی منظر

حضرات! اسلام نے اس مساوات کا درس ہی نہیں دیا۔ بلکہ
اپنے ماننے والوں سے اس پر عمل کرا کے بھی دکھایا۔ چنانچہ
اس نے اپنے بتائے ہوئے اعمال اور اپنی مقرر کردہ عبادات کی وضع قطع اور
ہیئت کچھ ایسی رکھی ہے کہ جس کے ساتھ نسل و قوم کا امتیاز جمع ہی نہیں
ہوسکتا۔ وحدت و مساوات کی یہی روح آپ کو نماز روزہ حج زکوٰۃ
میں نظر آئے گی۔ دیکھ لیجئے، نماز کی حالت میں کوئی کسی قسم کا نسلی و قومی یا
رنگ و زبان کا امتیاز باقی نہیں رہتا۔ آپ نے دوسری قوموں کی پوجا
پاٹ کے مناظر بھی دیکھے ہوں گے۔ اول تو گوروں کے عبادت خانے
ہی الگ، اور کالوں کے الگ جیسے یورپ میں نظر آتا ہے۔ یونہی ہندوؤں
میں برہمنوں کے مندر الگ اور شودروں کے الگ۔ مگر کیا کہنے اسلامی

مساوات کے کہ ہم نے مکہ معظمہ کی مسجد الحرام میں یہ نظارہ دیکھا ہے کہ
لاکھوں کے اجتماع میں امیر غریب گورے کالے ادنیٰ اعلیٰ سب ایک ہی
مسجد میں، اور ایک ہی جذبے کے ساتھ کھڑے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ کالے
گوروں کے برابر اور غریب امیروں کے ہمدوش بلکہ کئی غریب اور کالے
امیروں اور گوروں سے بھی اگلی صفوں میں کھڑے نظر آتے ہیں اور سجدہ کی
حالت میں بڑے بڑے امیروں رئیسوں اور گوروں کے سر غریبوں اور
کالوں کے قدموں میں جھکے نظر آتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ زور ہے اسلام کا کہ
غریبوں کو امیروں کے اور کالوں کو گوروں کے برابر کھڑا کر دیا، اور بڑوں بڑوں
کو غریبوں کے قدموں میں جھکا دیا ہے۔

بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اے یورپ کے عاشقو! اور تہذیب جدید پر جان دینے والو! کیا
دنیا میں اسلام سے بڑھ کر بھی کوئی نظام عدل ہے؟ کیا کوئی اور قانون بھی
ایسا زور رکھتا ہے جو بڑے بڑوں کو غریبوں کے قدموں میں جھکا دے؟
افسوس کہ اس قدر زوردار اور فلاحِ انسانیت کا ضامن دستور رکھتے
ہوئے آج کل کا مسلمان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کبھی یورپ کی طرف دیکھتا ہے
اور کبھی روس کی طرف، کبھی یورپ کی مادی ترقی کو سراہتا ہے۔ اور کبھی
روس کی برائے نام مساوات اور سرمایہ کی عادلانہ تقسیم کے گیت گاتا ہے۔
مگر اسے نظر نہیں آتا کہ یہ اسلامی برکات ہی کا ایک چھینٹا ہے۔ جس نے اغیار
کو بھی فائدہ پہنچایا۔

اب جو آئی ہوئی ہے گلشن گیتی میں بہار
رنگ اڑا لائی ہے اس کے ہی گلستانوں سے

خاک کے ذروں کو ہمدوش ثریا کر دیا

حضرات! آپ اسلامی

تاریخ پڑھیں تو پتہ چلے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدا کردہ مساوات نے غلاموں کو بھی تختِ حکومت پر بٹھا دیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ غلام تھے۔ مگر سریہ موتہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ان کی قیادت میں کام کیا۔ صہیب رضی اللہ عنہ رومی غلام تھے لیکن فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں ان کو امام و خلیفہ مقرر کیا۔ ہندوستان کا پہلا اسلامی بادشاہ ایک ہوا ہے جو غیاث الدین غوری کا غلام تھا۔ التمش بھی غلام تھا۔ جبر الٹر کا فاتح حضرت طارق بھی غلام تھا۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نظرِ پاک نے کایا ہی پلٹ دی اور گرے ہوؤں کو یوں اٹھایا کہ انہیں تخت و تاج تک عطا فرما دیا ؎

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا!
خاک کے ذروں کو ہمدوشِ ثریا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

آج کل

میرے بھائیو! بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل ہم اپنی تعلیم کو بھول گئے ہیں۔ اسلام نے جس نسلی و وطنی اور رنگ اور زبان کی عصبیت کی بیخ کنی کی تھی۔ وہ مسلمانوں میں پیدا ہو رہی ہے اور اسلام نے جس فخر و غرور کو توڑا تھا وہی پھر سر ابھار رہا ہے۔

میرے بھائیو! ہماری اسلامی مساوات کا تو درس یہ ہے کہ کوئی عربی ہو یا عجمی ایرانی ہو کہ ترکی۔ مشرقی پاکستانی ہو یا مغربی۔ سندھی ہو کہ پنجابی، سب بھائی بھائی ہیں اور سارے ہی اسلامی رشتہ میں منسلک ہیں۔ مگر افسوس کہ آجکل کے مسلمان وطنیت و قومیت کا شکار ہو گئے عربی عربیت کو لے کر اٹھے اور غیر عربی اپنی اپنی قومیت کو ابھارنے لگے اور دوسروں کی مخالفت کرنے لگے۔ میرے بھائیو! ہم سب پاکستانی مسلمان آپس میں بھائی

بھائی ہیں۔ مشرقی پاکستان کے ہوں یا مغربی کے۔ سندھ کے ہوں یا پنجاب کے۔ باوجود اس حقیقت کے اگر کوئی شخص صوبائی و لسانی تفریق پیدا کرتا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ اپنے قومی و ملی مفاد ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اپنے دین و مذہب سے بھی بے وفائی کرتا ہے اس لیے کہ دینِ اسلام نے ہمیں اس قسم کے تفرقوں سے بچایا ہے۔

درسِ عبرت

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! آج کل مذہب دشمن افراد بالعموم یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ مذہب کے علمبردار مولوی تفرقہ بازی پیدا کرتے ہیں۔ میرے بھائیو! ذرا انصاف سے کہنا کہ یہ جو پچھلے دنوں ہمارے وطن عزیز میں شور و ہنگامے برپا ہوئے اور جن کی بدولت ہمارے ملک کو بڑی پریشانی کا سامنا ہوا کیا یہ ہنگامے مذہب کی پیداوار تھے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ اسی غیر شرعی عصبیت کی پیداوار تھے۔ یہ وطنی و صوبائی اور لسانی تفریق پیدا کرنے والے آج کل کی غیر اسلامی سیاست کے علمبردار تھے اور کیا ہی عبرت آموز قصہ ہے کہ کل تک حنفی شافعی اور سنی شیعہ وغیرہ ناموں پر مذاق اڑانے والے آج خود بیسیوں سیاسی فرقوں میں بٹ چکے ہیں۔ اول تو سیاسی پارٹیاں ہیں ہی اس کثرت کے ساتھ کہ ملک کا سنجیدہ طبقہ اس بات کا متمنی ہے۔ کہ ہمارے ملک میں یہ پارٹیوں کی کثرت باقی نہ رہے پھر ان پارٹیوں کی کثرت کے باوجود ہر پارٹی میں کئی کئی گروپ بن چکے ہیں۔ گویا ہر پارٹی پھر کئی کئی پارٹیوں میں بٹ چکی ہے۔ یہ فلاں گروپ ہے اور یہ فلاں گروپ اور پھر یہ کہ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بیان بازیاں اور الزام تراشیاں بھی ہوتی ہیں۔ خدا گواہ ہے کہ یہ حالت دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اور دل سے دعا نکلتی ہے کہ خدا تعالے اپنا فضل و کرم فرمائے اور مسلمانوں کو اتحاد و اتفاق سے بہرہ ور فرمائے اور اس قسم کے انتشار سے بچائے۔ میرے بھائیو! ہمارے دشمن ہنود و یہود اور دیگر غیر مسلم

اقوام مسلمانوں کی مخالفت میں سب متفق ہیں۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہم سب مسلمان اکٹھے نہیں ہوتے جب کہ ہمارے دین اور ہمارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ہی مرکز اور ایک ہی صف میں رہنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔

ایک حکایت مولانا رومی نے اتفاق پر ایک مزے دار حکایت لکھی ہے جو میں آپ کو اردو منظوم ترجمہ میں سناتا ہوں فرماتے ہیں۔ ایک باغ میں ہر روز کچھ چور گھستے اور پھل کھا جاتے تھے۔ باغبان اس فکر میں تھا کہ پتہ چلے کہ چور کون ہیں۔ چنانچہ وہ اسی تجسس میں تھا کہ ایک روز اس نے باغ میں تین آدمی دیکھے جو پھل توڑ رہے تھے۔ ایک قاضی شہر کا فرزند تھا۔ دوسرا کسی شاہ صاحب کا بیٹا تھا اور تیسرا کسی صوفی کا دلبند تھا۔

مولانا فرماتے ہیں:

سب کے سب وہ نوجواں بے باک تھے
اک اکیلا باغباں کیا کر سکے

باغباں نے دل میں سوچا کہ میں تنہا ان تینوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس لیے کوئی حیلہ کرنا چاہیے چنانچہ ؎

مرحبا ان کو کہا، خوش آمدید
اور مجرے کو جھکا مانند بید
یوں کہا میرے نصیب ایسے کہاں
جو قدم آئیں بزرگوں کے یہاں

اس کے بعد صوفی زادہ سے کہا کہ حضرت جائیے! میرے ڈیرے سے صف اٹھا لائیے اور صف بچھا کر آرام سے بیٹھیے میں پھل خود پیش کرونگا شوق سے تناول فرمائے گا۔ چنانچہ صوفی زادہ صف لانے کے لیے چلا گیا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو باغبان نے قاضی صاحب کے فرزند اور شاہ صاحب

کے فرزند سے کہا کہ ؎

ہے تمہارا حق مسلمانوں پہ عام
بادشاہ ہو تم رعیت ہیں تمام
اصل کیا اس صوفی بذات کی
شاہزادوں کی کرے یہ ہمسری
تم اگر دونوں کرم مجھ پر کرو!!
اور مہینوں باغ میں ٹھہرے رہو
کھاؤ میوے دندناؤ باغ میں
کسیلو کودو اور گاؤ باغ میں
سُن کے وہ احمق نہایت خوش ہوئے
پھول کے کپّہ خوشامد سے بنے

باغبان نے ان دونوں سے یہ کہہ کر پھر صوفی زاہد کے پیچھے پیچھے گیا اور اپنے ڈیرے میں اسے پکڑ کر خوب مارنے لگا اور ساتھ ساتھ یوں کہتا رہا ؎

ہاں کہا نا غیر کا یوں اے دنی
یہ تجھے تعلیم ہے کس شیخ کی!
ہے عوارف یا کہ احیا میں پڑھا
یا معارف میں کہیں دیکھا لکھا

مولانا فرماتے ہیں کہ صوفی زادہ پٹ رہا تھا اور اس کے دونوں ساتھی پلیٹھ پھیرے کھڑے تھے۔ صوفی زادہ نے ان سے کہا ؎

مجھ پہ اس دم ہے گذر جو کچھ رہی
پیش آنی ہے تمہارے بھی یہی

پھر جب باغباں صوفی زادہ کو نیم مردہ کر چکا تو ان دونوں سے کہ

پاس آیا اور شاہ صاحب کے فرزند سے کہا جائیے میرے گھر سے کھانا لے آئیے۔ اگر تیار نہ ہو تو تقاضا کر کے تیار کرا لائیے اور یہاں سے آئیے۔ شاہ صاحب کے فرزند کو گھر بھیج کر ؎

جب اکیلا پوت قاضی کا رہا
لے کے لاٹھی باغباں اس پر چڑھا
جو نہ کہنا تھا کہا وہ سخت سُست
خوب لاٹھی سے کیا اس کو درست
اور پوچھا کون سی ہے وہ کتاب
جس میں کھانا غیر کا پھل ہے ثواب
مارتا تھا اور کہتا طنز سے
دے ہدایہ سے جواب اور کنز سے

جب اسے بھی نیم مردہ کر دیا تو پھر گھر کی طرف گیا۔ دیکھا کہ شاہ صاحب کا فرزند کھانا لا رہا ہے تو اُسے وہیں روک کر کہا ؎

قبلۂ حاجات اور والا صفات
پوچھنی ہے تجھ کو اس دم ایک بات
ہے روا کیا سیّدوں کو یہ ستم
مال کھائیں غیر کا بے خوف و غم
دل ہی دل میں کھا کے از بس پیچ و تاب
ہو گیا سیّد کا بیٹا لا جواب
کی رعایت اس نے لیکن اس قدر
باغ سے باہر کیا کان اینٹھ کر

اس حکمت سے باغبان نے تینوں پر غلبہ پا لیا۔ اگر وہ اُن میں یوں تفرقہ نہ ڈالتا تو کبھی کامیاب نہ ہوتا۔ مولانا رومی اس کا نتیجہ یہ لکھتے ہیں کہ ؎

ہے عجب شے اتفاق باہمی
یہ کہاوت کیا نہیں تم نے سنی
دشمنوں کو زیر کرنا ہے اگر
تفرقہ ڈالو اُن میں اور مغلوب کر

ہاں تو بھائیو! خوب یاد رکھو کہ مسلمانوں کو آپس میں متحد ہو جانا چاہیے اور انتشار و تفرقہ سے بچنا چاہیے اور کبھی کوئی ایسی حرکت نہ کرنا چاہیے۔ جس سے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو۔ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اور اسلامی مساوات کی سلک میں پرو دئیے ہوئے ہیں۔

غیر فطری مساوات

میرے بھائیو! یہ تو ہے اسلامی مساوات! کہ انسانی حقوق اور قانون ہر امیر و غریب، ادنیٰ و اعلیٰ کے لیے برابر ہیں۔ گورا کالا۔ امیر غریب ہونا اس بات میں کوئی فرق پیدا نہیں کرتا کہ امیر کے لیے تو حقوق ہوں، اور غریب کے لیے نہ ہوں غریبوں کے لیے تو قانون ہو اور امیروں کے لیے نہ ہو بلکہ ؎

پیش قرآں بندہ و مولا یکے است
بوریا و مسندِ دیبا یکے است

مگر ایک آج کل مغربی قسم کی غیر فطری مساوات بھی ہے اور وہ یہ کہ مرد و عورت دونوں برابر ہیں۔ مرد اگر باہر بے حجاب اور ننگے منہ پھرتا ہے تو عورت بھی اس کی مثل بے حجاب و ننگے منہ پھر سکتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض مادر پدر آزاد لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ مرد اگر چار بیویاں رکھ سکتا ہے تو عورت کیوں ایسا نہیں کر سکتی اور کیوں چار شوہر نہیں رکھ سکتی اور اس قسم کی مساوات کے نمونے یورپ کی آزاد عورتوں نے عملاً دکھا دی بھی دیئے خدا تعالیٰ اس قسم کی غیر فطری مساوات سے بچائے۔ اکبر الہ آبادی نے اسی قسم کی مساوات کا ردّ ایک لطیف پیرائے میں کیا ہے کہ ؎

مساواتِ زن و شوہر کے جو حامی ہیں اے اکبر
تعجب ہے کہ ایسے مرد بچے کیوں نہیں جنتے

یعنی اگر مساوات کا یہی معنےٰ ہے کہ مرد اور عورتیں ہر بات میں مساوی ہیں تو اس قسم کے نظریئے کے علمبرداروں کا فرض ہے کہ اب وہ بچے جننے کی تکلیف و مشقت سے ان عورتوں کو نجات دلائیں اور کچھ عرصہ کے لیے اب یہ کام اپنے ذمہ لے لیں مگر نہیں جو کام اللہ نے جس کے حصہ میں رکھا ہے وہ وہی کر سکے گا، اور یہ مساوات کی رٹ لگانے والے ہرگز وہ کام نہ کر سکیں گے۔

بھائیو! یہ نظامِ قدرت ہے کہ کارخانۂ جہاں کے چلانے کے لیے اللہ تعالےٰ نے کسی کو مرد بنایا اور کسی کو عورت۔ اگر سارے مرد ہوتے تو بھی یہ کارخانہ نہ چلتا، اس لیے یہ حکمت الٰہی ہے کہ کوئی مرد ہے اور کوئی عورت!

امیر و غریب

اسی طرح یہ بھی نظام قدرت ہے کہ کوئی امیر ہے اور کوئی غریب اس فطری امتیاز کو مٹانا بڑا مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ دیکھئے کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا بھر میں سب آدمی حاکم ہوں، محکوم کوئی بھی نہ ہو؟ یہ بات ہرگز ممکن نہیں کیوں کہ حاکم ہوتا ہی وہ ہے جس کا کوئی محکوم بھی ہو تو جب محکوم کوئی نہ ہوا تو حاکم کا وجود بھی ناممکن۔ یونہی نظام عالم پر نظر ڈالئے۔ تو قدرت نے ہر شعبہ میں تقسیم فرمائی اور خود عقل و نیچر کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس تقسیم میں کمی بیشی اور کچھ نہ کچھ امتیاز و فرق رہے۔

آپ اگر ایک قطعۂ زمین خریدیں اور اس پر مکان تعمیر کرنا چاہیں تو پہلے آپ اس قطعۂ زمین کی تقسیم کر کے ایک خاکہ تیار کریں گے کہ یہاں دلان بنے گا۔ یہاں بیٹھک یہاں باورچی خانہ اور یہاں بیت الخلاء۔ اس کے بعد اسی خاکہ کے مطابق آپ مکان تیار کر لیں گے اور اگر اس تقسیم مقامات کے وقت وہی غیر فطری مساوات کا فلسفہ بروئے کار لایا جائے تو بیت الخلاء کے لیے

تجویز کردہ ٹکڑا بول اٹھے گا کہ کیوں صاحب! یہ کیا؟ میں بھی تو آخر زمین ہی کا ٹکڑا ہوں مجھ پر بیت الخلاء کیوں؟ اور اس دوسرے حصہ پر باورچی خانہ کیوں؟ باورچی خانہ والا ٹکڑا بول اٹھے گا کہ صاحب! میں آگ سے جلنے اور تپنے کے لیے کیوں، اور بیٹھک والا ٹکڑا بجلی کے پنکھے کی ہوا اور فرنیچر کی زیبائش کے لیے کیوں؟ تو فرمائیے! کیا آپ ایسی تقسیم کرنے پر تیار ہو جائیں گے کہ سارے کا سارا مکان دلان ہی بنا ڈالیں یا سب کا سب باورچی خانہ ہی بنا ڈالیں یا سارا مکان بیت الخلاء کی ہی شکل میں تعمیر کر لیں؟ مقصود یہ کہ جب تک امتیاز و فرق سے قطعۂ زمین کی تقسیم نہ کی جائے گی، مکمل مکان نہ بن سکے گا۔ اسی طرح حکیم ازلی جل شانہٗ نے نظام عالم کی تکمیل کے لیے اپنی مخلوق میں امتیاز و فرق رکھا ہے اس قسم کے امتیاز کو مٹانا فطرت سے جنگ ہے۔

اسلام اور اشتراکیت

بھائیو! ہمارا اسلام ایک دین ہے، اور اشتراکیت محض ایک اقتصادی مسلک ہے۔ اسلام اور اشتراکیت دونوں کا ایک نہ ایک مطمع نظر ضرور ہے، اشتراکیت کا مقصد انسان کی مادی اور اقتصادی خوش حالی ہے بالفاظ دگر مملکت کے ایک ایک فرد کی غربت و افلاس کو دور کر دینا، لیکن اسلام کا مقصد ایسی تکمیل انسانیت ہے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو یعنی انسان کو رفعت بخش کر انسان کامل بنا دینا۔ مادی و اقتصادی خوشحالی اسلامی زندگی کا ایک شعبہ ہے ایک درجہ ہے لیکن منزل مقصود نہیں۔ بر خلاف اشتراکیت کے کہ اس میں یہ خود ایک مقصد ہے جس کے ماتحت دوسرے سارے مقاصد آجاتے ہیں۔

اسلام و اشتراکیت میں بنیادی اختلاف بھی ہے۔ لیکن بہر حال ایک چیز دونوں میں مشترک ہے یعنی افلاس کی بیخ کنی اور فکر معاش سے آزادی کی تدبیر۔ یہ اشتراک صرف مقصد میں ہے طریق کار دونوں کا الگ الگ ہے۔

اسلام کا تصور یہ ہے کہ ذاتی ملکیت اچھی چیز ہے، اور کارکردگی
کے لیے اچھا طریقہ ہے لیکن سرمایہ داری کے لحاظ سے یہ بری چیز ہے۔
گویا ذاتی ملکیت بیک وقت برقرار بھی رکھی جائے اور نہیں بھی۔ برقرار
تو اس لئے رکھی جائے کہ اس سے جوش عمل بڑھتا ہے اور اس کو مٹا اس
لیے دیا جائے کہ اس سے سرمایہ داری بڑھنے نہ پائے۔

میں بیک وقت یہ تصور کیسے کر سکتا ہوں کہ یہ ایک چیز میری بھی
ہے اور نہیں بھی! لیکن یہ ممکن ہے بشرطیکہ میں اپنے ہونے، اور نہ ہونے کو
مختلف زاویوں سے دیکھوں، اور یہی وہ چیز ہے، جو اسلام ہمارے اندر
پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اصولاً ایک چیز میری ہے۔ واقعی ہے اور حقیقت میں ہے
اور اس لیے ہے۔ کہ میرے قبضہ میں ہے اس لیے مجھے اس سے دلچسپی ہوگی۔
اس کی حفاظت کی فکر ہوگی اور اس کی ترقی کا خیال ہوگا لیکن انصاف وعقلی
طور پر اور معیاری نقطۂ نگاہ سے وہ چیز میری نہیں، بلکہ خدا کی ہے اس
لیے کہ ہر چیز حقیقی اعتبار سے خدا ہی کی ہے۔ اس اعتبار سے مجھے اپنی چیز
دینے میں ہرگز کچھ بھی عذر نہ ہوگا۔ جب میں جانوں کہ خدا کی مرضی اس کے
دے دینے میں ہے۔ یہ طریقۂ کار ہے جس سے ذاتی ملکیت تو برقرار رہتی ہے۔
لیکن سرمایہ دارانہ ذہنیت پیدا نہیں ہوتی۔ اسلام دولت کی فراوانی کے حق
میں ہے لیکن اس کے اس طرح جمع کرنے کے حق میں نہیں۔ کہ صرف چند
لوگوں کے حق میں چلی جائے۔ اللہ نے اس کے لیے قانون وراثت بنایا ہے۔
سود کو حرام کیا ہے۔ صدقات پر ابھارا ہے اور قرض حسنہ کو نیکی قرار دیا ہے۔
حرمت سود اور سودی کاروبار کی قطعی ممانعت، سرمایہ داری کے خلاف
ایک اور حربہ ہے۔ سود بہت ہی نقصان دہ اور ذلیل چیز ہے۔ سرمایہ داری
کی بنیادیں اسی سے استوار ہوتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ جو امیر ہیں
امیر تر اور جو غریب ہیں غریب تر ہو جاتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں

سودی کاروبار میں انسان اپنی محنت سے اپنا سرمایہ نہیں بڑھاتا بلکہ اپنے
سرمایہ سے بغیر محنت کے روپیہ بڑھاتا ہے۔ نظام اسلامی میں انسان اپنے روپے
سے نہیں بلکہ اپنی محنت سے آمدنی بڑھا سکتا ہے اور اس طرح نظام اسلامی
میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اسامی بنائے۔

زکوٰۃ خیرات صدقات قرض حسنہ امانت وقف، اور وصیت وغیرہ
سرمایہ داری ختم کرنے کے دوسرے ذریعے ہیں۔ ان تدابیر کا فائدہ یہ ہے
کہ روپیہ چند مخصوص لوگوں کے قبضہ میں نہیں رہتا بلکہ ایک آدمی سے
دوسرے آدمی تک منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اور اس طرح محض افراد ہی کی نہیں
بلکہ مملکت کی بھی اقتصادی حالت درست ہوتی رہتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے
ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَمْوَالَهُمْ وَأَنفُسَهُمْ
بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

"خدا نے ایمان والوں سے ان کے مال ان کی جانیں جنت
کے بدلے خرید لیں۔"

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ ایک مسلمان کا جان و مال جنت کے
عوض خریدا جا چکا ہے اسی لیے وہ جب ضرورت ہو تو خدا کے حکم کے
مطابق اس سے لیا بھی جا سکتا ہے۔ ان تمام تدابیر میں زکوٰۃ تو فرض ہے
باقی صدقات وخیرات۔ قرض حسنہ۔ ہبہ۔ امانت۔ وقف وصیت وغیرہ
دوسری تدابیر ہیں جو فرض نہیں بلکہ اختیاری ہیں۔ زکوٰۃ وصول کرنا خلیفہ کے
فرائض میں سے ہے اور مسلمان لازماً اس کی ادائیگی پر مجبور ہے۔ بقیہ امور
میں وہ مجبور نہیں ہے۔ فرض وہ ہے کہ اس کی عدم ادائیگی جرم ہو اور اس کی
ادائیگی نیکی۔ لیکن باقی امور کی عدم ادائیگی جرم تو نہیں۔ البتہ ان کی ادائیگی بہت
بڑی نیکی کا کام ہے۔ دولت خرچ کرنے کے یہ طریقے کسی دنیوی سلطنت و

نظام میں موجود نہیں۔

اشتراکیت میں اس قسم کی نیکیوں کی گنجائش نہیں وہاں جو کچھ ہے زور و زبردستی ہے۔ اپنی ضروریات سے زیادہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہوگا وہ تم سے لے لیا جائے گا اور تم کو صرف اسی طرح رکھا جائے گا جس طرح دوسرے ہیں۔ ایسے نظام میں کچھ اور بھی دینے یعنی نیکیاں کمانے کا تصور ہی نہیں اشتراکیت میں جو کچھ ہے وہ سلطنت ہے۔ برخلاف اسلام کے کہ اس میں جو کچھ ہے وہ خدا ہے۔ اسلام میں جو کچھ دیا جاتا ہے۔ خدا کے خوف سے اور اشتراکیت میں جو کچھ دیا جاتا ہے سلطنت کے خوف سے یعنی اشتراکیت میں جو کچھ خوف ہے وہ قانونی ہے۔ اور اسلام میں جو خوف ہے وہ اخلاقی ہے گویا ایک مسلمان جب کوئی خیراتی کام کرتا ہے تو محض دوسروں ہی کے مفاد کے لیے نہیں کرتا بلکہ خود اس کے نفس کی بھی اصلاح ہوتی ہے اور اس کی روح کی بھی تربیت ہوتی ہے۔ اور یہ خوبی صرف اسلام ہی میں پائی جاتی ہے اشتراکیت میں نہیں۔

الغرض اسلام میں ایک شخص کی عزت و حرمت اس کے کردار کی خوبی اور اس کے تقوٰے و پرہیزگاری سے ہے نہ کہ دولت یا کسی اور وجہ سے اس طرح ایک غریب آدمی کو اسلامی سلطنت میں حقارت کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا اور نہ دولت مند کو محض دولت کی وجہ سے عزت کی نگہ سے دیکھا جاتا ہے، عزت کی وجہ صرف ایک ہی ہے تقوٰے و پرہیزگاری جیسا کہ ابتداء وعظ کی آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یہی وہ زریں اصول ہے جس کے باعث امیر و غریب سب آسانی کے ساتھ ایک برادری کے رشتہ میں منسلک ہو سکتے ہیں۔

اسلام امتیاز و فرق اور ذاتی ملکیت کو تسلیم کرنے کے باوجود مزدور و غریب کا سب سے زیادہ ہمدرد و بہی خواہ ہے۔ اسلام امیر کی شخصی ملکیت کو

تسلیم کر کے اُسے یہ بھی حکم دیتا ہے کہ تمہاری اس دولت میں غریب کا بھی حق ہے اور امیر اگر غریب کو کچھ دیتا ہے تو اس پر احسان نہیں کرتا بلکہ اُسے اس کا حق دیتا ہے۔ اسلام نے مزدور کے لیے یہ درس دیا ہے کہ تم مزدور سے کام لو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کا حق ادا کر دو۔ صاحب نصاب ہو تو دولت کا چالیسواں حصہ غریبوں کو دو ورنہ تم مجرم ہو۔ ان صورتوں میں ایک امیر آدمی کی دولت کا کچھ حصہ ان محتاجوں پر تقسیم ہو جاتا ہے اور اس طریق تقسیم سے صاحب دولت کو بھی کچھ بار معلوم نہیں ہوتا اور غریب مزدور بھی اپنا حق پا کر خوش ہو جاتا ہے اور صاحب دولت کی طرف سے اس کے دل میں کوئی میل یا بغض و حسد باقی نہیں رہتا۔ برعکس اس کے اگر دولت اس سے زبردستی چھین کر دوسرے پر تقسیم کر دی جائے تو اس صورت میں ایک تو صاحب دولت کے دل میں غصہ و جذبۂ انتقام کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اور دوسری طرف اس طریق سے بیٹھے بٹھائے بغیر کسی محنت کے دولت کا ایک معقول حصہ پا لینے سے خواہ مخواہ لوٹ کھسوٹ کا جذبہ پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہے۔

معلوم ہوا کہ اسلام ہی ایک ایسا لائحہ عمل پیش کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہر شخص اپنے مقام پر رہ کر فائز المرام ہو سکتا ہے اور اسلامی مساوات ہی ایک ایسی مساوات ہے جس سے بغیر کسی خطرہ کے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ مذکورہ بالا فرق و امتیاز مراتب و املاک میں ہے۔ جو ایک فطری چیز ہے۔ مگر احکام و قوانین میں اسلام ہر چھوٹے بڑے، ادنیٰ و اعلیٰ، گورے کالے اور حاکم و محکوم کو ایک سطح پر دیکھتا ہے اور حکم و قانون میں کسی بڑے سے بڑے کی بھی رعایت اُسے ملحوظ نہیں۔ اگر کوئی سید یا حاکم بھی کسی غلام یا محکوم کو قتل کر دے گا۔ تو اس سے قصاص ضرور لیا جائے گا۔ برعکس اس کے اس زمانہ کے دکھاوے کی مساوات کے علمبردار

اپنے ہی احکام و قوانین عوام پر تو نافذ کر دیتے ہیں۔ مگر حکام کو ان سے مستثنےٰ قرار دے دیا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں کسی بھی دنیوی مساوات کے علمبردار ملک کے کسی ادنےٰ شخص کو یہ جرأت حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کے حاکم اعلیٰ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکے؟ یا اس کی کار میں سیر کر سکے؟ یا مدعی بن کر عدالت میں اپنے برابر کی سطح پر حاکم اعلےٰ کو کھڑا کر سکے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ مگر اسلامی مساوات کا نظارہ دیکھنا ہو۔ تو وہ دیکھئے کہ ایک سفر میں جہاں صحابہ کرام نے کھانا پکانے کے لیے کام تقسیم کر لیا۔ تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے لکڑیاں چن لانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور وہ دیکھئے! فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے غلام کے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے بیت المقدس میں داخل ہو رہے ہیں۔

اور وہ دیکھئے! حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدعا علیہ بن کر خود اپنے ہی مقرر کردہ جج کی عدالت میں مدعی کے برابر کھڑا ہونا پڑا۔

مختصر یہ کہ ہر چھوٹے بڑے، ادنےٰ و اعلیٰ کو بحیثیت انسان دیکھ کر سب سے برابر کا سلوک کرنے والا اسلام اور صرف اسلام ہی ہے!

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ

چھیالیسواں ۴۶ وعظ

معراج پاک

اور

چاند کا سفر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ بَرَرَۃِ التُّقٰی

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ

آیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ (پ۱۵ ع ۱)

"پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔"

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ثُمَّ عُرِجَ بِنَا اِلَی السَّمَآءِ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۲۰)

"حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (مسجد اقصیٰ سے آگے) پھر ہمیں آسمان پر لے جایا گیا۔"

حضرات! معراج شریف کا مہینہ آرہا ہے اور اتفاق کی بات دیکھئے کہ معراج شریف کے مہینے سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے ان دنوں امریکی خلابازوں کے چاند پر پہنچنے کی بات چل نکلی ہے۔ یہ بھی خدا تعالےٰ کی ایک حکمت ہے کہ اپنے محبوب پاک کے سچے سفرِ پاک کے منکروں کا منہ بند کرنے کے لیے اس مہینے کی آمد سے پہلے ہی ان روشن خیالوں کی زبانی ایسی ایسی باتیں کہلوا اور منوا دیں۔ جن کی وجہ سے اب یہ لوگ معراج پاک کے کسی واقعہ پر کوئی اعتراض کر ہی نہیں سکتے۔

چاند کی بات

پہلے میں چاند پر پہنچنے کی بات کر لوں۔ آج کل یہ بڑا شور ہے کہ امریکی خلا باز چاند پر اتر گئے۔ اس خبر سے لوگوں میں عجیب و غریب باتیں ہونے لگی ہیں۔ کچھ لوگ تو یوں کہہ رہے ہیں کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور وہ ہرگز چاند پر نہیں پہنچے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں۔ جو امریکہ کی اس

خبر سے مرعوب ہوکر قرآن پاک کی تفسیر بالرائے کرنے لگے ہیں اور خواہ مخواہ آیاتِ پاک کو توڑ موڑ کر امریکیوں کا چاند پر جانا گویا نص سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل یہ دونوں طریق ہی غلط ہیں۔ کیونکہ نہ تو چاند پر پہنچنا ناممکن ہے اور نہ ہی قرآن پاک اس مقصد کے لیے آیا ہے کہ وہ یہ بات بیان فرمائے کہ تم چاند پر پہنچوگے یا نہیں؟ ہاں قرآن پاک نے انسان کی عظمت ضرور بیان فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔

لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ

"کہ ہم نے انسانوں کو کرامت و عظمت بخشی ہے۔"

اور فرمایا ہے۔

وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔

"یعنی اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تمہارے لیے مسخر کر دیا۔"

انسان کی اس عظمت کے بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر انسان میں انسانی عظمت و تسخیر کائنات کی قوت موجود ہے۔ جو شخص بھی اپنی محنت و کوشش سے اسے بروئے کار لائے گا وہ پھل پائے گا۔

یادِ ماضی

چنانچہ ایک دور ایسا بھی گذرا ہے۔ جب کہ مشرقی و مغربی دنیا کی بہت سی قومیں دریا۔ پہاڑ۔ پانی۔ بجلی۔ چاند سورج اور ستاروں کو مافوق الفطرت طاقت سمجھتی تھیں، اور انہیں معبود سمجھ کر ان کے آگے سر جھکائے ہوئے تھیں۔ اس خیالِ باطل کے برعکس سب سے پہلے قرآن ہی نے اعلان فرمایا کہ:

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

"وہی اللہ ہے جس نے جو کچھ بھی زمین میں ہے تمہارے لیے پیدا کیا ہے۔"

اور پھر یہ بھی فرمایا کہ:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔

"اور جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے"

اور فرمایا:۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔

"اللہ نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا"

قرآن پاک نے اس حقیقت کو واضح فرما دیا کہ یہ جتنی چیزیں ہیں تمہاری معبود کیسے ہو سکتی ہیں۔ جبکہ انہیں تمہارے لیے اور تمہاری خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم ان کے لیے نہیں بلکہ یہ تمہارے لیے ہیں۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

یعنے بادل، ہوا، چاند، سورج اور آسمان سب تیرے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ جو روٹی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ غور کرو تو آسمان نے مینہ برسا کر۔ اور مینہ نے برس کر۔ ہواؤں نے بادلوں کو چلا کر، اور چاند سورج نے اپنی برودت و حرارت سے ان کھیتوں کو پکا کر یہ روٹی تمہارے لیے تیار کی ہے اور خدا تعالیٰ نے ان سب کو تمہاری روٹی تیار کرنے میں لگا دیا ہے۔ اب تمہارا بھی فرض ہے کہ غفلت اختیار نہ کرو اور اتنے بڑے مہربان خالق کو نہ بھولو جس نے اتنی بڑی بڑی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں ہماری خادم ہیں۔ مخدوم بھی نہیں۔ چہ جائیکہ معبود بن سکیں۔ تو یہ اسلام ہی ہے۔ جس نے انسان کا یہ وہم دور کیا کہ یہ چاند سورج وغیرہ کوئی مافوق الفطرت چیزیں ہیں۔ جن کے آگے انسان کو

جھکنا چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۔

"بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات کے الٹ پھیر میں عقلمندوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں"

اس ارشاد میں خدا تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرنے کی انسانوں کو دعوت دی ہے تاکہ اُسے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور نشانیوں کا پتہ چلے۔

قرآن پاک کی اسی دعوت پر قرون اولے کے مسلمانوں نے ضروریات زمانہ کے مطابق علوم و فنون حاصل کئے اور یہ حقیقت ہے۔ کہ ریاضی، الجبرا، ہیئت و نجوم و فلکیات طب و فلسفہ۔ منطق و انجینئرنگ۔ صناعی وغیرہ ہر قسم کے فنون میں کیا نظر نہیں آتا۔ تاریخ پڑھئے تو قرونِ اولے کے مسلمانوں میں کیا نظر نہیں آتا۔ زمین و آسمان کے متعلق بڑے بڑے تجربات و انکشافات ان سے ثابت ہیں اور یہ مسلمانوں ہی کے علوم و انکشافات تھے جن کو سامنے رکھ کر مغربی دنیا نے آج سائنس کی جدید ایجادات کے معاملہ میں دنیا بھر میں امامت حاصل کر لی، اور مسلمان اپنی غفلت سے قرآن پاک سے بے نیاز رہ کر ایک طرف اخلاقی و روحانی دولت سے محروم ہو گئے اور دوسری طرف علوم و فنون سے بھی تہی دست ہو گئے۔ ؎

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

بھائیو! یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ حقیقت ہے۔ قرآن و حدیث کے ارشادات ہمارے پیشِ نظر نہ رہے لیکن دوسروں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ یہ آج کل کے مغربی سائنس دان ہمارے قرآن اور ہمارے رسول کے

ارشادات کو دیکھتے ہیں اور پھر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ
کسی اردو رسالے میں جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا واقعہ پڑھا تھا کہ اس نے

حدیث

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک روز یہ حدیث
پاک پڑھی کہ حضور فرماتے ہیں کہ تمہارے برتن میں اگر کتا
منہ ڈال جائے تو اسے پہلے مٹی سے مانجھو۔ پھر دھو ڈالو (مشکوۃ شریف ص۵۱)
ڈاکٹر نے یہ ارشاد نبوی پڑھا تو سوچنے لگا کہ حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم)
نے برتن کو مٹی سے مانجھنے کا جو حکم دیا ہے۔ یہ بلا وجہ نہیں۔ اس میں ضرور
کوئی حکمت ہے۔ چنانچہ اس نے اس پر غور کرنا شروع کیا اور آخر اس نتیجہ
پر پہنچا کہ مٹی کے اندر نوشادر کے اجزا پائے جاتے ہیں اور نوشادر کتّے
کے جراثیم کو ہلاک کرنے کا یہ نسخہ مجھے حدیث سے ملا ہے۔ پڑھئے درود شریف

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ

غور فرمائیے کہ حدیث پاک کے ارشادات سے اغیار تو فائدہ
اٹھا رہے ہیں اور اپنا یہ حال ہے کہ ہم میں سے ایسے ایسے ماڈرن فاضل پیدا
ہونے لگے جو سرے سے حدیث کا انکار ہی کر بیٹھے۔

بات دراصل یہ ہے کہ آج کل وہ ماڈرن افراد جو بقول حاجی حق حق

کتا لختِ جگر ہے صاحب کا
اس سے بوس وکنار کرتے ہیں

ہر وقت کتوں میں ملے جلے رہتے ہیں، اور انہیں گود میں اٹھا کر ان کا منہ بھی
چوم لیتے ہیں۔ فرمائیے! اگر یہ لوگ حدیث پر ایمان لے آئیں تو ان کے لیے
کتنی بڑی مشکل ہے کہ دن میں کئی کئی بار انہیں اپنا منہ بھی مٹی سے مانجھنا
پڑے۔ پھر ان کے برتنوں کے متعلق تو ایک لطیفہ بھی پڑھا تھا کہ:

لطیفہ

ایک صاحب کا کتا مر گیا۔ تو صاحب بہادر کا باورچی بہت رویا۔

صاحب نے وجہ دریافت کی کہ تم اتنا زیادہ کیوں رو رہے ہو؟ تو باورچی بولا!
صاحب! بات یہ ہے کہ کتا زندہ تھا تو باورچی خانہ کے آدھے برتن میں صاف
کرتا تھا اور آدھے یہ کتا صاف کر دیا کرتا تھا۔ اب روتا اس لیے ہوں کہ
سارے برتن مجھی کو صاف کرنا پڑیں گے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ یہ چاند سورج اور پہاڑ وغیرہ سب کچھ اللہ تعالےٰ
نے انسان کے لیے پیدا کئے ہیں۔ جو انسان بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے
کار لائے گا۔ وہ ان سے مستفید ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آج انسانوں نے
سمندروں کو چیر لیا۔ راستے بنا لیے۔ تہوں تک جا پہنچا۔ پہاڑوں کو توڑ
لیا۔ ہواؤں پر تیرنے لگا۔ بجلی کو تصرف میں لے آیا۔ یہ سب کچھ اسی انسانی
عظمت کے بروئے کار لانے کا نتیجہ ہے۔ اور یہ ہرگز کسی ارشاد خداوندی و
ارشاد مصطفوی کے خلاف نہیں۔ اسی طرح آج اگر انسان بقول امریکہ چاند پر
بھی جا پہنچا ہے۔ تو اس میں کوئی بات نہیں، جس سے مسلمان کے لیے کوئی تشویش
پیدا ہو۔ ہاں اس مبینہ واقعہ میں مسلمان کے لیے تازیانہ عبرت ضرور ہے کہ
تم نے اغیار کی صورت کی نقالی میں تو ایسی دوڑ لگائی کہ انہیں بھی پیچھے
چھوڑ دیا۔ لیکن ان کے غور و فکر کی طرف کوئی توجہ نہ دی کہ وہ ہمارے ہی
اصولوں کو پیش نظر رکھ کر مادی دوڑ میں آگے نکل گئے۔ اور تم اپنے ہی دین کا
مذاق اڑا کر نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے۔

بیکار کون؟

حضرات! یہ آج کل کا پڑھا لکھا طبقہ جو اپنے آپ کو ماڈرن
اور ترقی یافتہ کہتا ہے اور مولوی کو رجعت پسند کہتا نہیں
تھکتا اور جس کے فیشن میں مولوی کو برا کہنا بھی داخل ہے۔ ان کی زبان پر
یہ جملہ عام رہتا ہے کہ مولوی تو بیکار وجود ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔
اب یہ طبقہ اس بات کا جواب دے کہ یہ جو امریکہ والے چاند پر جا پہنچے
ہیں۔ تم پڑھے لکھے اور ترقی یافتہ ہو کر پیچھے کیوں رہ گئے؟ اور یہاں تمہاری

ترقی کیوں رک گئی؟ مولوی بے چارہ تو ہے ہی تمہاری نظر میں بے کار، مگر تم تو "باکار"، اور قوم کے لیے بڑے مفید تھے۔ لازم تو یہ تھا کہ تم اپنی اس ترقی کا ثبوت دیتے اور چاند پر پہنچ کر وہاں سے مولوی کو آواز دیتے کہ دیکھ لو یہ ہے ترقی کہ ہم کہاں سے کہاں سے پہنچ گئے اور تم ابھی تک حجرہ نشین ہی ہو، مگر اے مولوی کے خلاف بولنے والو! دیکھ لو جہاں مولوی ہے وہیں تم بھی ہو۔ پس اگر مولوی بے کار ہے تو باکار تم بھی نہیں ؎

ہم تو آشفتہ سری سے نہ سنورنے پائے
آپ سے کیوں نہ سنوارا گیا گیسو اپنا

ہوا کی سیر اور آسمانوں کا سفر

میرے بھائیو! یہ ہوا کی سیر اور چاند کو بھی پیچھے چھوڑ کر آسمانوں پر بھی جا پہنچنے کی مثال آج سے چودہ سو سال پہلے ہی قرآن و حدیث نے بیان فرما دی تھی۔ حضرت سلیمان کے تخت کا ہوا میں اڑنا اور مہینے بھر کی مسافت کو نصف دن میں طے کر لینا۔ حضرت عیسے علیہ السلام کا آسمان پر تشریف لے جانا اور پھر قیامت کے نزدیک زندہ واپس آجانا اور حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک اور پھر وہاں سے چاند و سورج اور ساتوں آسمانوں کو بھی پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جانا اور وہاں پہنچ جانا جہاں کسی کا وہم و خیال بھی نہ پہنچ سکے، اور پھر وہاں سے آناً فاناً واپس تشریف لے آنا مسلمان تو چودہ سو سال سے حقائق سنتا چلا آیا ہے۔

آج اگر اغیار نے انہی حقائق کو پیشِ نظر رکھ کر اپنے مادی وسائل سے چاند تک پہنچنے کی کوشش کی اور وہ کامیاب ہوئے۔ تو یہ ہماری ہی تاریخ کا فیض ہے اور یہ لوگ ہمارے پس رو ہی ہیں پیش رو نہیں آج ان لوگوں کا یہ دعوے کہ ہم چاند پر پہنچ گئے ہیں۔ ہمارے لیے باعثِ تشویش ہرگز نہیں بلکہ ہمارے عقاید و حقائق کی تائید و تصدیق کے لیے مفید ہے۔ ان کے اس

دعوے کو آج ہم حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے ہوا میں اڑنے۔ حضرت عیسے علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور پھر آسمان سے زندہ نزول فرمانے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعہ معراج شریف کی تائید میں پیش کر سکتے ہیں، اور اب اُن تمام شکوک و شبہات اور اعتراضات کا جو منکرین و ملحدین رفع الی السماء اور معراج شریف کے متعلق بڑے جوش و خروش سے پیش کیا کرتے تھے صرف اسی ایک واقعہ سے دندان شکن جواب دے سکتے ہیں۔

آج سے پہلے یہی سائنسدان معراج شریف اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا سن کر کہا کرتے تھے کہ کششِ زمین سے نکلنا ہی مشکل ہے، اور آج یہی لوگ خود اس کشش سے نکل جانے کے مدعی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کششِ زمین سے نکل کر زمہریری اور گرم کرّوں سے سلامتی کے ساتھ گزر کر بیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تقریباً تین لاکھ میل اور چاند کے مدار میں پہنچ کر چاند پر اُتر جانے اور پھر وہاں سے سلامتی کے ساتھ زمین پر واپس آجانے کے مدعیوں کے پاس اب ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معراج کے متعلق یہ مشہور اعتراضات قطعاً باقی نہیں رہے کہ

- کوئی جسم ثقیل اپنا مرکز زمین چھوڑ کر اوپر کیسے جا سکتا ہے؟
- لاکھوں کروڑوں میل کا سفر آناً فاناً کیسے طے ہو گیا؟
- اور حضور اس قدر دور دراز کا سفر طے کر کے سلامتی کے ساتھ واپس کیسے تشریف لے آئے؟ وغیرہا۔

چاند پر اتر جانے کے مدعی اپنے اس خلائی سفر کی جو روئداد بیان کرتے رہے اور جو مفصل اخبارات میں آتی رہی۔ اس پر یقین کر لینے کے بعد واقعہ معراج شریف اور رفع الی السماء پر کوئی عقلی اعتراض باقی نہیں رہ جاتا۔ راکٹ پر بیٹھ کر چاند پر اتر جانا ایک ایسا واقعہ ہے، جس سے مسلمان کے

معتقدات کی تائید خود اہل سائنس کی زبانی ہوگئی اور اپنی سائنس کا کمال دکھانے والوں نے خود ہی کمالاتِ اسلام کی تصدیق کر دی۔

آجکل کی ایجادات اور تائید معجزات

بھائیو! ہمارا دعوےٰ ہے کہ آج کل کی سائنس کی ایجادات سے اسلامی کمالات اور انبیاکرام علیہم السلام کے معجزات کی تائید ہونے لگی ہے۔ جو لوگ معجزات وکرامات پر اپنے عقلی شبہات پیش کیا کرتے تھے۔ ان ایجادات کے ہوتے ہوئے اب وہ معجزات وکرامات پر کس طرح اعتراض کر سکتے ہیں۔ درود شریف پڑھنے والے کی آواز کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دور سے سُن لینا ان لوگوں کی عقل میں نہیں آیا کرتا تھا۔ مگر ریڈیو نے ان کی تسلی کا سامان مہیا کر دیا، اور وہ یوں کہ لندن امریکہ اور اس سے بھی دور کی آواز اگر عام آدمی ریڈیو کے ذریعہ سے سن سکتا ہے تو اللہ کا محبوب صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت کے ذریعہ سے دور کی آواز کیوں نہیں سُن سکتا!

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہر میت کی قبر میں تشریف لانا ان عقل پرستوں کے لیے قابل اعتراض تھا، اور یہ کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دنیا بھر میں مرنے والوں کی ہر قبر میں حضورؐ تشریف لے آتے ہیں۔ اس کا جواب اللہ تعالےٰ نے خود انہی کے ہاتھوں ٹیلیویژن بنوا کر دے دیا کہ خود تم اپنی ایجاد ٹیلیویژن کے ذریعہ سے ملک بھر کے ہر اس گھر میں جہاں ٹیلیویژن کا سیٹ ہو۔ ایک ایکٹر کی تصویر اگر پہنچا سکتے ہو تو میں خدائے برتر و توانا دنیا بھر کے مرنے والوں کی ہر قبر میں اپنے محبوب کو کیوں نہیں پہنچا سکتا۔؟

بھائیو! اب یہ چاند پر جانے کا مبینہ واقعہ بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج پاک کا زبردست مویدہے، اور اب یہ لوگ کسی صورت بھی تو ہمارے حضور کے سچے واقعہ معراج اور اس کی تفصیل پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے ہم نے اخبارات میں پڑھا اور آپ نے بھی پڑھا کہ یہ راکٹ جس پر

امریکہ کے تین خلا باز بیٹھ کر گئے۔ ہزاروں ٹن وزنی اور دیو ہیکل بلند عمارت کی طرح ایک عظیم الجثہ مشینری کا مجموعہ تھا لاکھوں آدمی اس کی تیاری میں مصروف رہے۔ امریکہ کی ہر ریاست سے اس کے لیے کل پرزے اور دیگر سامان تیار ہو کے آتا رہا۔ اور کروڑوں کی تعداد میں اس کے اندر پرزے فٹ کئے گئے۔ خلا بازوں کا جو مخصوص لباس تھا۔ اس لباس کا اپنا وزن تقریبًا دوسو پونڈ تھا۔ ذرا غور کیجیے کہ اس قدر وزن دار راکٹ گویا ایک پہاڑ کا پہاڑ اپنے مرکز زمین کو چھوڑ کر اوپر چل دیتا ہے اور یہ لوگ واہ واہ پکار اٹھتے ہیں اور جہاں جہاں بھی اس اڑان کی خبر پہنچی سبھی عش عش کر اٹھے لیکن ہم اس بات پر خوش ہیں کہ یہ وہی لوگ ہیں جو ہمارے حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے شب معراج آسمانوں کی طرف تشریف لے جانے پر اپنی عقل کا یہ ڈھکوسلا پیش کرتے تھے کہ نہیں صاحب! ایک جسم اپنے مرکز زمین کو چھوڑ کر اوپر جا ہی نہیں سکتا۔ اب ہم انہی سے پوچھتے ہیں کہ کیوں صاحب! آپ کا اگر ایک "پہاڑ" اوپر جا سکتا ہے تو ہماری سرکار صلے اللہ علیہ وسلم کے اوپر تشریف لے جانے میں تمہیں اعتراض کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر کہو کہ وہاں تو لاکھوں سائنس دانوں کی محنت اور راکٹ کی صنعت کا کمال ہے۔ تو ہم کہیں گے کہ یہاں ایک اللہ کی بے پناہ قدرت اور نبوت کی عظمت کا کمال ہے۔ بولو بولو! کیا کہتے ہو؟

ہم نے اخبارات میں اس راکٹ کی رفتار کا عالم بھی پڑھا۔ آپ نے بھی پڑھا ہو گا کہ یہ راکٹ فی گھنٹہ بیس ہزار میل کی رفتار سے اڑا اور واپسی پر تو اس کی رفتار ۲۷ ہزار میل بھی ہوگئی تھی یہ تو ہوئی بقول تمہارے راکٹ کی رفتار۔ اب سنئے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے براق کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ حضور فرماتے ہیں۔ جہاں اس کی نظر پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا نہ

تھا براق نبی یا کہ نور نظر
یہ گیا وہ گیا وہ نہاں ہو گیا

ایک اور شعر سنئے ؎

برق سے تیز تر تھا براق آپ کا
کیوں کہ تھا عرش کو اشتیاق آپ کا
دیکھا جاتا نہیں ہے فراق آپ کا
جلد چلنا ردا آج کی رات ہے

کیوں صاحب! اپنے راکٹ کی ۲۰ ہزار میل تک رفتار بتانے والے کیا اب ہمارے حضور کے براق کی برق رفتاری پر اعتراض کر سکتے ہیں! ہرگز نہیں۔

ہم نے یہ بھی اخبارات میں پڑھا کہ قمری گاڑی کو اوپر پہنچانے کے لیے اس راکٹ کے تین حصے تھے۔ پہلے ایک حصہ چلا۔ اور کچھ دور اوپر جاکر وہ حصہ اپنا کام مکمل کر کے جدا ہو گیا۔ اور بحر الکاہل میں گر گیا۔ اس حصہ کے الگ ہونے ہی پھر ایک زبردست دھماکا ہوا اور دوسرا حصہ چل پڑا۔ اسی طرح کچھ دور اوپر جاکر ایک دھماکے کے ساتھ تیسرا حصہ چل پڑا۔ یہ دھماکے اتنے زبردست اور زور دار تھے کہ اندر بیٹھے ہوئے خلا باز اگر ان کی آواز سن پاتے یا اس کے دھکے کا اثر ان تک پہنچ جاتا تو وہ مر جاتے۔ مگر راکٹ بنانے والوں نے ان خلا بازوں کے لیے ان کی سیٹیں کچھ اس انداز سے بنائی تھیں کہ ان پر نہ کسی دھماکے کی آواز کا اور نہ ہی کسی دھکے کا اثر ہوا اور وہ ایسی ہر بات سے محفوظ رہے۔

بھائیو! آج اس قسم کی سیٹوں کا اعلان کرنے والے چودہ سو سال پہلے کے اس اعلان کو بھی سن لیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ شب معراج جب میرا براق روانہ ہوا تو راستے میں اگر کوئی اونچی جگہ آتی۔ تو میرے براق کی اگلی دو ٹانگیں چھوٹی اور پچھلی لمبی ہو جاتیں، اور اگر کوئی نیچی جگہ آجاتی تو اس کی اگلی ٹانگیں بڑی اور پچھلی چھوٹی ہو جاتیں۔ گویا خدا نے اپنے محبوب کے لیے ایسی سواری تیار فرمائی تھی کہ اگر کوئی اونچی نیچی جگہ آئے تو براق کی ٹانگیں چھوٹی بڑی

ہوتی رہیں مگر محبوب کی سیٹ برابر رہے۔

اے اپنی عجیب و غریب سیٹ منوانے والو! پہلے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اعجاز نما سیٹ پر ایمان لاؤ۔ پھر کوئی اور بات کرو۔ ہم نے پھر اخبارات میں یہ بھی پڑھا کہ زمین پر جو خلائی اسٹیشن قائم کیا گیا تھا۔ اس کے اسٹاف میں جو خلا بازوں کی صحت کے کنٹرولر ڈاکٹر تھے۔ وہ ڈاکٹر ہر وقت ان خلا بازوں کی صحت پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ حتےٰ کہ جب وہ خلا باز تقریبًا تین لاکھ میل دور چاند کے قریب بھی جا پہنچے۔ تو یہ ڈاکٹر زمین پر ان خلا بازوں کے دل کی دھڑکن کی آواز بھی سن رہے تھے۔ کہاں ہیں وہ جو سماعت نبوت کے قائل نہیں، اور جو کراچی سے صرف گیارہ بارہ سو میل دور مدینہ شریف میں ندائے یا رسول اللہ کی آواز پہنچ جانے کو نہیں مانتے اور یوں کہتے ہیں کہ نبی دور کی آواز نہیں سن سکتے۔ دُور کی آواز کا سننا تو بس "اللہ صاحب" کی شان ہے! یہاں اس موقعہ پر جب کہ تین لاکھ میل دُور سے دل کی دھڑکن کی بھی آواز سن لینے کا اعلان ہو رہا ہے تو یہاں کسی بھی تو "توحید پرست" کی طرف سے یہ فتوے شائع نہیں ہوا کہ نہیں صاحب! ایسا نہیں ہو سکتا۔ اتنی دور سے اور پھر دل کی دھڑکن کی بھی آواز سن لینا تو اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ یہاں تو یوں کہا گیا کہ کمال ہے بھئی! کمال ہے سائنس کا۔ تو اے سائنس کا کمال ماننے والو! نبوت کا کمال بھی تو مانو! دیکھو اللہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) خود اعلان فرما رہا ہے کہ

وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خُشُوْعُکُمْ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۲)

"خدا کی قسم مجھ پر تمہارا رکوع اور خشوع بھی پوشیدہ نہیں"

اس ارشاد میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے قسم فرما کر فرمایا ہے کہ مجھ پر خشوع بھی پوشیدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ خشوع دل کا فعل ہے تو گویا حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کے دلوں کی حالت بھی پوشیدہ نہیں اور نگاہِ نبوت دلوں پر بھی جا پڑتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم دل کی

باتیں بھی جان لیتے ہیں۔ امریکی خلا بازوں کے دلوں کی دھڑکنوں پر تین لاکھ میل دور
سے امریکی ڈاکٹروں کا مطلع ہوجانا اگر ہوسکتا ہے۔ تو خدا کے رسول صلے اللہ
علیہ وسلم کا دلوں کی باتوں پر مطلع ہوجانا کیوں ممکن نہیں؟

پھر ہم نے اخبارات میں یہ بھی پڑھا کہ امریکی خلا باز نے جب چاند
پر قدم رکھا تو زمین پر خلائی اسٹیشن کے کنٹرولروں نے اس قدم کی آواز
یہاں زمین پر سن لی۔

ہزاروں سلام اور کروڑوں درود اس نبی پاک صاحب معراج پر جس نے
آج سے چودہ سو سال پہلے حضرت بلال سے مخاطب ہوکر یوں فرمایا کہ اے بلال!
شب معراج جب میں جنت میں پہنچا۔ تو

اِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ ۔ (مشکوۃ ص ۱۱۸)

"تمہارے جوتوں کے چلنے کی آواز میں نے جنت میں سنی"۔

یعنی تم مکہ میں چل رہے تھے اور تمہارے چلنے سے جو آواز تمہارے جوتوں سے
پیدا ہوتی تھی۔ وہ میں جنت میں سن رہا تھا۔ سبحان اللہ! کیا شانِ سماعت ہے
ہمارا تو پہلے ہی اس حقیقت پر ایمان تھا لیکن جو منکر تھے، وہ لوگ اب تو مانیں۔
کیوں کہ ان کا امریکہ کہہ رہا ہے کہ چاند پر چلنے کی آواز ہم نے زمین پر سنی۔ اگر
یہ درست ہے۔ تو پھر کیوں درست نہیں کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے
زمین پر چلنے کی آواز جنت میں سن لی۔

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام

ہم نے اخبارات میں یہ بھی پڑھا کہ امریکی خلا باز جب چاند کے قریب
پہنچے تو ان کے خلائی لباس میں کچھ خرابی واقع ہوگئی۔ چنانچہ فوراً زمین کے
کنٹرولروں نے زمین پر بیٹھے بیٹھے ہی ان کا لباس درست کر دیا۔
اس سے قبل ہم اگر حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی یہ کرامت بیان کرتے

کہ آپ نے خود فرمایا ہے:

لَوِ انْکَشَفَتْ عَوْرَۃُ مُرِیْدِیْ بِالْمَشْرِقِ وَاَنَا بِالْمَغْرِبِ
لَسَتَرْتُھَا ۔ (بہجۃ الاسرار ص ۹۹)

"اگر میرے مرید کا ستر مشرق میں ننگا ہوجائے، اور میں مغرب
میں بھی ہوں گا تو اسے ڈھانپ دوں گا"۔

تو ایسے لوگ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ بھلا یہ بھی کہیں ہوسکتا ہے کہ
غوث اعظم مغرب میں ہوکر مشرق کے مرید کو ڈھانپ دیں۔ لیجئے صاحب!
اب تو مانیے۔ حضور غوث اعظم کی کرامت کا تعلق تو صرف زمین سے تھا۔
اور زمین ہی پر رہ کر مغرب سے مشرق تک کی رسائی کا سوال تھا۔ مگر امریکہ تو
اس نے بھی کہیں زیادہ زمین پر رہ کر لاکھوں میل اوپر خلا تک کا اپنی رسائی کا
اعلان کر رہا ہے۔ تو اے کرامتِ غوث کا انکار کرنے والو! اگر تمہارا امریکہ
زمین پر رہ کر لاکھوں میل دور اپنے خلا باز کا لباس درست کرسکتا ہے تو
اللہ کا ولی کیوں مغرب میں رہ کر مشرق کے مرید کا لباس درست نہیں کرسکتا؟

ہم نے اخبارات میں یہ بھی پڑھا کہ امریکی خلا باز جب چاند کے قریب
پہنچے تو راکٹ پیچھے رہ گیا اور چاند پر اترنے کے لیے قمری گاڑی نکل آئی۔ پھر
اس قمری گاڑی پر بیٹھ کر چاند پر اتر گیا۔

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے فرمایا تھا کہ میں
براق پر سدرۃ المنتہیٰ تک گیا۔ وہاں پہنچ کر براق پیچھے رہ گیا اور آگے جانے
کے لیے میرے لیے "رفرف" حاضر ہوگیا۔ فصلی اللہ علیہ وآلہ قدر عزوجہ وکمالہ۔

مریخ تک

حضرات! اخبارات میں اب یہ خبریں آنے لگی ہیں۔ کہ امریکہ
مریخ میں بھی دس سال تک پہنچ جائے گا۔ اور وہ بارہ آدمی
مریخ میں بھیجے گا۔ جو مہینہ بھر تک مریخ میں رہیں گے۔ اور ان کے جانے اور
آنے میں دو سال کا عرصہ لگے گا۔

بھائیو! حضرت عیسٰے علیہ السلام کا آسمان پر تشریف لے جانا اور ہزاروں سال وہاں قیام فرما کر پھر زمین پر واپس آجانا علماء کرام بیان کرتے تھے تو یہ لوگ اس پر بھی مذاق اڑایا کرتے تھے۔ کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک انسان آسمانوں پر چلا جائے۔ اور پھر واپس بھی آجائے۔ کئی بیباک لوگ تو یوں بھی کہتے تھے۔ کہ صاحب! عیسٰے علیہ السلام اتنا عرصہ کھاتے کیا ہوں گے۔ اور رفع حاجت کہاں کرتے ہوں گے وغیرہ۔

اب ایسے لوگ پہلے امریکہ سے پوچھیں کہ تمہارے وہ بارہ آدمی جو چھ کروڑ میل دور مریخ پر جائیں گے اور دو سال کے بعد واپس آئیں گے وہ اتنا عرصہ رہیں گے کہاں؟ کھائیں گے کیا؟ اور ہگیں گے کہاں؟ اگر تم کہو کہ جو انھیں بھیجے گا۔ وہ ان سب باتوں کا انتظام بھی کرے گا۔ تو اے دین کی ہر بات پر خواہ مخواہ کا اعتراض کرنے والو! وہ زبردست اور برتر و توانا ذات جس نے ساری کائنات کو پیدا فرمایا۔ وہ اگر اپنے ایک پیغمبر کو آسمان پر لے جائے۔ تو کیا اس نے اپنے پیغمبر کے لیے کوئی انتظام نہ کیا ہو گا؟ خوب یاد رکھو! اگر تمہارے بارہ آدمی چھ کروڑ میل دور مریخ پر جا سکتے ہیں اور پھر وہاں رہ بھی سکتے ہیں اور دو سال کے بعد پھر زندہ سلامت واپس بھی آسکتے ہیں۔ تو حضرت عیسٰے علیہ السلام بھی کروڑوں میل اوپر آسمان پر جا سکتے ہیں اور وہاں قیام فرما بھی ہو سکتے ہیں اور پھر حسب ارشاد نبوی قیامت کے نزدیک زندہ واپس بھی تشریف لا سکتے ہیں۔

روحانی طور پر ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی معراج پاک کو محض روحانی معراج اور آپ کا ایک خواب بیان کرتا ہے اور حضرت عیسٰے علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کو روحانی طور پر اٹھایا جانا کہتا ہے۔

یہ لوگ ذرا امریکہ کے بارے میں بھی یہ اعلان کر دیں کہ اے امریکیو!

تمہارے تین خلا باز جاگتے ہوئے تو چاند پر نہیں گئے۔ وہ تو انہیں ایک خواب آیا تھا اور بس اور یہ جو چھ کروڑ میل دور بارہ آدمی مریخ پر اٹھائے جانے والے ہیں محض روحانی طور پر اٹھائے جائیں گے ویسے رہیں گے وہ زمین پر ہی۔ بخدا ایسا اعلان یہ ہرگز نہ کریں گے۔ مگر کیا تماشا ہے کہ دین کے معاملہ ہی میں ان کے لیے ڈھیل ہے جو واہی تباہی چاہیں کہتے پھرتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔

ہاں تو بھائیو! جو لوگ آج امریکہ کے چاند پر پہنچ جانے پر بہت خوش ہیں اور اگر کوئی اسے نہ مانے تو اس پر پھبتیاں کستے ہیں ان کو سب سے پہلے یہ چاہیے کہ وہ یہ زور واقعہ معراج پر خرچ کریں اور جو معراج شریف کو نہیں مانتا اس پر پھبتیاں کسیں۔ اس لیے کہ واقعہ معراج کا تعلق خدا اور اس کے رسول سے ہے۔ معراج کا انکار خدا کی قدرت کا انکار ہے اور خدا کی قدرت کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ یہ فیصلہ شدہ بات ہے کہ حضور کے اسرا الی بیت المقدس کا انکار کفر اور سیر سماوات کا انکار بے دینی و الحاد ہے۔ مگر امریکہ کی سیر قمر کا انکار نہ کفر ہے نہ الحاد اور نہ بے دینی۔ پھر اس پر تو زور دینا اور اپنے مسئلہ معراج کو تاویلات کی نذر کر دینا کس قدر افسوسناک امر ہے۔

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ اگر امریکہ چاند پر گیا تو یہ کسی اسلامی ارشاد سے متصادم نہیں بلکہ جیسا کہ آپ سن چکے کہ اسلام کے نزدیک چاند و سورج کو انسان کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے، اور انسان کو کائنات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس لیے اسلام اس ترقی و عروج کا مخالف ہرگز نہیں۔ مگر اسلام ایسی ترقی کو ثانوی درجہ دیتا ہے۔ اولین درجہ مرنے کے بعد کی زندگی سنوارنے کا ہے۔ یعنی انسان پہلے اپنی روحانیت اور انسانیت کو بلند کرے۔ پھر اس کی تمام ترقیاں قابل قدر ہیں۔ ورنہ اگر وہ روحانی طور پر انحطاط میں ہو۔ اور انسانیت اس کی پستی میں ہو

تو پھر صرف جسم کا بلند کر لینا کوئی ایسا کمال نہیں جس پر صحیح معنوں میں اور حقیقی طور پر فخر کیا جا سکے۔

انسان اور انسانیت

خوب یاد رکھئے کہ اسلام کی یہ غرض و غایت نہیں کہ وہ ہمیں سمندروں کی تہ تک پہنچ جانے کی تراکیب بتائے یا کوہ ہمالیہ اور چاند پر چڑھ جانا سکھائے وہ تو چاند اور ساری کائنات کے خالق تک پہنچنے کی ہدایت فرماتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی آسائش و راحت کا انتظام فرماتا ہے اور بجائے اس کے کہ صرف انسان کو بلند کرے۔ وہ پہلے انسانیت کو بلند کرتا ہے۔

دو ہاتھ، دو پیر، دو کان، دو آنکھیں رکھنے والا انسان، انسان کہلاتا ہے۔ اور انسانیت نام ہے اچھے کردار اور بلند اخلاق کا دو ہاتھ۔ دو پیر۔ دو کان۔ دو آنکھیں ہر نیک و بد اور مسلم و غیر مسلم انسان رکھتا ہے لیکن انسانیت ہر انسان میں نہیں ہوتی۔ عرفان حق۔ بڑوں کا ادب۔ چھوٹوں پر شفقت، غریبوں مسکینوں، اور بے کسوں نہتوں پر رحم۔ مخلوق خدا سے پیار۔ تواضع و انکسار وغیرہ صفات کا نام انسانیت ہے۔ ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس وقت انسانیت انتہائی پستیوں میں پڑی ہوئی تھی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انسان کی اس انسانیت کو پستیوں سے نکال کر بلندیوں پر پہنچایا اور فرمایا:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاق

یعنی میں اس لیے تشریف نہیں لایا کہ صرف انسان کو بلند کر دوں اور اسے آسمان پر بٹھا دوں، بلکہ اس لیے تشریف لایا ہوں کہ انسان کی انسانیت بلند کر دوں اور اسے صحیح معنوں میں انسان بنا کر چاند تو کیا۔ خالق چاند تک پہنچا دوں۔

آج ہے اے پست انساں کس طرف تیرا خیال
چاند سے ہے دور کوسوں منزل اہل خیال

آج ان سائنسدانوں کو یہ سمجھائے کوئی
آج اسے معراج ان کو یہ تو بتائے کوئی
مہر عالمتاب بن کر جگمگاتا ہے اگر
چاند کیا ہے چاند سے بھی دور جانا ہے اگر
حاضری دو ماہ طیبہ کے حسیں دربار میں
سر جھکا دو سرور کونین کی سرکار میں
منزل معراج انساں کا پتہ چل جائے گا
چاند کیا ہے ان کے ملنے سے خدا مل جائیگا

بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ قابل قدر اگر بلندی ہے تو انسانیت کی۔ نہ کہ صرف جسم انسان کی۔ ایک انسان اگر کوہ ہمالیہ کی بلندیوں پر بیٹھ کر زنا کرتا ہے شراب پیتا ہے۔ حیوانوں کی طرح ننگا رہتا ہے یا ہوائی جہاز پر بیٹھ کر بلندیوں سے نہتوں پر بم برساتا ہے۔ مخلوق خدا کی ہلاکت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ بچوں کو یتیم عورتوں کو بیوہ کرنے کے لیے کوشش کرتا ہے۔ شہروں قصبوں کو قبرستانوں کی شکل میں بدل دینے کے جتن کرتا ہے۔ اللہ کی مخلوق کو تباہ و برباد کر کے خوش ہوتا ہے اور اُسے اپنی کامیابی تصور کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ایسا برائے نام انسان اگرچہ دیکھنے میں بلند نظر آتا ہے مگر اس کی انسانیت ذلت کی انتہائی پستیوں میں گری ہوئی ہے۔ ایسا انسان اگر چاند پر بھی پہنچ جائے تو کیا فائدہ؟ جب کہ انسانیت اس کی پست ہے۔ ذرا ویٹ نامیوں ہی سے پوچھ لیا جائے کہ دن رات ان پر بم برسا کر ان کے سکھ چین کو برباد کر دینے والے ان کے بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بیوہ اور شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دینے والے اگر چاند پر بھی پہنچ گئے۔ تو یہ کیا کمال ہے۔ انسانیت تو مجروح ہو رہی ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ انسان امن و عافیت کے چاند پر قدم رکھے۔ خود بھی امن و عافیت سے رہے اور دوسروں کو بھی چین لینے دے۔

یہ کام اگر کر کے دکھایا ہے تو حضور سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے۔ اور خوش بخت ہیں وہ لوگ جو حضور کے دامن سے وابستہ ہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ط

سینتالیسواں وعظ

اسلامی ارشادات
اور
سائنس کے انکشافات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ط اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ہ (پ ۴ ع ۵)

"اور دوڑو اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف

جو چوڑان میں سب زمین و آسمان آجائیں، پرہیزگاروں کے لیے تیار رکھی ہے۔"

حضرات! آج میرے بیان کا عنوان نرالا ہے "اسلامی ارشادات اور سائنس کے انکشافات" مجھے آج کے جدید انکشافات کا ذکر کرکے یہ بات ثابت کرنی ہے کہ آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے جو بات خدا نے اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ آج کل کے یہ جدید انکشافات ہمارے ان اسلامی ارشادات کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔

عقل کی بات

میرے بھائیو! پہلے "عقل کی بات" والوں کا ذکر کرلوں آج کل کے "عقلمند" اکثر یہ بات کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ صاحب! جو بات عقل میں نہ آئے اسے ہم کیسے مان لیں۔ چنانچہ ایسے لوگ جو دراصل دین و مذہب سے بیزار ہوتے ہیں۔ معجزات اور بہت سے اسلامی معتقدات کا اسی خیالِ خام سے انکار کر دیتے ہیں کہ

"یہ بات ہماری عقل میں نہیں آتی"

انکارِ حدیث کا محرک بھی دراصل یہی خیالِ باطل ہے کہ احادیث میں بہت سی باتیں خلافِ عقل ہیں اور خلافِ عقل باتیں قابلِ تسلیم نہیں۔ میرے بھائیو! یہ عقل میں آنے کا معیار ان لوگوں کا کوئی نیا معیار نہیں۔ قرآن پاک نے بتایا ہے کہ آج سے پہلے بھی ایسے لوگوں کا جو خدا کے پیغمبر پر ایمان لانا نہیں چاہتے تھے۔ یہی معیار رہا ہے۔ اور وہ یہی بات کہتے رہے ہیں کہ یہ جو پیغمبر اپنی باتیں منوانا چاہتا ہے۔ اس کی یہ باتیں تو ہماری عقل میں نہیں آتیں۔ چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو درسِ توحید دیا اور برے کاموں سے روکا تو منکروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے

یہی جملہ کہا تھا:

مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ

"تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں"

گویا حضرت شعیب علیہ السلام کے فرمودات کا انکار انہوں نے اسی لیے کیا تھا کہ ان میں بہت سی باتیں ان کی عقل میں نہیں آتی تھیں۔

دراصل عقل کو معیارِ حق بنا لینا ہی کوئی عقل کی بات نہیں کیونکہ آجتک خود عقل کا معیار ہی قائم نہیں ہو سکا، اور اگر کوئی قائم ہوا بھی تو چند دنوں سے زیادہ قائم نہ رہ سکا۔ فلسفۂ جدید اور قدیم کی تاریخیں پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ جو معیارِ عقل آج قرار دیا گیا کل اس کو لغو اور غلط بتایا گیا اور کل تک جو چیزیں ناممکن سمجھی جاتی رہیں، آج ان کو ہم اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔

معلوم ہوا کہ محض عقل کو سامنے رکھ کر رد و قبول کو اپنا لینا کوئی عقل کی بات نہیں جو واقعی عقلِ سلیم کا مالک ہے وہ ہرگز ایسا نہ کرے گا۔ بلکہ وہ خدا اور رسول کے ارشادات کے آگے جھک جائے گا، اور اقرار کرے گا کہ جن باتوں کو خلافِ عقل کہہ دیا جاتا ہے۔ وہ خلافِ عقل ہرگز نہیں۔ بلکہ خود عقل کا یہ قصور ہے اور ان حقائق تک اس کی نارسائی کا ظہور ہے۔ ورنہ حقائق حقائق ہی ہیں۔

خدا اور رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ارشادات

بھائیو! مسلمان کے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ یہ بات خدا نے یا اس کے رسول نے فرمائی ہے۔ جہاں خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا نام آئے۔ بس وہیں سرِ تسلیم خم ہو جانا چاہیے اور عقلی ڈھکوسلوں کا وہاں مطلقاً کوئی ذکر نہ ہونا چاہیے ؎

یاد رکھ تو پیرِ رومی کا کہا
عقل قرباں کن بہ پیشِ مصطفےٰ

مگر افسوس! کہ آج مادر پدر آزادی کے دور میں دین کی ہر بات پر کہا جاتا ہے کہ صاحب! پہلے ہمیں یہ بات عقلی دلیل سے سمجھائیے۔ ورنہ ہم محض سنے سنائے ماننے کے لیے تیار نہیں۔

لطیفہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار کسی روشن خیال جنٹلمین نے مجھ سے یہی بات کہی تھی کہ مولوی صاحب یہ زمانہ بڑا ترقی یافتہ ہے اور اب کوئی بات ایسی نہیں۔ جو مشاہدہ کی زد سے باہر ہو۔ اب آپ محض سنی سنائی باتوں پر یقین دلوانے کی کوشش نہ کیجئے۔ کوئی بات پیش کریں۔ تو اسے عقلی دلیل سے ثابت بھی کیجئے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اچھا صاحب! اگر یہی بات درست ہے اور سنی سنائی ہر بات قابلِ تسلیم نہیں تو پھر فرمائیے! آپ کے جو والد صاحب ہیں۔ کیا واقعی آپ انہی کے بیٹے ہیں؟ ذرا سوچ کر جواب دیجئے کہ آپ جو بڑے یقین کے ساتھ اپنے والد کو ہی اپنا والد سمجھتے ہیں اور انہیں ابا جان کہتے ہیں۔ کیا اس بات پر کہ وہی آپ کے والد صاحب ہیں اور آپ انہی کے بیٹے ہیں۔ آپ کے پاس کوئی دلیل ہے؟ اس مشاہدہ کے زمانہ میں آپ کا اپنے والد کا بیٹا ہونا آپ کے مشاہدہ کی زد میں آیا ہے؟ اگر نہیں تو پھر آپ نے جو اپنے والد کو اپنا والد مانا، صرف اسی لیے نا۔ کہ آپ کی والدہ نے بتایا کہ بیٹا یہ تمہارے والد ہیں۔ انہیں ابا جان کہو۔ یہ بات ماں نے بتائی اور دوسرے عزیزوں نے بھی کہ تمہارے والد یہ ہیں۔ چنانچہ ماں سے اور اپنے دوسرے عزیزوں سے سنکر گویا سنی سنائی بات پر عمل کر کے بغیر کسی مشاہدہ اور دلیل کے آپ نے مان لیا کہ یہ میرے والد ہیں۔ اور میں ان کا بیٹا ہوں۔ اسی طرح دین کے معاملہ میں بھی مسلمان کے لیے اس کا رسول امیؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہی سب کچھ ہے۔ جو وہ فرما دے۔ بس وہ حق ہے اور درست ہے، ماں کی بات تو غلط بھی ہو سکتی ہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بات غلط ہو ہی نہیں سکتی۔

ہاں تو میرا مقصد یہ ہے کہ آج کل اپنی عقل کے علمبردار جو اسلامی ارشادات
پر مختلف اعتراضات کیا کرتے تھے وہ خود اپنے ہی جدید انکشافات سے
اسلامی ارشادات کی تائید کرنے لگے ہیں اور میرا دعوٰے ہے کہ ان دنوں
جو نئے انکشافات کا اعلان ہو رہا ہے۔ یہ ہمارے اسلامی ارشادات
کی سو فی صدی تائید ہو رہی ہے اور ہم خوش ہیں کہ یہ لوگ جو کل تک اسلام
کے ارشادات کو ہدفِ طعن بنایا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ یہ بات
تو عقل میں نہیں آتی۔ آج خود ایسی ایسی باتوں کے انکشافات کا اظہار کر رہے
ہیں، کہ جن کے پیشِ نظر اب یہ اسلام کی کسی بات پر کوئی اعتراض کر ہی نہیں
سکتے۔ مجھے آج اسی حقیقت کا کچھ بیان کرنا ہے۔

آپ نے قرآن پاک کی آیت کریمہ سنی۔ خدا تعالےٰ نے اس آیت کریمہ
میں اپنی بخشش اور جنت کی طرف دوڑنے کا ارشاد فرمایا ہے اور جنت کی
وسعت فرماتے ہوئے فرمایا کہ:

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

"جس کی چوڑان میں سب آسمان وزمین آجائیں۔"

اللہ اکبر! یہ وسعت ہے جنت کی، کہ یہ سارے آسمان اور زمین اس کی
چوڑان میں سما جائیں۔

خدا کی دعوت

بھائیو! پہلے تو آپ خدائے کریم کی اس دعوت پر توجہ
فرمایئے کہ وہ ہمیں اپنی مغفرت اور اپنی جنت کی طرف
بلا رہا ہے۔ پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ اگر ہم اللہ تعالےٰ کی اس
دعوت کو قبول نہ کریں اور اس محدود دنیا اور اس کی فانی نعمتوں میں ایسے
منہمک ہو جائیں کہ آخرت کی نعمتیں یاد ہی نہ رہیں، اور ان کے لیے کوئی کوشش
نہ کریں۔ حضرات! خوب یاد رکھئے! کہ خدا کی مغفرت اور اس کی جنت پانے
کے لیے ہمیں لازم ہے کہ اس دنیا میں رہ کر ہم گناہوں کے انبار سے بچیں۔ یہ

بات ظاہر ہے۔ کہ جتنا بوجھ زیادہ ہو، اتنا ہی چلنا دشوار ہو جاتا ہے اور خدا
تعالےٰ تو ہمیں جنت کی طرف دوڑنے کا حکم فرما رہا ہے۔ پھر اگر گناہوں کے
انبار لگے ہوں تو جنت کی طرف دوڑنا کیوں مشکل نہ ہوگا۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا ایک
واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں: لوگوں نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے پوچھا۔
حضرت! اس کا سبب کیا ہے؟ کہ آپ پانی پر چل سکتے ہیں اور ہم بغیر کشتی
کے نہیں چل سکتے فرمایا "تمہارے دلوں میں چاندی سونے کی محبت کا بوجھ
ہے اور میرے دل میں نہیں"

اسی طرح یاد رکھئے کہ گناہوں کا بوجھ اگر ساتھ ہوا تو پھر جنت کی طرف
چلنا مشکل ہے۔ اس لیے ہمیں گناہوں سے اجتناب کر کے جنت کی طرف
دوڑنا چاہیے۔

حکایت

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے
تو راستے میں آپ نے ایک امیر شخص کو دیکھا۔ جو زرق برق اور
معطر لباس پہنے اپنے خدام وموالی کے ساتھ بادشاہ کے دربار میں جا رہا تھا۔
حضرت حسن بصری نے اس امیر آدمی کو مخاطب فرما کر فرمایا کہ اے امیر شہر! تو
کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا: میں بادشاہ کے دربار میں جا رہا ہوں۔ آپ
نے فرمایا ذرا غور کر کہ تو نے جو یہ شاندار اور معطر لباس پہنا ہے۔ صرف اس
لیے کہ بادشاہ کے دربار میں حضوری کے وقت تو پھٹے پرانے بوسیدہ اور
بدبودار لباس سے شرمندہ نہ ہو۔ حالاں کہ بادشاہ بھی تیری طرح ایک انسان
ہے۔ اب سوچ تو کہ یہ گناہوں کی کثرت اور نافرمانی کی گندگی سے جو تو نے اپنی
روح کو ملوث کر رکھا ہے تو کل قیامت کے روز انبیاء وصالحین کے درمیان
احکم الحاکمین کے دربار میں حاضری دیتے وقت کیا تم شرمندہ نہ ہوگے۔
امیر آدمی پر اس کلام کا بڑا اثر ہوا، اور اس نے حضرت حسن بصری علیہ الرحمۃ

کی بیعت کر لی اور اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مشغول ہو گیا۔ (درۃ الناصحین صـ۲۲۲)

بھائیو! یہ حکایت ہم سب کے لیے سبق آموز ہے اور اس سے ہمیں یہ حقیقت معلوم کر لینی چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کی بارگاہ اور اس کی جنت میں جانے کے لیے ہمیں لازم ہے، کہ ہم نیک اعمال کی خوشبو سے اپنی روح کو معطر کر لیں اور اخلاقِ حسنہ سے اپنے آپ کو مزین کر لیں اور گناہوں کی بدبو اور گندگی سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں۔ تاکہ اللہ تعالےٰ کے حضور شرمندگی سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ دیکھئے آپ اپنی بیٹھک کے اندر داخل ہونے ہی کی اجازت نہیں دیتے۔ پھر اگر ہم گناہوں کی نجاست سے آلودہ خدا کی جنت کی طرف بڑھے تو کیا ہمیں اس حالت کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل سکے گی؟ تو لازم ہے کہ ہم جنت میں جانے کے لیے گناہوں اور نافرمانیوں سے صاف ستھرے ہو کر تیار رہوں۔ اسی لے خدا تعالےٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ:

أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ط

"یعنی جنت پرہیز گاروں کے لیے تیار رکھی ہے۔"

جنت کی وسعت

بھائیو! خدا تعالےٰ نے جنت کی وسعت بیان فرماتے ہوئے فرمایا ہے:

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ.

"جس کی چوڑان میں سب آسمان اور زمین آجائیں"

اللہ اکبر! جنت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ سارے آسمان اور زمین اس کی چوڑان میں سما جائیں۔ اللہ تعالےٰ نے ہمیں جنت کی وسعت سمجھانے کے لیے آسمانوں اور زمین کا اس میں سما جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ کیوں کہ ہم سب سے زیادہ وسیع جو چیز دیکھی ہے۔ وہ آسمان اور زمین ہے۔ اور یہ اللہ تعالےٰ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں کہ وہ جنت کو اس قدر وسعت

دے دے کہ سارے آسمان اور زمین اس کی چوڑان میں سما جائیں۔ ذرا اندازہ کیجیے۔ جنت کی وسعت کا کہ ساتوں آسمان اور زمین کے طبقے ساتھ ساتھ جوڑ دیئے جائیں اور سب کا ایک پرت بنا کر جنت کی چوڑان میں رکھا جائے تو یہ سارا پرت اس میں سما جائے اور پھر یہ کہ یہ بیان صرف جنت کی چوڑان کا ہے۔ اور ظاہر ہے، کہ عرض سے طول یعنی چوڑان سے لمبائی یقیناً بڑی ہوتی ہے۔ پھر جس کی چوڑان کی وسعت کا یہ عالم ہے۔ کہ سارے آسمان اور زمین اس میں سما جائیں تو اس کی لمبائی کا تو کیا ہی ٹھکانا ہے۔

حدیث شریف

حضرات! جنت کی وسعت کا عالم یہ تو قرآن نے بیان فرمایا ہے۔ اب آیئے! چند ایک احادیث سنئے: اور جنت کی وسعت کا اندازہ کیجیے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِىْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا۔ (مشکوٰۃ شریف صـ۴۹۵)

"جنت میں ایک ایسا درخت ہے۔ جس کے سایہ میں سوار آدمی سو سال تک بھی چلتا رہے تو اُسے طے نہ کر سکے"

اندازہ فرمایئے! کہ وہ کتنا بڑا درخت ہوگا اور جس گھر میں یہ درخت ہوگا؟ اس گھر کی وسعت کا کیا عالم ہوگا!

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

فِی الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ط وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَاهَا دَرَجَةً

(مشکوٰۃ شریف صـ۴۹۸)

"جنت میں سو درجے ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان، اور سب سے اونچا

درجہ جو ہے اس کا نام فردوس ہے۔"

سبحان اللہ! اتنی بڑی وسعت کہ اس کے درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے درمیان جتنا فاصلہ ہے اور ایسے درجے اس میں پورے سو ہیں۔

ایک اور حدیث سنئے:۔

مَا بَيْنَ مِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ مَسِيْرَةُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَلَيَاْتِيَنَّ عَلَيْهَا يَوْمٌ وَهُوَ كَظِيْظٌ مِّنَ الزِّحَامِ۔

(مشکوٰۃ شریف ص۴۸۹)

"جنت کی جوانب میں سے دو جانبوں کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کے سفر کے برابر ہے اور ایک دن ایسا آئے گا جب کہ یہ سب جوانب کی جگہیں لوگوں کی کثرت سے بھر جائیں گی۔"

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ اَنَّ الْعَالَمِيْنَ اجْتَمَعُوْا فِيْ اِحْدٰهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ۔ (مشکوٰۃ ص۴۸۹)

"جنت میں سو درجے ہیں۔ اگر سارے عالموں والے اس کے ایک درجے ہی میں جمع لئے جائیں۔ تو اس میں سما جائیں۔"

اَلْعَظَمَةُ لِلّٰهِ! جنت کا صرف ایک درجہ اس قدر وسیع ہوگا کہ ایک عالم نہیں بلکہ جس قدر بھی عالم یعنی جس قدر بھی جہان ہیں۔ ان سب جہانوں والے اگر اس ایک درجہ میں جمع ہو جائیں۔ تو وہ ایک درجہ ہی ان سب کے لیے کافی ہوگا۔

جنت کا دروازہ

میرے بھائیو! اب ایک اور حدیث سنئے جس میں جنت کے دروازے کی وسعت کا بیان ہے ظاہر ہے کہ دروازے کی وسعت جس قدر زیادہ ہوگی۔ اسی کے مطابق مکان کی بھی وسعت ہوگی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بَابُ اُمَّتِيَ الَّذِيْنَ يَدْخُلُوْنَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهُ مَسِيْرَةُ الرَّاكِبِ الْمُجَوِّدِ ثَلٰثًا ثُمَّ اِنَّهُمْ لَيُضْغَطُوْنَ عَلَيْهِ تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۹)

"جنت کا دروازہ جس سے میرے امتی جنت میں داخل ہوں گے۔ اتنا چوڑا ہوگا کہ اس کی چوڑان تین سال کی مسافت کے برابر ہوگی۔ باوجود اس کے جب میری امت اس سے گزرنے لگے گی تو وہ ان کی کثرت کے باعث ان پر تنگ ہو جائے گا، اور بھیڑ کی وجہ سے ان کے کندھے ٹلنے کے قریب ہو جائیں گے۔"

یعنی کندھے سے کندھا بھڑے گا، اور اس قدر اژدہام اور ہجوم ہوگا کہ اتنا بڑا دروازہ ان کے لیے تنگ ہو جائے گا۔ اندازہ فرمایئے کہ جس جنت کا دروازہ اتنا وسیع ہے۔ وہ جنت خود کتنی وسیع ہوگی!

سوادِ اعظم

میرے بھائیو! ایک بات یہاں اور بھی سمجھ لیجئے کہ یہ اژدہام اور بھیڑ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت کے افراد سے ہی ہو سکے گی اور اگر سوادِ اعظم ہی کو مشرک و بدعتی اور گمراہ کہہ دیا جائے۔ تو غور فرمایئے کہ اتنی بڑی جنت اور اس کے اتنے بڑے دروازے میں یہ کثرتِ ہجوم اور بھیڑ کیا ان مٹھی بھر لوگوں سے پیدا ہو سکے گی۔ جن سے ان کی اپنی چھوٹی چھوٹی مسجدیں بھی پُر نہیں ہو سکتیں پچھلی ایک حدیث سے آپ معلوم کر چکے کہ جنت کی دو جانبوں کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کی مسافت کے برابر ہوگا، اور ایک دن ایسا آئے گا کہ لوگوں کی کثرت سے جنت کی ساری جانبوں کے درمیانی مقامات بھر جائیں گے۔ بھائیو اگر یہ جلوس میلاد شریف نکالنے والے اور نعرہ ہائے رسالت لگانے والے کروڑوں مسلمان۔ گیارہویں دینے والے اور انگوٹھے چومنے والے کروڑوں

مسلمان۔ گیارہویں دینے والے اور انگوٹھے چومنے والے کروڑوں اہلِ ایمان اور ائمہ دین کے مقلدین کروڑوں مسلمان، اگر یہی مشرک و بدعتی قرار دے دیئے جائیں تو پھر اتنی بڑی جنت جس میں زمین و آسمان بھی سما جائیں۔ ہرگز ہرگز بھری نہ جاسکے گی۔ اس جنت میں رونق اسی وقت لگے گی۔ جب کہ سوادِ اعظم کے گروہ درگروہ اس میں داخل ہوں گے اور سوادِ اعظم ہی اس ارشاد کا مصداق بنے گا۔

كَظِيظٌ مِنَ الزِّحَامِ

"یعنی جنت کی سب جگہیں لوگوں کی کثرت سے بھر جائیں گی"

جدید انکشاف

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! قرآن و حدیث کے ارشادات پر ہمارا تو ایمان تھا ہی مگر بعض وہ لوگ جو اپنی محدود عقل ہی کو سب کچھ سمجھتے تھے۔ ان ارشادات کو سن کر انکار کے چکر میں پھنس جاتے تھے اور جنت کی اس قدر وسعت کا سن کر ان کی یہ محدود عقل چکرانے لگتی تھی۔ آج خود ہی یہ لوگ اپنی سائنس کے ذریعہ سے ایسے ایسے انکشاف کرنے لگے ہیں کہ اب وہ اسلامی ارشادات کا کسی صورت انکار کر ہی نہیں سکتے۔

پچھلے دنوں چاند پر پہنچنے کے سلسلہ میں ایک سائنس دان کا مضمون اخبارات میں پڑھا گیا کہ خلاء کی وسعت کا کوئی اندازہ نہیں۔ اس خلا میں کھربوں کی تعداد میں سیارے ہیں۔ چاند سورج اور مریخ و مشتری وغیرہ سیارے تو قریب کے سیارے ہیں۔ ان کے علاوہ کھرب در کھرب میلوں اور کھربوں کی تعداد میں اور بھی سیارے موجود ہیں۔ بعض سیاروں کی دوری کی مسافت سیارہ ڈائجسٹ لاہور شمارہ اگست ۶۹ء کے صفحہ ۱۲۷ پر اس طرح بیان کی گئی ہے۔

"سورج ہم سے صرف ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہے جبکہ

قریب ترین ستارے بھی کھربوں میل کے فاصلے پر ہیں۔ ایک لاکھ چھیاسی ہزار (۱۸۶۰۰۰) میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سورج کی روشنی ہم تک ۸ منٹ میں پہنچتی ہے۔ لیکن قریب ترین ستارہ بھی اتنا دور ہے۔ کہ اس کی روشنی کو زمین تک پہنچنے میں ساڑھے چار سال لگ جاتے ہیں۔ ۱۰ ہزار میل فی گھنٹہ چلنے والا راکٹ ستر ہزار (۷۰۰۰۰) سال بعد اس ستارے تک پہنچ سکتا ہے"

اس جدید انکشاف کو سامنے رکھ کر اندازہ کیجئے کہ سورج کی روشنی نو کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور سے زمین تک ۸ منٹ میں پہنچ جاتی ہے۔ اندازہ کیجئے اور خوب سمجھ سوچ کر تاکہ خلا کی بے پناہ وسعت کا پتہ چل سکے۔ پھر جس ستارے کی روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے زمین تک ساڑھے چار سال کے بعد پہنچ سکے۔ وہ ذرا سوچئے تو سمجھی کہ کس قدر دور ہوگا، اور پھر یہ کہ یہ ستارہ دوسرے کھربوں ستاروں سے قریب ترین ستارہ ہے اور جو ستارے اس سے بھی آگے ہیں۔ ان کی دوری کو خدا ہی جانے یا اس کی عطا سے اس کا رسول صلے اللہ علیہ وسلم۔

میرے بھائیو! اس جدید انکشاف کو سامنے رکھئے اور تصور میں خلاء کا منظر لائیے کہ اس خلاء میں کھربوں ستارے ایک دوسرے سے کھرب در کھرب میل اوپر چمک رہے ہیں، اور پچھلی حدیث پھر پڑھئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں سو درجوں کا فرما کر فرمایا ہے کہ جنت کے ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے، اور پھر حضور نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان درجوں میں داخل ہونے والے جنتیوں کی شان یہ ہوگی کہ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

ثم الذين يلونهم كأشد كوكب دري في السماء
(مشکوٰۃ شریف ص۴۸۸)

"جنتی جنت میں داخل ہوں گے تو ان کی صورتیں، چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی۔ پھر جو ان کے ساتھ ملے ہوں گے یعنے دوسرے درجہ میں ہوں گے وہ یوں چمکتے نظر آئیں گے جس طرح آسمان میں بے حد چمکنے والا ستارہ نظر آتا ہے۔"

دوسری جگہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَتَرَاءَوْنَ اَهْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِهِمْ كَمَا تَتَرَاءَوْنَ الْكَوْكَبَ الدُّرِّيَّ (مشکوٰۃ شریف صفحہ مذکور)

"جنت والے اپنے سے بلند درجے والوں کو بلندی پر یوں دیکھیں گے جیسے تم چمکتے ہوئے ستارے کو دیکھتے ہو۔"

آج کل کی سائنس نے خلاء کے جس نقشے کا انکشاف کیا ہے کہ اس کھرب در کھرب میلوں وسیع خلاء میں کھربوں ستارے ایک دوسرے کے اوپر چمک رہے ہیں۔ اس نقشے کو سامنے رکھیے۔ اور پھر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ سراسر حق آمیز جنت کا نقشہ سامنے لائیے کہ آسمانوں اور زمین سے بھی کہیں وسیع تر جنت کی بے پناہ وسعت میں جنتی چاند اور ستاروں کی مانند حسب مراتب ایک دوسرے کے اوپر چمکتے نظر آرہے ہیں جنت کی وسعت اور اس کے کھربوں کی تعداد میں چمکتے ہوئے جنتی ستاروں کی حقیقت کی تائید آج اس جدید انکشاف نے کر دی۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جنت کے دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کے درمیانی فاصلہ کے برابر ہے اور یہ کہ جنت کی دو جانبوں کا درمیانی فاصلہ چالیس سال کی مسافت کے برابر ہے۔ ان ارشادات کی تائید اس جدید انکشاف سے ہو رہی ہے کہ قریب ترین

ستارہ بھی خلاء میں اتنی دور واقع ہے کہ

"۱۰ ہزار میل فی گھنٹہ چلنے والا راکٹ ستر ہزار سال بعد اس ستارے تک پہنچ سکتا ہے۔"

ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اگر دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ چالیس سال کی مسافت کا فاصلہ بیان فرمایا ہے۔ تو اس فاصلہ کا اب وہ لوگ کس طرح انکار کر سکتے ہیں۔ جو خود ایک قریب ترین ستارے کا بعد ستر ہزار سال کی مسافت تک کا بتا رہے ہیں۔

پھر سرعت رفتار کا یہ عالم کہ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور سے روشنی زمین پر آتے ہوئے ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے آتی ہے۔ ذرہ اندازہ کیجئے کہ ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل کا سفر۔ اس کے بعد ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے براق کی رفتار اگر یہ بیان فرمائیں۔

يَضَعُ خُطْوَهُ عِنْدَ اَقْصٰى طَرْفِهٖ (مشکوٰۃ شریف ص۵۱۹)

"براق کا قدم وہاں پڑتا جہاں تک اس کی نظر پہنچتی۔"

مثلاً زمین سے اس کی نظر آسمان تک پہنچی تو زمین سے پہلا قدم اس کا آسمان پر جا پہنچا۔ تو براق کی اس برق رفتاری کا انکار کیسے ہو سکتا ہے۔

بھائیو! ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار کا انکشاف کرنے والے ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے براق کی اس برق رفتاری کا انکار کیسے کر سکتے ہیں۔

وسعت کی بات

اب رہی جنت کی وسعت کی بات کہ خدا تعالےٰ نے اس کی چوڑان میں آسمانوں اور زمین کے سما جانے کا ارشاد فرمایا ہے۔ تو اس حقیقت کی تائید کے لیے سائنس کا ایک انکشاف ملاحظہ فرمائیے۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور، شمارہ اگست ۱۹۶۹ء کے صفحہ ۲۶ پر

سورج کے متعلق لکھا ہے:

"سورج ایک بہت بڑا فٹ بال ہے۔ اتنا بڑا کہ اس میں ۱۳ لاکھ زمینیں سما جائیں۔ اگر سورج کے آر پار سوراخ کیا جاسکے تو اس کی لمبائی ۸ لاکھ ۶۴ ہزار میل ہوگی۔ سورج کی جسامت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والے طیارے کو سورج کے گرد چکر لگانے میں چھ مہینے لگ جائیں گے"

خدا تعالیٰ کے ارشاد کہ "جنت کی چوڑان میں آسمان و زمین سما جائیں" کی تائید خود سائنس نے کر دی کہ یہ سورج جو ایک کھربوں سیاروں میں سے ایک سیارہ ہے۔ اس کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ اس میں تیرہ لاکھ زمینیں سما جائیں۔ تو پھر جنت کی اس وسعت کا کہ اس میں آسمان و زمین سما جائیں کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

ہاں تو بھائیو! میں کہہ رہا تھا کہ آج کل کی سائنس نے یہ انکشاف کیا ہے کہ سورج اتنا بڑا ہے۔ اتنا بڑا کہ اس میں تیرہ لاکھ زمینیں سما جائیں۔ پھر خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کہ

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

"جس کی چوڑان میں سب آسمان و زمین سما جائیں"

کوئی کیسے جھٹلا سکتا ہے۔ ہمارا تو پہلے ہی قرآن پاک کی ہر آیت پر ایمان تھا، اور رہے گا۔ مگر جن لوگوں کی سمجھ میں جنت کی یہ وسعت نہ آتی تھی۔ اب وہ اپنی سائنس کے اس انکشاف کے پیشِ نظر اس آیت پر ایمان لائیں۔ میرے بھائیو! خدا تعالیٰ جو قادرِ مطلق ہے اور جس نے یہ زمین و آسمان اور خلاء کی بے پناہ وسعت پیدا فرمائی ہے ایسی وسعت کہ ایک سائنس دان کے قول کے مطابق ہماری یہ زمین وسعتِ خلاء میں جو حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مثال ایک ایسے

رائی کے دانہ کی ہے جو لاہور کی شاہی مسجد کے وسیع صحن میں رکھا ہو اور رائی کا دانہ بھی اتنا چھوٹا، جو خوردبین کے بغیر نظر نہ آسکے۔ وہ خدائے قادر ایسی لاکھوں اور وسعتیں بھی پیدا فرما سکتا ہے۔ اس کے لیے کیا مشکل ہے۔ بس اسی خدائے قادر نے جنت کی یہ وسعت بھی پیدا فرمائی ہے، اور ہمارا ایمان ہے کہ بے شک جنت اتنی وسیع ہے کہ یہ آسمان اور زمین اس کی چوڑان میں سما جائیں۔ بھائیو! سائنس کے اِن انکشافات نے ہمارے معتقدات کی تائید کر کے منکرین کے لیے بھی سامانِ ہدایت مہیا کر دیا ہے۔

ایک جنتی کا قصہ

حضرات! اس موقعہ پر آپ کو ایک جنتی کا قصہ سناؤں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنِّیْ اَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا وَاٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دَخُوْلًا۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۸۴)

"سب سے آخر میں جو شخص جہنم سے نکل کر سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اسے میں جانتا ہوں"

بھائیو! یہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور آج سے تقریباً چودہ سو سال پہلے کا ارشاد ہے، اور آج سے خدا جانے کئی سو سال بعد آنے والی قیامت کے روز ہونے والے واقعہ کا بیان ہے۔ ذرا اندازہ لگائیے، اپنے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے علم ماکیون کا کہ جو بات ابھی ہوئی بھی نہیں اور ہونے والی ہے۔ اس کے متعلق سینکڑوں سال پہلے ہی ارشاد فرما رہے ہیں کہ "میں جانتا ہوں"۔ بھائیو! انصاف فرمائیے۔ وہ رسول معظم صلے اللہ علیہ وسلم جس کی چشمانِ مبارک سینکڑوں سال بعد ہونے والے واقعہ کو دیکھ رہی ہیں ان کے متعلق اگر یوں کہہ دیا جائے کہ انہیں پیٹھ پیچھے اور پس دیوار کی چیز کا بھی علم نہ تھا تو یہ بات کس قدر جہالت کی بات ہے۔ حضور صلے اللہ

علیہ وسلم کو بے خبر بتانے والے دراصل خود ہی بے خبر ہیں ؎

تو دانائے ما کان اللہ ما یکون ہے
مگر بے خبر، بے خبر دیکھتے ہیں

اعلیٰحضرت نے کیا خوب لکھا ہے ؎

دل فرش پر ہے تری نظر، سر عرش پر ہے تری گزر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

عالم ماکان ومایکون

ہاں تو حضور فرماتے ہیں۔ سب سے آخر میں جہنم سے جو شخص نکلے گا، اُسے میں جانتا ہوں اور کل قیامت کے روز اس شخص سے جو واقعہ پیش آئے گا سنو میں بتاتا ہوں کہ وہ کیا ہوگا؟ اور اس شخص کی اللہ تعالےٰ سے جو باتیں ہوں گی وہ کیا ہوں گی؟ سنو! میں بتاتا ہوں۔ سبحان اللہ! کیا شانِ علم ہے کہ جو باتیں قیامت کو ہونے والی ہیں۔ ہمارے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پہلے ہی جانتے ہیں اور اسی کا نام ہے علم مایکون اور بھائیو! وہ ذاتِ مقدس جو ان باتوں کا بھی علم رکھتی ہے جو ابھی ہوئیں بھی نہیں۔ پھر جو باتیں ہو چکی ہیں ان کا انہیں علم کیوں نہ ہو گا؟ جو باتیں ہو چکیں ان کے جاننے کا نام ہے علم ما کان۔ گویا ہمارے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم عالم ما کان و ما یکون ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگلی پچھلی ہو چکیں اور ہونے والی سب باتوں کو جانتے ہیں اور آپ سے کوئی بات پنہاں نہیں ؎

جو آئندہ ہوگا جو کچھ ہو چکا ہے
خدا سے انہیں علم سب کا عطا ہے

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ شخص جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا اس کا منہ جہنم کی طرف ہو گا اور جہنم کی حرارت سے پریشان ہو کر وہ خدا سے عرض کرے گا۔

یَارَبِّ اَصْرِفْنِیْ وَجْھِیْ عَنِ النَّارِ قَدْ قَشَبَنِیْ رِیْحُھَا وَاَحْرَقَنِیْ ذَکَاؤُھَا۔

"اے رب! میرا منہ جہنم سے پھیر دے کیوں کہ اس کی ہوا نے مجھے تنگ کر دیا ہے اور اس کی سخت حرارت نے مجھے جلا ڈالا ہے"

خدا تعالےٰ فرمائے گا کہ اگر میں تمہاری یہ بات مان لوں، اور تمہارا منہ جہنم سے پھیر دوں تو پھر اس کے بعد تو کچھ نہیں مانگو گے وہ کہے گا نہیں یا اللہ! نہیں! میں اور کچھ نہیں مانگوں گا۔ بس اتنا کرم فرما دے کہ جہنم کی طرف سے میرا منہ پھیر دے تاکہ اس کی حرارت سے میں بچ جاؤں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ اپنا کرم فرما کر اس کا منہ جہنم کی طرف سے پھیر دے گا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کے بعد

فَتُرْفَعُ لَهٗ شَجَرَةٌ فَیَقُوْلُ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَةِ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّھَا وَاَشْرَبَ مِنْ مَائِھَا۔

"پھر اس شخص کے لیے ایک بلند درخت ظاہر ہو گا، تو وہ اس درخت کو دیکھ کر کہے گا۔ اے رب! مجھے اس درخت کے قریب کر دے تاکہ میں اس کے سایہ میں بیٹھوں اور اس کا پانی پیوں"

خدا تعالےٰ فرمائے گا۔ ابھی تو تم کہہ چکے کہ میں اور کچھ نہیں مانگوں گا اب یہ دوسرا سوال کیوں کرنے لگے؟ وہ عرض کرے گا:

"الٰہی! مجھے محروم نہ فرما! اور اس درخت تک پہنچا دے"

خدا فرمائے گا: "اچھا اس کے بعد تو کچھ نہ مانگو گے؟

وہ عرض کرے گا:

"نہیں یا رب! بس اس درخت تک پہنچ گیا تو یہی کافی ہے"

چنانچہ خدا تعالےٰ اُسے اس درخت تک پہنچا دے گا، اور وہ اس کے سایہ میں بیٹھ کر آرام کرے گا اور پانی پئے گا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ

اِس کے بعد پھر اسے اس درخت سے بھی زیادہ اونچا اور اچھا درخت نظر آنے لگے گا۔ اب وہ شخص پھر بولے گا اور عرض کرے گا:

"الٰہی! کرم فرما کر مجھے اس بڑے درخت کے نیچے پہنچا دے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد اور تم سے کچھ نہ مانگوں گا۔

چنانچہ خدا تعالےٰ اپنا کرم فرما کر اسے اس بڑے درخت کے قریب پہنچا دے گا اور وہ اس کے سایہ میں آرام کرنے لگے گا۔ اور پانی پینے لگے گا حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اس کے بعد پھر اس شخص کو جنت کے دروازے کے پاس ایک درخت نظر آنے لگے گا۔ جو پہلے دونوں درختوں سے زیادہ حسین و رفیع ہوگا۔ اب وہ شخص پھر بولے گا اور کہے گا:

"الٰہی کرم فرما، اور مجھے اس جنت کے دروازے والے درخت کے پاس پہنچا دے"

خدا فرمائے گا تم پھر اور کچھ مانگنے لگے۔ حالانکہ تم وعدہ کر چکے ہو کہ تم اور کچھ نہ مانگو گے وہ عرض کرے گا۔ یا اللہ!

هٰذِهٖ لَا اَسْئَلُكَ غَيْرَهَا

"بس یہی ایک سوال ہے اس کے بعد اور کچھ نہیں مانگوں گا"

حضور فرماتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اُسے معذور جان کر اس کا یہ سوال بھی منظور فرمائے گا اور اُسے جنت کے دروازے والے درخت تک پہنچا دے گا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب وہ شخص جنت کے دروازے تک آپہنچے گا تو اُسے جنت سے جنتیوں کی آوازیں آنے لگیں گی تو کافی عرصہ تک وہ خاموش رہے گا لیکن پھر رہ نہ سکے گا اور کہے گا۔

رَبِّ اَدْخِلْنِيْهَا

"اے رب! مجھے جنت میں داخل کر دے"

مسلمانو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛ کہ خدا تعالےٰ فرمائے گا:

اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ

"جا اور جنت میں داخل ہو جا"

سبحان اللہ! کیا شان ہے خدا تعالےٰ کے فضل و کرم اور اس کی رحمت وسیعہ کی کہ اس شخص کو کس شان کریمانہ سے جنت میں داخل فرما دیا۔ بھائیو! یہ صدقہ ہے اس نسبت کا جو ہمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہے کیا خوب فرمایا حضرت حسن علیہ الرحمۃ نے کہ ؎

زاہد اُن کا میں گنہگار وہ شافع میرے
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

یہ فضل و کرم جو خدا تعالےٰ بار بار اس شخص پر فرمائے گا۔ محض اس نسبت کی بدولت کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے اور ذرا خدا تعالےٰ کا انداز کریمانہ تو دیکھئے کہ بار بار کرم فرما رہا ہے۔ وہ شخص بار بار کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں مانگوں گا مگر اللہ تعالےٰ بار بار کرم ہی فرمائے جا رہا ہے۔ خوب کہا ہے شاعر نے کہ ؎

بہر بخشش بہا نہ مے جوید
بہر بخشش بہانہ مے جوید

پہلے مصرعہ میں "بہا" الگ ہے اور "نہ" الگ۔ "بہا" کا معنے ہے قیمت یا دام، یعنی اللہ تعالےٰ بخشنے کے لیے قیمت طلب نہیں فرماتا۔ بلکہ "بہانہ" طلب فرماتا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں بہانہ سے "بہانہ" مراد ہے۔ دیکھ لیجئے۔ اس شخص نے جو بہانہ بھی کیا۔ خدا نے منظور فرما لیا۔ ہاں تو آگے سنیئے۔ ذرا اس شخص کے اب ناز و نخرے بھی ملاحظہ کیجئے۔ حضور فرماتے ہیں۔ جب اُسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جائے گی۔ تو وہ جب جنت میں دیکھے گا تو ساری جنت اُسے بھری ہوئی نظر آئے گی اور پھر وہ یوں کہنے گا۔

یَا رَبِّ وَجَدْتُّھَا مَلاَءٰی

"اے رب! جنت تو ساری بھری ہوئی ہے۔"

خدا تعالے فرمائے گا تو جنت میں داخل تو ہو۔

فَاِنَّ لَکَ مِثْلَ الدُّنْیَا وَعَشْرَۃَ اَمْثَالِھَا

"جنت میں تیرے لیے دنیا اور دنیا جیسے دس حصہ اور زیادہ جگہ موجود ہے۔"

اللہ اکبر! اس کے لیے اس دنیا سے بھی زیادہ وسیع جگہ بہشت میں موجود ہوگی۔ حضور فرماتے ہیں کہ جب وہ یہ بات سنے گا۔ تو حیران رہ جائے گا کہ جنت میں تو مجھے کوئی جگہ نظر نہیں آرہی، اور خدا تعالے اس میں دنیا اور دنیا جیسے دس حصے زیادہ جگہ میرے لیے فرما رہا ہے۔ چنانچہ وہ کہے گا:

رَبِّ اَتَسْتَھْزِئُ مِنِّیْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ

"اے رب! رب العالمین ہو کر مجھ سے تو استہزا فرماتا ہے۔"

اس حدیث کے راوی حضرت ابن مسعود ہیں۔ حضرت ابن مسعود جب اس جملہ پر پہنچے کہ وہ شخص خدا سے یوں کہے گا کہ الٰہی! تو مجھ سے استہزاء فرماتا ہے تو حضرت ابن مسعود ہنس پڑے اور ہنسنے کے بعد لوگوں سے فرمایا: تم نے مجھ سے کیوں نہیں پوچھا۔ کہ میں اس موقعہ پر ہنسا کیوں؟ مجھ سے پوچھو کہ میں کیوں ہنسا ہوں۔ چنانچہ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں ہنسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی، تو اس موقعہ پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہنس پڑے تھے۔ اور ہم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا کہ یا رسول اللہ! آپ کیوں ہنستے ہیں؟ تو حضور نے فرمایا تھا۔ بندہ جب یہ لفظ کہے گا کہ "الٰہی مجھ سے تو استہزاء فرماتا ہے" تو یہ بات سن کر خدا تعالے بھی ہنس دے گا۔"

حدیث شریف میں حَتّٰی یَضْحَکَ اللّٰہُ کا لفظ آیا ہے۔ ضحک ہنسی کو

کہتے ہیں۔ مگر خدا تعالے ہنسی اور ہنسنے سے پاک ہے۔ مراد یہاں یہ ہے کہ خدا تعالے اس پر راضی اور خوش ہو جائے گا۔ یہ مفصل حدیث شریف مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۴۸۳، ۴۸۴ پر باب الحوض والشفاعۃ میں موجود ہے۔

حضرات! یہ حدیث میں نے اس لیے سنائی ہے۔ اس میں جنت کی بے پناہ وسعت کا بیان ہے کہ ایک شخص کے لیے دنیا اور اس کی مثل دس حصے زیادہ جگہ کا ارشاد ہو رہا ہے جو بالکل حق ہے اور آج سینکڑوں کھربوں سیاروں میں سے ایک سورج کی اس قدر وسعت مان لینے کے بعد کہ اس میں ۱۳ لاکھ زمینیں سما جاتی ہیں۔ اس حقیقت کا انکار ہرگز نہیں کیا سکتا۔

کنوئیں کا مینڈک

میرے بھائیو! مشہور لطیفہ ہے کہ ایک چھوٹے سے کنوئیں میں اتفاقاً سمندر کا مینڈک آگرا۔ کنوئیں کا مینڈک کالا کلوٹا تھا، اور سمندر کا مینڈک زرد و سفید۔ کنوئیں کے مینڈک نے جو ایک اجنبی مینڈک کو دیکھا تو اس کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر اس سے پوچھنے لگا: آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ اور کہاں کے رہنے والے ہیں؟ سمندر کے مینڈک نے بتایا: کہ میں سمندر سے آیا ہوں۔ کنوئیں کے مینڈک نے یہ نام پہلی بار سنا۔ اس کی تمام عمر اس محدود دائرہ کے کنوئیں میں گذر چکی تھی حیران ہو کر کہنے لگا کہ میرے اس کنوئیں کے علاوہ کوئی اور بھی پانی کی جگہ ہے؟ سمندری مینڈک نے کہا۔ ارے نادان! تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ سمندر ایک وسیع وعظیم پانی کا ذخیرہ ہے۔ کنوئیں کا مینڈک بولا! میرے اس کنوئیں سے بھی زیادہ بڑا ہے؟ سمندری مینڈک بولا! تمہارے اس کنوئیں کو سمندر سے کوئی نسبت ہی نہیں وہ تمہاری عقل وفہم میں آ ہی نہیں سکتا۔ وہ بہت ہی بڑا ہے۔ کنوئیں کا مینڈک بولا۔ میرے اس کنوئیں سے بڑی کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی۔ سمندری مینڈک بولا۔ تم غلطی میں ہو۔ سمندر بہت بڑا ہوتا ہے۔ کنوئیں کے مینڈک نے اپنے کنوئیں میں ایک فٹ چکر لگا کر پوچھا: اتنا بڑا ہے تمہارا سمندر؟ وہ بولا!

اس سے بھی کہیں بڑا۔ اس نے پھر دو فٹ چکر لگایا اور پوچھا: اچھا اتنا بڑا؟ وہ بولا، اس سے بھی زیادہ بڑا۔ کنوئیں کے مینڈک نے حیران ہو کر اپنے کنوئیں کے نصف دائرے کا چکر لگایا اور پوچھا: تو کیا اتنا بڑا ہے تمہارا سمندر؟ وہ بولا! نہیں، نہیں۔ اس سے بھی بہت زیادہ بڑا۔ کنوئیں کے مینڈک نے پھر سارے کنوئیں کا چکر لگا کر پوچھا۔ تو کیا تم کہتے ہو کہ تمہارا سمندر اس عظیم دائرے سے بھی بڑا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں ہاں! اس سے بھی بہت زیادہ بڑا ہے میرا سمندر۔ کنوئیں کے مینڈک نے کہا: ارے یار! گپ کیوں مارتے ہو۔ میرے اس کنوئیں سے تو زیادہ بڑی چیز ہے ہی کوئی نہیں۔ سمندر کے مینڈک نے کہا۔ ہاں بھئی! تم نے ساری عمر اس محدود کنوئیں میں گزاری ہے۔ تمہیں کیا خبر کہ میرے سمندر میں تمہارے اس جیسے لاکھوں کروڑوں کھربوں کنوئیں سما جائیں۔

میرے بھائیو! کچھ یہی حال ہماری اس دنیا کا ہے۔ ہم نے ساری عمر اس دنیا میں گذاری ہے۔ ہمیں کیا خبر کہ جنت کی وسعت کا کیا عالم ہے؟ اس کی وسعت میں ہماری اس دنیا کی مثل لاکھوں وسعتیں سما جائیں۔ اس وسعت کا انکار کرنا بالکل کنوئیں کا مینڈک بننا ہے۔ ہم نے اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ حالاں کہ یہ ہماری دنیا تو خدا تعالےٰ کی بے پناہ مخلوق اور اس کی پیدا کردہ بے پناہ وسعت کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کمتر ہے، اور اسے جنت کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی حاصل نہیں۔ جو سمندر کے مقابلہ میں ایک کنوئیں کو حاصل ہے اور اب تو یہ آج کل کی سائنس بھی خدا تعالےٰ کی پیدا کردہ وسعت کو ماننے لگی ہے۔ گویا اب اس کنوئیں کے مینڈک کی بھی کچھ کچھ آنکھ کھلی ہے۔ اور اسے احساس ہونے لگا ہے کہ خدا تعالےٰ نے تو صرف ایک سورج کو بھی اتنا بڑا بنایا ہے کہ یہ ہماری زمین کی مثل ۱۳ لاکھ زمینیں اس میں سما سکتی ہیں۔ پھر وہ خدا جنت کو اس سے بھی کہیں زیادہ وسیع کیوں نہیں بنا سکتا!

جہنم

بھائیو! ہمارا ایمان ہے کہ جنت اور دوزخ دونوں کا وجود ہے اور خدا و رسول نے ان کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا ہے درست اور حق ہے۔ جنت کی وسعت کا تو ذکر آپ سن چکے۔ اب جہنم کی وسعت کا بیان بھی سنئے۔ جب سے دنیا شروع ہوئی۔ اس وقت سے لے کر آج تک اور پھر قیامت تک کے جتنے بھی جنوں اور انسانوں میں کافر گذرے ہیں اور ہوں گے۔ ان سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور ان کے علاوہ دیگر مستحقین عذاب بھی اس میں ڈال دیئے جائیں گے اور پھر خدا تعالےٰ جہنم سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تو بھر گئی؟ اب اور تو کچھ نہیں چاہیے؟ تو جہنم عرض کرے گی کہ الٰہی! کچھ اور بھی زیادہ ہے تو میرے اندر ڈال دے۔ گویا اس قدر زیادہ جہنمیوں کے اندر ڈال دینے کے باوجود وہ بھوکی کی بھوکی ہی رہے گی اور اسی بات کے پیش نظر آج بھی اگر کوئی بلانوش اتنا کھائے، اتنا کھائے کہ دسترخوان سے اٹھنے کا نام ہی نہ لے تو یوں کہتے ہیں کہ اس کے تو پیٹ کا جہنم بھرتا ہی نہیں۔ گویا وہ کھاتا جاتا ہے اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرہ لگاتا جاتا ہے۔ ہاں تو جہنم اتنی بڑی ہوگی کہ بھرنے کا نام ہی نہ لے گی۔ آخر خدا تعالےٰ اپنی قدرت سے اسے بھرے گا

حدیث

چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے جنت اور دوزخ دونوں سے فرمایا کہ:

لِکُلِّ وَاحِدٍ مِّنْکُمَا مِلْؤُھَا

"یعنی تم دونوں کو میں بھر دوں گا"

مگر جہنم میں سارے کافر ڈال دینے پر بھی جب وہ بھرے گی نہیں، اور ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرہ لگائے گی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حَتّٰی یَضَعَ اللّٰہُ رِجْلَہٗ تَقُوْلُ قَطْ قَطْ فَھُنَالِکَ تَمْتَلِیُٔ۔

حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ اس میں اپنا پاؤں رکھے گا۔ تو جہنم کہے گی

بس بس بس۔ پس اس وقت وہ بھر جائے گی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۹۴)

حدیث میں جو پاؤں کا لفظ آیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے قرآن پاک میں "ید" اور "وجہ" کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہاتھ، پیر اور منہ سے پاک اور منزہ ہے۔ مگر یہ الفاظ محاورۃً وارد ہوئے ہیں۔ ان سے مراد اللہ تعالےٰ کی نصرت وقدرت اور اس کی رحمت ہے۔ حدیث پاک میں جو "پاؤں رکھنے" کا لفظ وارد ہوا ہے۔ اس سے مراد اللہ کی قدرت ہے یعنی جہنم اس کی قدرت سے بھر جائے گی، اور اس ظہورِ قدرت کی کیفیت یہ ہوگی کہ

یُزْوٰی بَعْضُهَا اِلٰی بَعْضٍ فَلَا یَظْلِمُ اللّٰهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ (صفحہ مذکور)

"جہنم کے بعض حصے بعض کی طرف سکیڑ دیے جائیں گے اور اللہ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا"

یعنی جہنم جب بھرے گی نہیں تو اللہ تعالےٰ اسے سکیڑ دے گا۔ اور وہ سمٹ جائے گی۔ یہی ہے اللہ کا اس میں اپنا پاؤں رکھنا یعنی اپنی قدرت سے سکیڑ دے گا۔

اور یہ جو فرمایا ہے، کہ اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت ودوزخ دونوں کو بھر دینے کا اللہ تعالیٰ وعدہ فرمائے گا۔ تو جنت اپنی وسعت کے سبب جب بھرے گی نہیں تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

لَا یَزَالُ فِی الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰی یُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَیُسْکِنُهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ (صفحہ مذکور)

"یعنی جنت میں وسعت وزیادتی باقی رہے گی، اور اس کے مکان خالی رہ جائیں گے تو اللہ تعالےٰ اپنے کرم سے ایک نئی مخلوق پیدا فرمائے گا اور جنت کی وسعت اور اس کے

خالی مکانات میں اس نئی مخلوق کو ٹھہرا کر جنت کو بھر دے گا"

سبحان اللہ! خدا تعالےٰ کا یہ خاص فضل وکرم ہوگا، کہ جنت کو پُر کرنے کے لیے اسی وقت ایک نئی مخلوق پیدا فرما کر انہیں بغیر کسی نیک عمل کے اور بغیر کسی اطاعت کے جنت میں داخل فرما دے گا۔ یہ تو تھی جنت کو بھرنے کی صورت مگر جہنم کی وسعت کو بھی وہ کیا اسی طرح بھرتا کہ کوئی نئی مخلوق پیدا کرکے بغیر کسی گناہ کے انہیں جہنم میں ڈال کر جہنم کو بھر دیتا؟ اگر وہ ایسا کرتا تو اگرچہ اس مالک حقیقی کو اس بات کا بھی اختیار ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اور اپنی ملک میں مالک جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے لیکن بظاہر صورتاً یہ بات ظلم ہوتی، اور اللہ تعالےٰ اس صورت میں بھی ظلم نہیں فرماتا۔ اس لیے وہ جہنم کو بھرنے کے لیے یہ صورت اختیار نہ فرمائے گا۔ حدیث پاک میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

فَلَا یَظْلِمُ اللّٰهُ اَحَدًا مِنْ خَلْقِهٖ

یعنی وہ اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرے گا کہ ایک بے گناہ مخلوق کو پیدا کرکے محض جہنم بھرنے کے لیے انہیں جہنم میں ڈال دے، جنت کو بھرنے کے لیے تو ایسا کر دے گا، کہ ایک نئی مخلوق پیدا کرکے بغیر کسی عمل کے انہیں جنت میں داخل فرما دے گا کہ یہ اس کا فضل وکرم ہوگا۔ مگر جہنم بھرنے کے لیے وہ ایسا ہرگز نہ کرے گا۔ ہاں وہ قادر مطلق ہے۔ جہنم کو وہ اس طرح بھرے گا کہ:

یُزْوٰی بَعْضُهَا اِلٰی بَعْضٍ

"اس کے بعض حصے بعض کی طرف سکیڑ کر اُسے تنگ کر دے گا اور اس طرح اس کو بھر دے گا"

بھائیو! دیکھا آپ نے کہ جہنم کو بھی اللہ تعالےٰ نے کس قدر وسعت دی ہے کہ جب تک اللہ تعالےٰ اُسے اپنی قدرت سے سکیڑے گا نہیں۔ وہ بھرنے میں ہی نہیں آئے گی۔ آپ سورج کی وسعت کا بیان سن چکے کہ ہماری

زمین جیسی تیرہ لاکھ زمینیں اس میں سما جاتی ہیں اور ہماری زمین جس قدر وسیع ہے۔ وہ آپ کے سامنے ہے۔ پھر اس قدر وسیع زمین جیسی تیرہ لاکھ زمینیں اگر اس آتشیں کرے سورج میں سما سکتی ہیں۔ تو جہنم جو سورج جیسے ہزاروں کروں کا گھر ہے کی وسعت کا کوئی انکار کیسے کر سکتا ہے؟

جہنم کی آگ

حضرات! جہنم کی آگ کی حرارت کے متعلق خدا تعالے قرآن پاک میں فرماتا ہے:

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا

"یعنی فرما دو، جہنم کی آگ سب سے زیادہ سخت گرم ہے"

اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

نَارُکُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِّنْ نَارِ جَهَنَّمَ۔

"تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ سے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے" (مشکوٰۃ شریف ۵۰۳)

یعنی ہماری اس دنیا کی آگ سے جہنم کی آگ ستر گنا زیادہ گرم ہے۔ بھائیو! خدا تعالے سے ڈرو اور اس کے عذاب سے پناہ مانگو اور ایسے کام جن کی وجہ سے انسان جہنم کی آگ کا مستحق بن جائے، بچو! ذرا سوچو تو سہی کہ یہ ہماری دنیا کی آگ کس قدر گرم ہے اور اس میں لحظہ بھر بھی ٹھہرنا مشکل ہے اور جہنم کی آگ تو اس سے بھی زیادہ ستر گنا زیادہ سخت گرم ہے۔ پھر کس قدر نادانی اور غفلت ہے ہماری کہ جہنم کی آگ کی ہم کچھ پروا نہیں کرتے۔ اور برے کاموں سے نہیں رکتے۔ بھائیو! ذرا اس دنیا کی آگ میں اپنی ایک انگلی ہی ڈال کر دیکھو کہ کیا تم اس کی حرارت کو برداشت کر سکتے ہو؟ اگر نہیں تو پھر سوچو کہ جہنم کی آگ جو اس آگ سے بھی کئی گنا زیادہ سخت گرم ہے اس کی برداشت کیسے ہو سکے گی؟ خدا بچائے اپنے عذاب سے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کے عذاب سے بچنے کی کوشش کریں۔

بھائیو! آج کل کچھ ایسا غفلت کا دور ہے کہ بعض لوگ بڑی بے نیازی سے کہہ دیتے ہیں کہ اجی خدا جہاں چاہے ہمیں بھیج دے ہم خوش ہیں۔ توبہ! توبہ!! کس قدر جرأت ہے کہ بجائے اس کے کہ اس کے عذاب سے پناہ مانگی جائے۔ اس جرأت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ہم جہنم میں بھی خوش ہیں۔ بھائیو! جہنم کی حقیقت پر ایمان لاؤ اور اس کی حرارت و تپش سے بچنے کی کوشش کرو۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! خدا تعالے کا ہم جتنا بھی شکر ادا کریں۔ کم ہے کہ اللہ نے ہمیں ایک ایسا غمخوار امت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عطا فرمایا کہ جس نے رو رو کر ہمیں جہنم کی آگ سے بچایا۔

اعلیحضرت فرماتے ہیں:

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہو گا!
رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

سبحان اللہ! کیا شانِ کرم ہے کہ ہم گنہگاروں کے لیے اتنا روئے، اتنا روئے کہ اپنے مبارک آنسوؤں سے جہنم کی آگ بجھا دی۔ پھر جو شخص ایسے مہربان رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا کہا نہ مانے۔ اس سے بڑا بے وفا اور کون ہو گا!

بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم تو یہی چاہتے ہیں کہ ہم جہنم کی آگ سے بچ جائیں مگر ہمارا بھی تو فرض ہے کہ ان کی اتباع کریں اور ان کا کہا مان کر اس آگ سے بچ جائیں۔ چنانچہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال میں یہ بات سمجھائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ

ایک مثال

میری مثال اور تمہاری اس شخص کی سی ہے۔ جو آگ روشن کرے اور جب وہ جگہ روشن ہو جائے تو اس پر

پروانے گرنے لگیں۔ وہ شخص ان پروانوں کو ہٹاتا رہے۔ لیکن پروانے اس کے ہٹانے کی پرواہ نہ کریں۔ اور آگ میں گرتے رہیں:

اسی طرح حضور نے فرمایا۔

اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ وَتَقْتَحِمُوْنَ فِیْھَا۔

"میں تمہاری کمر میں ہاتھ ڈال ڈال کر تمہیں جہنم کی طرف سے ادھر کھینچتا ہوں، مگر تم مجھے پرے کر کے خود آگ میں جا پڑتے ہو"

(الترغیب والترہیب ص ۲۵۱)

بھائیو! سنا آپ نے؟ حضور کیا فرما رہے ہیں؟ فرمایا۔ میں تو تمہیں پکڑ پکڑ کے بھی جہنم میں گرنے سے بچانا چاہتا ہوں۔ مگر تم ہو کہ مجھے ایک طرف کر کے خود بخود جہنم میں چھلانگیں لگا رہے ہو۔

لطیفہ ایک مولوی صاحب سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا کوئی سید بھی جہنم میں جائے گا؟ مولوی صاحب نے کہا توبہ! توبہ!! سید اور جہنم؟ یہ جہنم ہرگز کسی سید کے لیے نہیں بنی۔ لیکن اگر کسی "صاحبزادے" نے خود ہی اس میں چھلانگ لگا دی تو یہ اس کی خوشی ہوگی۔ مقصد یہ کہ اگر سید ہو کر ان غیر شرعی حرکتوں سے نہ رکا۔ جن سے اس کے نانا جان حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے۔ تو یہ اس کا اپنا قصور ہوگا۔ وہ اگرچہ سید ہے اور ہمارے لیے واجب التعظیم۔ مگر اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اب وہ شرعی احکام کو واجب التعظیم نہ سمجھے اور ان پر عمل نہ کرے اور بغیر عمل کے یہ سمجھے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

بھائیو! ریلوے کی جو پٹڑی ہے۔ ریل کے ہر ڈبہ کو اس کے اوپر چلنا ضروری ہے۔ ڈبہ تھرڈ کلاس کا ہو یا فسٹ کلاس کا ڈبہ اسی ناز میں کہ میں فسٹ کلاس

کا ڈبہ ہوں، پٹڑی سے اتر جائے دیکھ لو جو ڈبہ بھی پٹڑی سے اتر جائے گا۔ تھرڈ کلاس کا ہو یا فسٹ کا۔ منزل تک کبھی نہ پہنچے گا۔ پس آج کوئی پٹھان ہو، مغل یا سید یا کوئی ادنیٰ ہو یا اعلیٰ سبھی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بچھائی ہوئی پٹڑی یعنی شریعت پر چلنا ضروری ہے، اور یہ بات نہیں کہ غریب وادنیٰ لوگ تو شرعی پٹڑی پر چلیں۔ اور امیر و اعلےٰ لوگ اس پٹڑی سے اتر جائیں۔ خوب یاد رکھئے جو بھی اس پٹڑی سے اترا۔ منزل تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا۔

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہاں تو بھائیو! جہنم کی آگ کی تیزی کا میں ذکر کر رہا تھا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس دنیا کی آگ سے جہنم کی آگ ستر گنا زیادہ سخت گرم ہے۔ بھائیو! حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد پر ہمارا ایمان ہے۔ آپ نے جو کچھ فرمایا حق اور درست ہے۔ جو اس میں شک کرے کافر ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تائید آج کل کے سائنس کے جدید انکشافات جس طرح کر رہے ہیں۔ اس کا کچھ ذکر میں پچھلے وعظ میں کر چکا اور کچھ اب کرتا ہوں۔ دیکھئے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جہنم کی تیزی بیان فرمائی ہے اور اس ہماری دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم بیان فرمایا ہے۔ اب آئیے اس سورج کی گرمی ملاحظہ فرمائیے۔ جو سائنس دانوں نے بیان کی ہے۔ اور بتایا ہے کہ ہماری اس دنیا کی آگ سے سورج کس قدر زیادہ گرم ہے۔

سیارہ ڈائجسٹ لاہور شمارہ اگست ۱۹۶۹ء کے صفحہ ۱۲۷ پر ہے:

"یہ تو آپ جانتے ہیں کہ سورج بہت گرم ہے لیکن آپ شاید یہ اندازہ نہ لگا سکے ہوں گے کہ سورج کس قدر گرم ہے۔ آپ کے جسم کا درجۂ حرارت صرف ۳۷ ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔

کھولتے ہوئے پانی کا ۱۰۰ ڈگری، گرم سرخ لوہے کا یا چولھے
کے شعلے کا ۵۰۰ سے ۱۰۰۰ ڈگری تک ہوتا ہے۔ ۱۵۰۰ ڈگری
سنٹی گریڈ پر لوہا بھی پگھل کر پانی کی طرح بہنے لگتا ہے اور
۳۰۰۰ ڈگری سنٹی گریڈ پر لوہا بھی بھاپ بن کر اڑ جاتا ہے
لیکن سورج کا کم از کم درجۂ حرارت ۶۰۰۰ ڈگری ہوتا ہے۔
یہ سورج کی سطح کا درجۂ حرارت ہے۔ مرکز میں تو درجۂ حرارت
۲ کروڑ ڈگری سنٹی گریڈ تک پہنچتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورج
پر کوئی چیز ٹھوس یا مائع حالت میں نہیں"

کیوں صاحب! ہماری اس دنیا کی آگ کی زیادہ سے زیادہ حرارت ۱۵۰۰ ڈگری سنٹی گریڈ ہے اور اس کے مقابلہ میں سورج کی حرارت ۲ کروڑ ڈگری تک بتائی گئی ہے۔ سائنس کے اس انکشاف کی تصدیق کرنے والے اب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد

نَارُ کُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ

"تمہاری یہ آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے"

کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ سائنس کے آلات کی اگر سورج تک رسائی ہے اور ان آلات کے ذریعہ اگر تم نے سورج کی حرارت معلوم کر لی ہے تو اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی رسائی وہاں تک ہے۔ جہاں تک کسی فلسفی اور کسی سائنس دان کے کسی آلہ کی رسائی نہیں اور جہاں اللہ کے نبی کی نظر جا پہنچتی ہے۔ وہاں کسی بڑے سے بڑے سائنس دان کی ہزار کوشش کے باوجود بھی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ کے نبی کی نظر جنت و دوزخ تک بھی پہنچتی ہے۔ تو جو اللہ کا نبی صلے اللہ علیہ وسلم جنت بھی دیکھتا ہے۔ اور جہنم بھی۔ وہی نبی صلے اللہ علیہ وسلم جہنم کی حرارت کی خبر دے رہا ہے کہ اس دنیوی آگ سے وہ ستر گنا زیادہ ہے تو اپنے آلات پر ایمان لانے والے نبوت کے کمالات کا

کیسے انکار کر سکتے ہیں؟

کافر کے دانت

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

ضِرْسُ الْکَافِرِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِثْلُ اُحُدٍ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۴۹۵)

"قیامت کے روز کافر کے دانت پہاڑ احد کے مانند ہو جائیں گے"

دو مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ:

مَا بَیْنَ مَنْکِبَیِ الْکَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ لِلرَّاکِبِ الْمُسْرِعِ۔ (صفحہ مذکور)

"جہنم میں کافر کے دو مونڈھوں کا درمیانی فاصلہ تیز رو سوار کے تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا"

اسی طرح جہنم میں کافر کے موٹاپے کا حضور نے اس طرح ذکر فرمایا ہے۔

اِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْکَافِرِ اِثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا۔

"کافر کی جلد کا موٹاپا ۴۲ ہاتھ کا ہوگا"

اور اس کے بیٹھنے کی جگہ کے متعلق فرمایا:

اِنَّ مَجْلِسَهٗ مِنْ جَهَنَّمَ مَا بَیْنَ مَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃِ۔

"اور جہنم میں اس کے بیٹھنے کی جگہ مکہ و مدینہ کی درمیانی جگہ کے برابر ہوگی۔"

جہنم میں کافر کے اعضا اس لیے بڑے ہو جائیں گے تاکہ اسی لحاظ سے ان کو عذاب بھی بڑا دیا جائے۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو۔ ارشاد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ حضور نے جو فرمایا۔ حق ہے، درست ہے۔ لیکن وہ لوگ جو حدیث پاک پر عقلی ڈھکوسلوں کے ذریعہ اعتراض کیا کرتے

تھے اور دانت کا اتنا بڑا ہونا اور مونڈھوں کے درمیانی فاصلہ کی طوالت اور کافر کی مجلس کی وسعت جن کی سمجھ میں نہیں آیا کرتی تھی۔ وہ آئیں، اور اپنی سائنس کے انکشافات ملاحظہ کریں اور دیکھیں کہ اللہ تعالےٰ نے اس سائنس کے ہاتھوں کس طرح اپنے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تائید کرائی ہے۔

سیارہ ڈائجسٹ کا شمارہ اگست ۶۹ء ہی ملاحظہ فرمائیے:
صفحہ ۱۲۹ پر سورج کے متعلق ہی لکھا ہے کہ

سورج کا مطالعہ کرنے والے سائنس دانوں نے دوربین کے ذریعے سورج میں عجیب وغریب مناظر دیکھے ہیں۔ دوربین میں سورج کچھ ایسا نظر آتا ہے جیسے کہ ایک دیگچہ جس میں چاول اُبل رہے ہوں، گیس کا بہت بڑا گولہ ہونے کی وجہ سے اس کی تہ میں گرمی کے باعث بڑے بڑے بلبلے پیدا ہوتے ہیں۔ جو تہ سے نکل کر سطح پر آکر پھٹتے رہتے ہیں۔ یہ بلبلے خوردبین میں سے اُبلتے ہوئے چاولوں کی طرح نظر آتے ہیں۔ لیکن سورج کا ایک بلبلہ یا چاول کئی ہزار مربع میل کے رقبے میں پھیلا ہوتا ہے۔ بعض اوقات سورج کی سطح پر پل بھی دیکھے گئے ہیں۔ اِن پلوں کی شکل ایسے پلوں سے ملتی ہے۔ جو ریلوے لائن کے اوپر سے سڑک گذارنے کے لیے تعمیر کئے جاتے ہیں۔ یہ پل کئی ہزار سے کئی لاکھ میل تک لمبے ہوتے ہیں، تھوڑے عرصے بعد یہ پل ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں، اور بعض اوقات ان کے ٹکڑے کئی ہزار میل لمبے ہوتے ہیں۔ سورج کی سطح سے کئی لاکھ میل بلند ہوکر دوبارہ سورج کی گود میں گر جاتے ہیں۔

اے حدیث میں ارشاد فرمودہ کافر کے دانت کی بڑائی پر اعتراض کرنیوالو! اپنی سائنس کے بیان کردہ سورجی بلبلے یا چاول کو سامنے رکھو اور دیکھو۔ تمہاری سائنس کے بقول اگر ایک بلبلہ یا چاول ہزاروں مربع میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہو سکتا ہے جو ایک پہاڑ نہیں؛ کئی پہاڑوں کے برابر بن جاتا ہے۔ تو حدیث پاک کے بیان فرمودہ دانت کا ایک پہاڑ کے برابر ہو جانے میں تمہیں کیا اعتراض ہے؟ اور کافر کے دو مونڈھوں کے درمیانی فاصلہ کی حدیث کی بیان فرمودہ وسعت پر عقلی ڈھکوسلوں کو پیش کرنے والو آؤ اپنی سائنس کے کئی ہزار اور کئی لاکھ میل لمبے پل دیکھو اور بتاؤ کہ جب تم اپنی سائنس کے کہنے پر اس سورج میں جو جہنم سے خدا جانے کس قدر چھوٹا ہے۔ اگر کئی لاکھ میل لمبے پل تسلیم کر سکتے ہو تو ہم اپنے رسول برحق صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جہنم میں کافر کے دو مونڈھوں کی درمیانی مسافت کی طوالت کیوں تسلیم نہ کریں!

روزِ قیامت

میرے بھائیو! مسلمان کا روزِ قیامت پر بھی ایمان ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ایک روز ایسا آنے والا ہے۔ جس روز یہ سارا نظامِ دنیا درہم برہم ہو جائے گا اور سب پر فنا طاری ہو جائے گی۔ باقی ذات صرف ایک خدا کی ہے۔ باقی سب فانی ہیں۔ حاجی حق تحق نے لکھا ہے ؎

یہ کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ سے ظاہر حقیقت ہے
کہ سب کچھ ہے یہاں فانی ہے اک ذاتِ خدا باقی

اور اس کے بعد کیا خوب کہا کہ ؎

زبانِ اہلِ دنیا پر ہے ذکر اس فانی دنیا کا
مگر وردِ زبانِ مولوی رہتا ہے یا باقی

ہاں تو قیامت کے روز جو کچھ ہوگا۔ خدا تعالےٰ اس کا ذکر قرآنِ پاک میں ایک جگہ قیامت ہی کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتا ہے:

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (پ۳۰ ع۶)

"اور جب سمندر سلگائے جائیں"

یعنی قیامت کے دن سمندروں کے پانیوں کو گرم کر دیا جائے گا اور سمندروں کا پانی کھولنے لگے گا۔

یہ تو ہے ارشادِ حق! جو چودہ سو سال پہلے فاران کی چوٹیوں سے سنایا گیا، اور جس پر ہر اہل ایمان کا ایمان ہے، اور اب جو سائنس نے انکشاف کیا ہے وہ بھی سن لیجئے:

اسی سیارہ ڈائجسٹ میں اسی سورج کے متعلق مضمون میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

سورج کا درجہ حرارت بلند ہوتا جا رہا ہے، اور بلند ہوتا رہیگا اس کے نتیجے میں ہماری دنیا میں بھی گرمی مسلسل بڑھتی جائیگی حتیٰ کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا۔ جب سمندروں کا پانی اُبلنے لگے گا۔ اور انسان وحیوانات ونباتات جھلس کر رہ جائیں گے (صفحہ ۱۲۹)

یہی روز قیامت ہوگا، اور قرآن پاک نے جو بات چودہ سو سال پہلے فرما دی تھی کہ:

وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ

آج سائنس کے انکشاف نے اس کی تائید کر دی اور حق تو یہ ہے کہ آجکل کی جتنی ایجادات اور جتنے انکشافات سامنے آ رہے ہیں۔ ان سب سے اسلامی ارشادات کی تائید ہو رہی ہے۔ اور یہ حقانیت ہے دین اسلام کی۔ کہ اس نے جو کچھ فرمایا، وہی کچھ سامنے آ رہا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اڑتالیسواں وعظ

استغفار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ۝

اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ (پ۱۲ ع۵)

"اے میری قوم! اپنے رب سے معافی چاہو، پھر اس کی طرف رجوع لاؤ۔ تم پر زور کا پانی بھیجے گا، اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے اور زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے روگردانی نہ کرو"

حضرات! آپ میرے پچھلے وعظ میں جنت و دوزخ کا بیان سن چکے۔ جنت اللہ تعالیٰ کی رضا کا گھر ہے اور دوزخ اس کے غضب و جلال کا۔ یعنی جس نے اپنے اللہ کو راضی کر لیا، وہ جنت پائے گا اور جس نے اسے ناراض کر لیا وہ دوزخ میں جائے گا۔

بھائیو! اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم گناہ گار ہیں۔ اور ہم سے اللہ تعالیٰ کی بڑی نافرمانیاں ہوئیں اور ہوتی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ گناہوں اور اللہ کی نافرمانیوں سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور یہی اس کی ناراضگی عذاب کی باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے ہم جیسے گناہ گاروں اور عاصیوں کو خود ہی ایک ایسا نسخہ بتا دیا، جس سے ہم اپنے اللہ کو راضی کر کے گناہوں سے پاک ہو کر اس کے عذاب سے بچ سکتے ہیں۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس نسخہ پر عمل کریں اور اپنی عاقبت کو سنوارنے کے لیے کوشش کریں۔ یہ نسخہ جو اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے۔ ایسا اکسیر نسخہ ہے کہ اس سے لوہا بھی سونا ہو جائے آج بہت سے لوگ کیمیا کی تلاش میں اپنا قیمتی وقت اور مال بھی برباد کرتے ہیں اور باوجود اس کے کہ حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا مگر پھر بھی جسے یہ لت پڑ جائے۔ وہ ہر وقت اسی عمل میں لگا رہتا ہے۔ مگر یہ جو خدا کا بتایا ہوا نسخہ ہے۔ یہ تو ہے ہی یقینی، اور یقیناً اس کا فائدہ ہوتا ہے۔ پھر اگر ہم اس قرآنی نسخہ کو نہ اپنائیں تو یہ ہماری بہت بڑی محرومی ہوگی۔

بھائیو! خدا کو راضی کرنے کا اور اپنے گناہوں کو معاف کرانے کا وہ نسخہ استغفار ہے۔ یعنی اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہنا اور اس کی طرف رجوع کرنا۔ یہ ایک ایسا تیر بہدف نسخہ ہے کہ کیمیا میں اگر لوہے کا سونا بن جاتا ہے تو استغفار سے برائیاں بھی نیکیاں بن جاتی ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (پ ۱۹ ع ۴)

"جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی

برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا"

لوہے سے سونا بننا تو ایک امر موہوم ہے مگر استغفار و توبہ سے برائیوں کا نیکیاں بن جانا یقینی امر ہے۔ حضرات! ذرا سوچئے تو کہ یہ استغفار و توبہ کتنا بڑا مفید نسخہ ہے کہ اس کے استعمال سے عمر بھر کی برائیاں بھی نیکیاں بن جاتی ہیں۔

قوم عاد

بھائیو! یہ جو آیت کریمہ میں نے پڑھی ہے۔ اس میں قوم عاد کا ذکر ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت جب اس قوم نے قبول نہ کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے کفر کے سبب تین سال تک بارش موقوف کر دی اور نہایت شدید قحط نمودار ہوا، اور ان عورتوں کو بانجھ کر دیا۔ جب لوگ بہت پریشان ہوئے تو حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے وعدہ فرمایا کہ اگر وہ لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے رسول کی تصدیق کریں اور اس کے حضور توبہ و استغفار کریں۔ تو اللہ تعالیٰ بارش بھیجے گا اور ان کی زمینوں کو سرسبز کر کے تازہ زندگی عطا فرمائے گا، اور قوت و اولاد دے گا۔ (دیکھئے تفسیر خزائن العرفان ص ۳۲۳)

معلوم ہوا کہ گناہوں وجہ سے اس دنیا میں بھی پریشانی لاحق ہوتی ہے، بارش کا نہ ہونا۔ قحط سالی اور جان و مال اور قوت و اولاد کی کمی بھی گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ بھائیو! گناہوں کا مآل ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے۔ بظاہر اور فوری طور پر اگر کوئی نقصان نظر نہ بھی آئے تو بھی مآل و نتیجہ گناہ کا بہرحال خطرناک ہی ہوتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات گناہ میں فوری طور پر کچھ نفع کی صورت بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً جوا کھیلنے میں یا چوری کرنے میں فوری طور پر تو مال ملتا ہے جو بظاہر نفع ہے۔ مگر مآل و انجام اس کا ہولناک اور برا ہے۔ اور دانا وہی ہے جو مآل و انجام کو دیکھے۔

آج کل کا ماحول

لیکن آج کل کا ماحول کچھ ایسا نا عاقبت اندیش ماحول ہے کہ لوگوں کو گناہوں کے چھوڑنے میں گرانی معلوم ہوتی ہے اور کہتے ہیں کہ اتنی نفع اور لذت کی چیز ہے جسے شریعت چھڑا رہی ہے کچھ ایسے ہی روشن خیال وہ لوگ ہیں جو سود کو بھی حلال کرنے کی کوشش

میں لگے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ایک وسیع نفع کی چیز ہے، جیسے یہ مولوی خواہ مخواہ حرام قرار دے رہے ہیں اور پھر یہ نام بھی سود کا "منافع" رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو منافع ہے۔ نام بدل کر حرام کو حلال کر لینا چاہتے ہیں گویا خنزیر کا نام دُنبا رکھ کر خنزیر کو بھی کھا جانا چاہتے ہیں۔ بھائیو ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے کہ خنزیر کو دنبہ کہہ دینے سے خنزیر خنزیر نہ رہے۔ کتے کو لاکھ موتی موتی کہہ کر پکاریئے۔ پھر بھی وہ کتا ہی ہے۔ افسوس کہ آج شریعت اور دین کو اپنے نفس اور اپنی خواہش کے مطابق بنانا چاہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ خود دین کے تابع ہو جائیں۔ دین کو اپنا تابع بنانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے آج کل کے مصلحین سے اکثر یہ وعظ سنا ہوگا کہ "اسلام کو حالات حاضرہ کے مطابق ڈھالنا چاہیے" یہ نہیں کہ اپنے حالات کو اسلام کے مطابق کر لینا چاہیے۔ یہ لوگ علماء کرام سے بھی یہ کام لینا چاہتے ہیں کہ جو بات ان کے منہ سے نکلتی جائے۔ علماء اسے شریعت سے ثابت کرتے چلے جائیں۔

لطیفہ

پرانے زمانہ کا ایک لطیفہ ہے کہ کوئی رئیس تھا، جو جس مجلس میں بھی بیٹھتا تھا۔ لغو اور دور از قیاس کی باتیں کیا کرتا تھا۔ لوگ اس کا مذاق اڑاتے کہ کبھی یوں بھی ہو سکتا ہے۔ آخر اس رئیس نے ایک نوکر صرف اسی کام کے لیے رکھا کہ جو کچھ ہماری زبان سے نکلا کرے تم اُسے صحیح ثابت کر کے دکھا دیا کرو۔

ایک مرتبہ کہنے لگا کہ ہم جنگل میں گئے ایک ہرن ملا۔ جسے ہم نے گولی ماری تو گولی اس کے کھُر کو توڑ کر سر کو پھوڑ کر نکل گئی۔ لوگ ہنسنے لگے کہ کہاں کھُر اور کہاں سر۔ کھُر نیچے اور سر اوپر۔ پھر گولی نے کھُر کے ساتھ سر کو کیسے پھوڑ دیا۔ اس نے اپنے نوکر کی طرف اشارہ کیا کہ میری بات کو صحیح۔ نوکر نے عرض کیا کہ حضور! بجا ارشاد فرمایا۔ وہ ہرن اس وقت اپنے کھُر سے سر کو کھجا رہا تھا۔ آپ کی گولی عین اسی وقت جا لگی اور کھُر اور سر دونوں کو توڑ پھوڑ دیا۔

بھائیو! یہ ہمارے آج کل کے ماڈرن افراد بھی علماء سے یہی کام لینا چاہتے

ہیں کہ جو ملحدانہ بات بھی وہ کہہ دیں۔ علماء اسے شریعت کے مطابق ثابت کر دکھائیں۔ سو یہ تو ناممکن ہے کہ علماء کرام اس قسم کی "نوکری" کرنے لگیں۔ ہاں جو نوکر ہوگا وہی ایسا کرے گا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ گناہ کا انجام و مآل بڑا بھیانک ہوتا ہے۔ قیامت تو ہے ہی بدلے کا روز۔ اس دنیا میں بھی اس کے اثراتِ بد کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ قحط سالی و بدحالی وغیرہ کا گناہوں ہی کی بدولت سامنا ہوتا ہے۔

مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

ابر ناید از پئے منعِ زکوٰۃ

وز بلا افتد بلا اندر جہالت

یعنی لوگ زکوٰۃ دینا چھوڑ دیں تو بارش ہونا بند ہو جاتی ہے اور زنا کی وجہ سے مختلف قسم کی بلاؤں کا نزول ہونے لگتا ہے۔"

حضرات! دیکھ لیجئے۔ آج دنیا بھر میں گناہوں کی کثرت ہے جس کا نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ قحط سالیاں بھی ہیں اور نئی نئی بیماریوں کا بھی ظہور ہو رہا ہے ؎

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ

حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

مصنوعی زندگی

بھائیو! یہ دورِ ترقی تو سچ اگر پوچھئے تو وبالِ جان بن کر رہ گیا ہے ایک زمانہ تھا کہ خدا پر اعتماد تھا تو سارے کام بڑے اچھے پیرائے میں پورے ہو جاتے تھے۔ تھوڑی تھوڑی تنخواہوں میں بھی خدا برکت پیدا فرما دیتا تھا اور جائز و حلال کم آمدنی سے بھی سارے کام ہو جایا کرتے تھے۔ مگر اب تو زندگی کے ہر شعبہ میں تصنع بناوٹ اور مشین پر بھروسہ داخل ہو گیا ہے۔ خدا پر نظر ہی نہیں رہی کھیتوں کے لیے پانی کے ڈیم اور ٹیوب ویل وغیرہ بن گئے۔ روشنی کے لیے بجلی گھر بن گئے۔ پینے کے لیے پانی کی ٹینکیاں بن گئیں۔ ہوا کے لیے بجلی کے پنکھے آ گئے۔ کھانے کے لیے ڈپو بن گئے۔ ڈیم میں پانی نہ رہے

یا ٹیوب ویل بگڑ جائے تو کھیتیاں خشک۔ بجلی گھر خراب ہو جائے تو گھر گھر اندھیرا پانی کی ٹینکیاں خراب ہو جائیں۔ پائپ لیک کرنے لگیں۔ تو قطرے قطرے کی احتیاج۔ الیکٹرک فین بگڑ جائے تو مارے گرمی کے برا حال۔

کہتے ہیں یہ ترقی کا دور ہے۔ جی ہاں! ترقی کا دور ہے۔ بہت کچھ بن گیا ہے۔ بقول امریکہ انسان چاند پر بھی جا پہنچا ہے۔ ہر چیز مصنوعی نظر آنے لگی ہے۔ گندم، چاول وغیرہ غلہ بھی تو اب نئے نئے طریقوں پر اُگنے لگا ہے حتیٰ کہ اب تو یورپ کی عورتیں انڈوں سے چوزے بھی نکالنے لگی ہیں۔ چنانچہ پچھلے دنوں اخبارات میں خبر آئی تھی کہ ایک یورپین مس صاحبہ پورے اکیس روز انڈوں پر بیٹھی ہے اور اکیس روز کے بعد انڈوں سے چوزے نکل آئے ہیں۔ اور نامہ نگار نے لکھا تھا کہ زچہ و بچہ سب بخیریت ہیں۔

ہاں تو اس قسم کی ترقی سے ذرا سوچئے تو سہی کہ انسان کی انسانیت کی ترقی ہوئی یا حیوانیت کی! چلو حیوانیت کی اگر نہیں تو یوں کہہ لیجئے کہ کھانے پینے کی ترقی ہوئی۔ آنے جانے کی اڑنے کی اور عیاشی و فحاشی کی ترقی ہوئی۔ انسانیت کی ترقی کا تو لازمی نتیجہ اطمینان قلب ہے، اور آج کل ترقی سے تو اطمینان قلب اور سکون و چین کا جھٹکا ہو رہا ہے۔ اسی لیے تو شاعر نے لکھا ہے کہ ؏

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

برعکس اس کے ہمارے بزرگوں کا دور جو اس قسم کی ترقی کا دور نہ تھا کتنے سکھ چین اور سکون کا دور تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ میں شفقت اور خلوص نظر آتا تھا۔ خدا پر اُن کی نظر تھی اور خدا ان کا کارساز تھا۔ اور ان کے سارے کام پورے ہو جاتے تھے۔

اور اب کارسازی کے لیے کارخانوں پر انحصار ہے مگر پھر بھی سب کام ادھورے ہی ہیں نہ جگہ جگہ مل ہے مگر مل کچھ نہیں رہا میں یہ نہیں کہتا کہ وسائل و ذرائع نہ ہوں۔ مطلب میرا یہ ہے کہ سب کچھ ہو مگر نظر اللہ پر ہو۔ ورنہ سب کچھ ہوتے

ہوئے بھی کچھ نہیں۔

فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار مجھ سے اپنے تعلیمی دور کا واقعہ ذکر فرمایا۔ بھائیو! یہ حقیقت ہے کہ آج یہ بات سن کر ممکن ہے آپ بھی متعجب ہوں گے مگر بخدا مجھے حضرت والد ماجد علیہ الرحمۃ نے اپنی یہ بات سنائی اور میں بھی سنکر حیران رہ گیا۔ فرمانے لگے۔

"بشیر! آج کل تو دینی مدارس میں بھی بجلیوں کی روشنیاں میسر ہیں۔ ایک زمانہ ہمارا بھی تھا جب کہ اس قسم کی کوئی سہولت میسر نہ تھی۔ فرمایا کہ جس مدرسہ میں میں پڑھتا تھا۔ وہاں رات کو مطالعہ کے لیے ہمیں مٹی کا دیا بھی میسر نہ تھا۔ اور میں ہر رات اس گاؤں کی بھٹیارن کی بھٹی پر چلا جایا کرتا تھا۔ وہ دانے بھون کر جب گھر چلی جاتی تو اس کی بھٹی کی آگ جو تھوڑی بہت سلگتی رہ جاتی اس کی روشنی میں کتاب کا میں مطالعہ کر لیا"

اللہ اکبر! کس قدر عجیب بات ہے، اور یہ ان پاک لوگوں کی کرامت ہی ہے کہ سلگتی رہ جانے والی معمولی آگ کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کر لیتے۔ بھائیو! ایسی روشنی میں جو کتاب پڑھی جائے وہ پھر نقش فی الحجر بھی تو ہو جائے گی اور یاد بھی تو رہے گی۔ اس کے بھول جانے کا تو پھر کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف کے سینے علوم کے گنجینے اور علوم و عرفان کے خزینے تھے۔

اور ایک آج کل کی بھی تعلیم ہے کہ آدھا سال تو چھٹیوں ہی میں گزر جاتا ہے باقی کچھ ڈرل میں اور کچھ سیر و تفریح میں، رہی پڑھائی تو وہ برائے نام۔ اسی مناسبت سے ہی پھر لیاقت بھی پیدا ہوتی ہے۔ بس محض نمائش و شور رہ گئی ہے۔ حقیقت کا فقدان ہے اور ہماری زندگی ایک مصنوعی زندگی بن کر رہ گئی ہے

آزادی

آج کل کے اس دور کو دورِ آزادی بھی کہا جاتا ہے۔ آزادی اچھی چیز ہے مگر صرف وہیں تک جہاں تک خدا اور رسول نے آزادی دی ہے۔ نہ یہ کہ بالکل ہی آزاد ہو جائیں۔ شریعت جہاں آزادی دے۔ آزاد رہو اور جہاں مقید کرے وہاں مقید رہنا چاہیے ؎

چوں بریمنت بہ بند دبستہ باش
چوں کشاید چابک برجستہ باش

یہ گھوڑے کی تعریف ہے کہ اچھا گھوڑا وہ ہے کہ جب اس کو باندھ دیں بندھا رہے اور جب کھول کر چلایا جائے، تو کھل کر چلے اور اگر وہ کھل کر بھی بندھ جائے یعنے چلے نہیں یا باندھنے کے بعد بھی اچھلے کودے تو وہ شریر گھوڑا ہے۔ پس خوب یاد رکھئے کہ سچا مسلمان وہ ہے جو اللہ و رسول کے اشارے پر چلے۔ باندھنے سے بندھ جائے کھولنے سے کھل جائے۔ مگر افسوس کہ اس نئی تہذیب نے تو کھونٹی ہی اکھیڑ ڈالی ہے۔ اور گھوڑے کو کچھ ایسا سرکش بنا ڈالا ہے کہ ع

شکایت شہ سواروں کو ہے اس کی بدلگامی کی

تو بھائیو! ایسی مادر پدر آزادی اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ آج کل کے اس دورِ آزادی میں اسی بے راویوں کی بدولت گناہوں کی بہتات ہے اور گناہوں کی بدولت پریشانیاں ہی پریشانیاں ہیں میں نے جو آیت کریمہ پڑھی ہے اس میں انہیں پریشانیوں کے ازالہ کی تدبیر بتائی گئی ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی چاہو۔ اور اللہ کی طرف رجوع کرلو، سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔

بارش مانگنے کا طریقہ

حضرات! آپ سن چکے کہ قوم عاد کی نافرمانیوں کے باعث ان پر بارش بند ہو گئی تو حضرت ہود علیہ السلام نے بارش لینے کا نسخہ انہیں یہ بتایا کہ وہ ایمان لائیں اور توبہ و استغفار کریں۔ معلوم ہوا کہ گناہوں کی بدولت جو پریشانیاں لاحق ہوں ان کے ازالہ

کے لیے۔ توبہ و استغفار کا طریق اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی چاہی جائے اور سچے دل سے توبہ کی جائے۔ اللہ تعالے سب پریشانیاں دور فرما دے گا۔ بارش نہ ہو تو نماز استسقاء پڑھیے اور توبہ و استغفار پڑھیے مگر آج کل تو کچھ اور ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ بارش نہ ہو تو لوگ پانی سے بالٹیاں بھر کر بازار میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنے جانے والوں پر پانی انڈیلنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جتنے زیادہ کسی کے کپڑے بھگوئے جائیں گے اور جتنی زیادہ گالیاں دے گا، اتنی ہی جلدی بارش ہوگی۔

بھائیو! کس قدر غفلت ہے کہ خدا سے بارش طلب کرنے کے بجائے اس کے کہ توبہ و استغفار کو اپنایا جائے اور زیادہ شرارتیں اور بے باکیاں شروع کر دی جاتی ہیں۔ سچ پوچھئے! تو عجیب دور ہے یہ۔ کہیں زلزلہ آئے یا کوئی حادثہ ہو جائے تو وہاں کے متاثرین کی امداد کے لیے ثقافتی شو کا اعلان کر کے رقص و سرود کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں اور بجائے اس کے کہ حوادث سے عبرت حاصل کی جائے، اور زیادہ گناہوں کو اپنا لیا جاتا ہے۔ بھائیو! خوب یاد رکھو کہ آجکل جو پریشانیاں عام ہیں۔ ان کی وجہ یہی ہماری بے باکیاں اور گناہ ہیں۔ گناہوں سے تائب ہو کر خدا کی طرف رجوع کر لیا جانے تو اطمینان ہی اطمینان اور سکون ہی سکون ہو جائے ؎

چاہتا ہے اطمینانِ دل جو تو
یاد او کن یاد او کن یادِ او

توہینِ رسالت کا اثرِ بد

حضرات! آپ سن چکے کہ گناہ کا مآل و انجام بڑا بھیانک ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مجھے ایک روائت یاد آئی کہ سارے گناہوں سے بڑا گناہ جو کفر و ارتداد کہلاتا ہے توہینِ رسالت ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ادنیٰ توہین بھی کفر ہے اور اس گناہ سے آدمی کا سب کیا کرایا بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔ توہینِ رسالت

کے مرتکب کا دین و دنیا سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ علامہ قسطلانی شارح بخاری اپنی کتاب مواہب لدنیہ میں لکھتے ہیں کہ میدانِ اُحد میں جس نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید کیا تھا۔

لَمْ یُوْلَدْ مِنْ نَسْلِهٖ وَلَدٌ یَبْلُغُ الْحِنْثَ اِلَّا وَهُوَ الْجَزَارِی مَکْثُوْرُ الثَّنَایَا۔

"اس کی نسل میں جو بچہ بھی پیدا ہوتا تھا۔ جب وہ بڑا ہوتا تھا تو اس کے دانت ٹوٹے ہوئے ہوتے تھے" (مواہب لدنیہ ص۹۵ ج۱)

دیکھا آپ نے! توہینِ رسالت کا اثرِ بد، کہ گستاخ کی نسل میں یہ اثر ہوتا چلا گیا کہ جو بھی اس نسل میں پیدا ہوتا، اس کے دانت ٹوٹے ہوئے ہوتے۔ بھائیو! خوب یاد رکھو! کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی بارگاہیں بڑی نازک ہیں اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی تو وہ بارگاہ ہے کہ ع

نفس کم کردہ مے آید جنید و بایزید اینجا

اس بارگاہ عالی میں اگر آواز بھی بلند کی جائے تو سب اعمال ملیا میٹ ہو جائیں۔ نہ نماز رہے نہ زکوٰۃ، نہ حج اور نہ جہاد۔ سب کیا کرایا دھرا رہ جائے۔ یہ جتنی عبادات اور جتنے فرائض ہیں سب فروعات ہیں اور ع

اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

یہ اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے اور بالکل حق و صواب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہی اصل الاصول ہے۔ چنانچہ ایک مسئلہ سنئے:

نماز پڑھتے ہوئے اگر کوئی بلائے تو نماز چھوڑ کر بلانے والے کے پاس چلے جانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے بلکہ ایسا کرنا ہی گناہ ہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم اگر کسی نماز پڑھنے والے کو بلائیں اور نمازی نماز چھوڑ کر حضور کے پاس چلا جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی یا نہیں؟ اس کا جواب امام قسطلانی شارح بخاری نے جو لکھا ہے وہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں:

اِنَّهَا لَا تُبْطِلُ

"نماز نہیں ٹوٹے گی" (مواہب لدنیہ ص۱۴۲ ج۱)

سبحان اللہ! کیا شان ہے ہمارے آقا و مولےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی کہ نمازی نماز چھوڑ کر بارگاہِ عالی میں حاضر ہو جائے۔ تو نمازی کی نماز ٹوٹے گی نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ نمازی نماز میں خدا کے حضور کھڑا ہوتا ہے اور جب وہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو یہ حاضری بھی اس کی دراصل خدا ہی کی بارگاہ میں ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ معاذ اللہ حضور خدا ہیں۔ توبہ توبہ! بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جس طرح حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ اس کا کلام اس کا کلام۔ اس کا ہاتھ اس کا ہاتھ۔ اس کی محبت اس کی محبت۔ اس کی عداوت اس کی عداوت۔ اس کی رضا اس کی رضا اس کی عطا اس کی عطا ہے۔ اسی طرح اس کی بارگاہ اس کی بارگاہ ہے۔ تو نمازی نماز میں یا حضور کے محاذ میں کھڑا ہے تو نماز ہی میں رہا۔ نماز سے باہر نہیں ہوا، اور یہ میرا کہنا نہیں۔ محدثین کا فیصلہ ہے۔ اگر کوئی فتویٰ لگائے۔ تو محدثین پر جنہیں اصحاب الحدیث یا پھر بعض لوگ "اہلحدیث" بھی کہتے ہیں۔ وہ ان اہلحدیثوں پر فتوے لگائے۔ جنہوں نے یہ لکھ دیا ہے کہ

اِنَّهَا لَا تُبْطِلُ "یعنی نماز نہیں ٹوٹتی"

سبحان اللہ! ان محدثین کرام کا جو واقعی اصحاب الحدیث اور صحیح معنوں میں اہلحدیث ہیں۔ کیا ہی ایمان افروز ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجابت اور آپ کی بارگاہ کی حاضری سے بھی نماز نہیں ٹوٹتی، اور کہاں یہ نام ہی نام کے مدعیوں کا لکھنا و کہنا کہ نماز میں حضور کا خیال بھی آجائے۔ تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

خشوع و خضوع

حضرات! سب جانتے ہیں کہ نماز بڑے خشوع و خضوع سے پڑھنی چاہیے۔ اسی خشوع و خضوع کو برقرار رکھنے کے لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ لِلنَّاسِ فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ السَّقِیْمَ

وَالضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ

"جب تم میں سے کوئی امامت کرائے تو تخفیف سے نماز پڑھائے (یعنی نماز زیادہ لمبی نہ کرے) کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں۔ ضعیف بھی اور بڑی عمر کے بھی۔ ہاں جب کوئی اکیلا نماز پڑھے تو جتنی چاہے، لمبی پڑھے" (مشکوٰۃ شریف ص۲۳)

مطلب یہ کہ نماز لمبی ہوگئی تو بیمار، ضعیف تھک جائیں گے اور نماز میں وہ خشوع باقی نہ رہے گا۔ اس لیے امام کے لیے لازم ہے کہ وہ نماز ہلکی پڑھائے۔ ہاں اگر اکیلا ہے تو وہ اپنی مرضی سے جتنی چاہے لمبی نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی سے جب تک چاہے گا نماز پڑھے گا اور اس کا خشوع برقرار رہے گا۔

بھائیو! آج کل بعض لوگ امامت کے لیے کھڑے کئے جائیں تو اپنی شانِ قرأت ہی دکھانے کے لیے اتنی لمبی نماز کر دیتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔

لطیفہ ایک نومسلم مسجد میں پہلی مرتبہ نماز پڑھنے آیا۔ تو امام صاحب نے نماز میں سورہ بقر شروع کر دی، اور ایک ہی رکعت میں ساری پڑھ ڈالی۔ نومسلم تھک گیا اور سلام پھیرنے کے بعد مسجد سے نکل گیا اور پھر مسجد میں نہیں آیا۔ ایک شخص نے امام صاحب سے شکایت کی، کہ آپ کو اتنی طویل قرأت مناسب نہ تھی۔ وہ نومسلم تھا، تھک گیا اور چلا گیا! امام صاحب نے فرمایا: اچھا آج اسے کسی طرح پھر مسجد میں لے آؤ۔ آج میں چھوٹی سورت پڑھوں گا۔ چنانچہ کسی طرح اس نومسلم کو مسجد میں پھر لایا گیا۔ امام صاحب نے پھر اس دفعہ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ یہ سورۃ پڑھنا شروع کی۔ نومسلم نے "فیل" کا لفظ سنا تو جھٹ نماز توڑ کر بھاگا، اور بولا: کل بقر نے اتنا تھکا دیا تھا اور اب تو امام صاحب فیل لے کر آ گئے ہیں۔ "بقر" عربی زبان میں گائے کو کہتے ہیں، اور "فیل" ہاتھی کو۔ نومسلم نے سمجھا کر گائے والی سورۃ نے اتنا تھکا دیا تھا تو

ہاتھی والی سورت تو خدا جانے کیا کر دے گی۔

ہاں تو بھائیو! امام کے لیے مقتدیوں کا خیال ضروری ہے۔ اسی طرح آج کل کی محافل میلاد شریف کے اختتام پر جب سلام پڑھنے کے لیے قیام کیا جاتا ہے تو کوئی نعت خواں سلام پڑھاتے ہوئے اتنی تطویل اختیار کرتے ہیں کہ حاضرین کا کچھ احساس انہیں نہیں ہوتا۔ حتےٰ کہ بعض تو سلام پڑھواتے ہوئے گرہیں اور "دوہڑے" بھی شروع کر دیتے ہیں، اور نہیں سوچتے کہ حاضرین تھکے ہوئے ہیں۔ ان کے لیے یہ تطویل اس خیال کا موجب نہ بن جائے کہ دیکھیں یہ قیام وسلام کب ختم ہوتا ہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ قیام کے وقت نعت خواں سے فرمادیا کرتے تھے کہ دو تین شعر ہی پڑھنا۔ مطلب یہ کہ تھوڑے وقت ہی میں خشوع و خضوع کے ساتھ اس ایمان افروز قیام وسلام کی تکمیل ہو جائے اور حاضرین میں سے کسی کے دل میں یہ خیال آنے کا موقعہ ہی پیدا نہ ہو کہ خدا جانے یہ کب ختم ہو گا۔ اور اس طرح بجائے ثواب کے گناہ لے کر جائیں۔

ہاں تو نماز میں خشوع و خضوع ہو اور نمازی نہایت انہماک وغور و فکر سے نماز پڑھے اور جو کچھ پڑھ رہا ہے اس کی تہ تک پہنچے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ فرمایئے نماز میں نمازی اگر قرآن کی یہ آیت پڑھے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الآیہ)

یا التحیات میں جب یہ پڑھے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ

یا یہ:

وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط

تو اس غور و فکر سے نماز پڑھنے والے کو ان مواقع پر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا خیال آئے گا یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ حضور کا خیال ضرور آئے گا۔ فرمایئے۔ پھر یہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ومن اٰیٰتہٖ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا (پ ۲۱ ع ۶)

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ

حضرت حوا علیہا السلام سے لیکر آجکل کی ماڈرن عورتوں تک کی حکایات

مسمّٰی بہ

عورتوں کی حکایات

مؤلفہ

سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب مدظلہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ

اس مفید اور دلچسپ کتاب میں انبیاء کرام علیہم السلام کی بیویوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات۔ اور آپ کی چار صاحبزادیوں کی حکایات پھر صحابیات و ولیات کی حکایات اور پھر دانا عورتوں اور چالاک عورتوں کی حکایات اور سب سے آخر میں ماڈرن عورتوں کی حکایات درج ہیں۔ ہر حکایت کے بعد مولانا موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں سبق بھی لکھا ہے اور ہر حکایت باحوالہ درج ہے

قیمت :- ۲۴/ روپے

ناشر

فرید بک سٹال

۳۸، اردو بازار۔ لاہور

فتوے کہ حضور کا خیال آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ غلط و باطل ثابت ہوا یا نہیں۔ بھائیو! خدا تعالےٰ سے دعا مانگو کہ اللہ تعالےٰ ہر بدعقیدگی و بدعملی سے محفوظ رکھے۔ اس پر فتن دور میں عجیب وغریب خیالات کا اظہار ہونے لگا ہے۔ اور پھر کہا جاتا ہے کہ آزادی کا دور ہے جو چاہے کوئی کہے کوئی روکے کیوں؟ یہ "مولوی" کون ہیں جو ہماری آزادی کی راہ میں روڑے اٹکائیں۔

روشن خیال

آج کل اس لفظ کو بڑا اچھالا جاتا ہے کہ صاحب مولویوں کو تنگ نظر نہیں ہونا چاہیے۔ انہیں روشن خیال ہونا چاہیے۔ خدا جانے روشن خیال ہونے سے ان کا کیا مطلب ہے؟ غالباً یہی کہ حلال وحرام اور کفر واسلام سب کو ایک نظر سے دیکھا جائے۔ یہ کہنا کہ فلاں چیز حرام اور فلاں بات کفر ہے یہ تنگ نظری ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے سب کچھ اچھا ہے۔ بھائیو اگر روشن خیال ہونے سے یہی مراد ہے تو پھر یہ وعظ مولویوں کے علاوہ دوسروں کو بھی تو سنانا چاہیے۔ مثلاً پولیس سے بھی یہی کہنا چاہیے کہ حضرات یہ تنگ نظری چھوڑیے! کہ فلاں شخص نمبر دس کا بدمعاش ہے۔ اور فلاں شخص مشتبہ ومشکوک۔ وہ شخص فلاں دفعہ کا مجرم ہے۔ اور یہ اس دفعہ کا، اور یہ جو آپ نے ہتھکڑیاں بھی ساتھ رکھ چھوڑی ہیں۔ جرم وغیرہ عاید کر کے لوگوں کو باندھ لیتے ہیں، اور ان کی آزادی سلب کر لیتے ہیں۔ یہ بھی ٹھیک نہیں۔ روشن خیال بنئے اور سب اچھا ہے سمجھئے اور کسی کو کچھ نہ کہیے۔ کیوں صاحب! پولیس یہ وعظ سنے گی؟ اور آپ کی یہ روشن خیالی اپنائے گی؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ کیونکہ اگر پولیس ایسی روشن خیال ہو جائے کہ شریف و بدمعاش مجرم وغیر مجرم اور ظالم ومظلوم اس کی نظر میں ایک ہو جائیں اور کوئی بدمعاش وچور انہیں نظر نہ آئے تو پھر وہ اودھم مچے اور خلاف قانون حرکتیں ہونے لگیں کہ خدا کی پناہ۔ اس لیے ہر دانا کو یہ ماننا و کہنا پڑے گا کہ پولیس جو کرتی ہے ٹھیک ہے اور بدمعاش کو بدمعاش، چور کو چور سمجھنا اور کہنا اور اسے ہتھکڑی لگانی ضروری

ہے اور اسے جو تنگ نظری کہہ کر روشن خیالی کا درس دیتا ہے وہ خود مجرم ہے ۔

میرے بزرگو! اور دوستو! اور عزیزو! آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ علمار کرام جو غیر اسلامی خیالات اور غیر شرعی حرکات پر گرفت کرتے ہیں اور فتوے لگاتے ہیں ۔ یہ ان کا فرض ہے ۔ اسے تنگ نظری کہنا اور روشن خیال بننے دینا، گویا کفر و الحاد کا میدان صاف کرنا ہے کہ جو چاہے کوئی کرے ، کیے کھائے پیئے ۔ روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ ہو ۔ خدا سے دعا کیجئے کہ اللہ تعالےٰ اس قسم کی روشن خیالی سے محفوظ رکھے ۔

پانچ دشمن

حضرات! ہم سے جو گناہ صادر ہوتے ہیں در اصل یہ گناہ ہمارے پانچ دشمنوں کی مہربانی سے ہوتے ہیں اور یہ پانچ دشمن ہر شخص کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں ۔ میں بتاؤں کہ وہ پانچ دشمن کونسے ہیں؟ بھائیو! یہ آپ کے پانچ دشمن آپ کے حواس خمسہ ہیں ۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ ہمارے دشمن کیسے ہو گئے ۔ تو سنئے ۔ پہلا آپ کا دشمن "قوت باصرہ" یعنی آپ کی نگاہ ہے اگر یہ آپ کے قابو میں ہو تو نیکیوں کا سرچشمہ ہے لیکن اگر آپ اس کے قابو میں ہوں تو ہزارہا برائیوں کی اصل و بنیاد ہے ۔ آپ پر جتنی مصیبتیں نازل ہوئی ہیں ۔ اگر غور کیجیے تو ان کا بہت سا حصہ اسی دشمن کی بدولت ہو گا ۔

ریل میں ایک شخص دیکھتا ہے کہ مسافر بے خبر سو رہا ہے ۔ کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے ہیں ۔ سونے کی گھڑی جیب سے نکالتا ہے ۔ مسافر کی آنکھ کھلتی ہے ۔ اگلے اسٹیشن پر پولیس کے سپرد کیا جاتا ہے ۔ دو سال کی قید بامشقت کا حکم ہوتا ہے ۔ روپیہ، عزت، آزادی اور راحت خاک میں مل جاتی ہے ۔ اس مصیبت کا باعث کون ہے؟ یہی دشمن نظر!

لیکن اگر یہ قوت آپ کے قابو میں ہو تو اسے جرأت نہیں ہو سکتی کہ آپ کو مصائب میں مبتلا کرے ۔ آپ کا دوسرا دشمن قوت سامعہ یعنی کان ہیں ۔

ایک بدقماش شخص نے جتنی برائیاں اور گناہ کے کام سیکھے ہیں ۔ جس قدر گندہ معلومات حاصل کی ہیں ان میں سے اکثر کا باعث یہی دشمن ہے ۔

ایک شخص اپنی عیاشیوں کی داستان سنا رہا ہے ایک سادہ دل جس نے اس میدان میں عملی قدم نہیں رکھا ۔ یہ واقعات سن کر مست و بےخود ہو جاتا ہے اور آخر کار اس کے قدم کو لغزش ہوتی ہے ۔ جس سے وہ پستیوں میں گر جاتا ہے ۔

کوئی شخص آپ کے عزیز کی برائیاں بیان کرتا ہے ۔ جس کو سن کر آپ بھی اُسے بُرا سمجھنے لگتے ہیں یا اس کے مخالف ہو کر اس کے درپئے آزار بنتے ہیں آپ کی مخالفت کا وہ بھی جواب دیتا ہے ۔ رفتہ رفتہ فتنہ و فساد کی صورت پیدا ہو جاتی ہے ۔ جو کبھی رسوائی اور کبھی عدالت و جیل خانہ پر جا کر بجھتی ہے ۔ اس قسم کے ہزاروں نقصانات اس وقت پہنچتے ہیں ۔ جب آپ قوت سامعہ کے قابو میں ہوں ۔ لیکن اگر یہ دشمن آپ کے قابو میں ہو تو کوئی فتنہ برپا نہیں ہوتا ۔

کوئی ایسی مجلس ہو جس میں بُری بُری باتیں ہو رہی ہوں ۔ غیر اخلاقی و غیر شرعی آوازیں آ رہی ہوں ۔ وہاں سے کان بند کر کے رُخ پھیر لیجیے ۔ بس خیر ہی خیر ہے ۔

تیسرا آپ کا دشمن قوت ذائقہ ہے ۔

اس کے قابو میں آجانا بہت خطرناک ہے ۔ کیوں کہ اس کی فرمائشیں بہت ہیں ۔ جو انسان کو تباہ و ذلیل کر دیتی ہیں ۔ آمدنی کا بیشتر حصہ اس کی نذر ہو جاتا ہے ۔ جہاں اس نے آپ کو اپنی چاٹ پر لگایا، اور آپ کی جیب خالی ہوئی ۔

یہ دشمن توکل، قناعت، صبر و دیانت کا بدترین دشمن ہے اس کی وجہ سے فارغ البالی و خوشحالی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا ۔ یہ ظالم عزت و دولت دونوں کا دشمن ہے ۔ یہ دشمن بھی اگر آپ کے قابو میں آجائے تو صبر و

قناعت کی بدولت آپ تمام خطرات سے بچ سکتے ہیں۔

آپ کا چوتھا دشمن "قوت لامسہ" ہے یعنی چھونے کی قوت۔ اس کے قابو میں جو آ گیا۔ بس وہ بے کار نکما ہوا، یہ نہ تو دنیا رکھتی ہے نہ دین کا۔ یہ نرم نرم گدّوں اور لطیف و گداز بستروں کے سوا سب کچھ بھلا دیتی ہے۔ یہ اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ آپ زین کس کر سواری پر بیٹھ کر مردانہ وجاہت کا ثبوت دیں۔ بلکہ یہ موٹر کی لچکدار نشستوں کی طرف لے چلتی ہے۔ یہ آدمی کو اتنا کمزور بنا دیتی ہے کہ ہوا کا ایک جھونکا بھی اس کے نظامِ صحت کو تہ و بالا کر دیتا ہے۔ پس ایسے دشمن پر اگر آپ قابو نہ پائیں گے تو تباہی ہی تباہی ہے۔

پانچواں دشمن آپ کا قوت شامہ یعنی سونگھنے کی قوت ہے۔ یہ کچھ تو ذائقہ اور لامسہ کے ساتھ مل کر مجرمانہ حرکات کی مرتکب ہوتی ہے اور کچھ بذاتِ خود راحت پسندیوں اور لذت پرستیوں کی ترغیب دے کر انسان کو قعر مذلت میں گرا دیتی ہے۔ لیکن جو لوگ اس پر قابو پا لیتے ہیں۔ ان کی حالت ایسی نہیں ہوتی کہ جب تک پھولوں کی سیج نہ ہو۔ انہیں نیند نہ آئے۔ اور جب تک عنبریں زلفیں ان کے شانوں پر پریشان نہ ہوں اس وقت تک ان کے دماغ کو آسودگی حاصل نہ ہو۔

بھائیو! یہ ہیں آپ کے پانچ دشمن! انہی کی بدولت گناہوں کا صدور ہوتا ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو ان دشمنوں کو پچھاڑ لیں اور بڑے ہی بدبخت ہیں وہ لوگ جو ان پانچ دشمنوں کے نرغے میں ہیں۔ ان دشمنوں سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ طریق بتایا ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کرو اور توبہ و استغفار کے مضبوط ہتھیار سے ان دشمنوں کا سر کچلو۔

بھائیو! اس قسم کی بے حیائی کا نام اگر ترقی اور آگے بڑھنا ہے۔ تو یہ آگے بڑھنا تم کو مبارک ہو۔ ہم پیچھے ہی اچھے ہیں مگر اے آگے بڑھنے والو! ذرا پیچھے بھی تو دیکھو اور اپنے اسلاف کی طرف بھی نظر کرو۔ جن کا اخلاق اس قدر

ارفع و بلند تھا کہ صحیح معنوں میں "ترقی یافتہ" وہی لوگ تھے۔ ترقی تو نام ہے انسانیت و روحانیت کے بڑھنے کا۔ نہ کہ حیوانیت کے بڑھنے کا۔ تو اس دور کے امراء اور شاہانِ وقت بھی جو ملکی و سیاسی جھگڑوں میں جکڑے رہتے تھے آج کل کے نیک اور پارسا صوفیوں سے زیادہ نیک اور پارسا تھے۔

حضرت خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کا جنازہ

چنانچہ حضرت خواجہ بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کا جس وقت وصال ہوا۔ تو ان کی وصیت کے مطابق یہ اعلان کیا گیا کہ آپ کا جنازہ وہ پڑھائے جس سے ساری عمر کبھی تکبیر اولیٰ اور عصر کی سنتیں قضا نہ ہوئی ہوں۔

حضرات! آپ اس بات پر مشکل سے یقین کریں گے کہ حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کی اس وصیت کے مطابق کوئی بھی جنازہ پڑھانے کے لیے نہ نکلا اگر نکلا تو ہندوستان کی وسیع و عریض سلطنت کا فرماں روا سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ نکلا، اور اس نے حضرت کا جنازہ پڑھایا:

بھائیو! یہ پچھلے زمانہ کے ایک بادشاہ کا حال ہے اور آج کل تو تکبیر اُولیٰ یا سنتوں کا کیا سوال! فرائض ہی کی پروا نہیں کی جاتی اور مسجدوں میں آنا ہی فیشن کے خلاف ہے اگر کوئی بڑا آدمی عید پڑھنے یا جمعہ پڑھنے مسجد میں آ بھی جائے تو اخبارات میں اعلان ہونے لگتے ہیں کہ فلاں صاحب نے عید پڑھی۔ فلاں رئیس صاحب نے جمعہ پڑھ ڈالا۔ بھائیو! ہمارا اعلان کبھی نہیں ہوتا کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ ان کا تو دن رات کا یہ معمول ہے۔ نیا کام تو اس بڑے آدمی نے کیا ہے۔ ایسا جو اس کے باپ دادا نے بھی نہ کیا تھا۔

ہاں تو یہ ہیں وہ پچھلے لوگ، اور یہ ہے وہ پچھلا دور جس کی طرف دھکیلنا ہی بہتر ہے۔ آگے جتنا بڑھا جائے گا سچ پوچھئے تو اتنا ہی اس مقام سے بُعد ہوتا چلا جائے گا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو کھڑا کیا تھا اور دل اطمینان و سکون بھی اسی مقام کو اپنانے سے مل سکتا ہے، اور آگے جتنا بھی بڑھا جائیگا،

اتنی ہی بے اطمینانی و بے چینی بھی بڑھے گی۔ اطمینان قلب اور سکون اللہ کی فرماں برداری ہی سے مل سکتا ہے اور گناہوں سے بجز پریشانی کے اور کچھ حاصل نہیں۔

تنگ زندگی

خدا تعالیٰ ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے:

مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا.

"جو میری یاد سے روگردانی کرے گا اس کے لیے تنگ زندگی ہے۔"

اِس ارشاد کے پیشِ نظر خدا فراموشی سے آدمی کی زندگی تنگ ہوجاتی ہے اور سچ پوچھئے تو خدا کی یاد سے اعراض اور گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ساری دنیا اس آیت کے مطابق تنگ زندگی کا شکار ہے۔ کوئی بھی تو آسودہ حال نہیں۔

آپ کہیں گے کہ نہیں صاحب! ایسا نہیں ہے۔ کئی لوگ رات دن گناہوں میں مصروف رہتے ہیں اور ان کو خوب مال و دولت حاصل ہے اور رزق بھی انہیں خوب ملتا ہے تو اس کے جواب کے لیے پہلے ایک بات سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس رزق، مال، دولت اور جائیداد وغیرہ میں اصل مطلوب کون سی شے ہے؟ مثلاً جائداد اگر مطلوب ہے۔ تو کیا مکان و زمین وغیرہ کی اینٹیں اور ڈھیلے مطلوب ہیں؟ مکان اگر طلب کیا جاتا ہے تو کیوں؟ اگر مکان کپڑے اور روٹی سے صرف رہنا۔ پہننا اور کھانا ہی بذاتہٖ مقصود و مطلوب ہو تو پھر کسی دوسرے کے مکان میں رہنے اور کسی دوسرے سے مانگے ہوئے کپڑے پہننے اور مانگی ہوئی روٹی کھانے میں وہ لطف اور سرور کیوں نہیں ملتا۔ جو اپنے مکان میں رہنے اپنے کپڑے پہننے اور اپنی روٹی کھانے میں ملتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل مقصود و مطلوب یہ رہنا۔ پہننا اور کھانا پینا نہیں۔ اصل مقصود و مطلوب راحت و لذت و لطف ہے، اور سکونِ قلب ہے۔

اب دیکھ لیجئے کہ جن لوگوں کے پاس جائداد و مال و دولت اور بظاہر سب کچھ ہے۔ کیا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی انہیں سکونِ قلب اور راحت و لذت میسر ہے؟ سچ پوچھئے تو جو جتنا بھی صاحب جائداد ہے، اتنا ہی زیادہ وہ پریشان ہے۔ اُسے ہزارہا فکر و خطرات کا سامنا ہے۔ کھانے پینے کو سب کچھ موجود ہوتے ہوئے بھی ان تفکرات و خطرات کے باعث کچھ کھانے کو دل نہیں چاہتا، اور لذیذ ترین چیزوں میں بھی کچھ لذت نہیں ملتی۔

دیکھ لیجئے! جن لوگوں کو اقتدار کی کرسی کی تمنا ہو۔ وہ اس کے حصول کے لیے دن رات سرگرداں و پریشان رہتے ہیں، اور گھر میں چین سے بیٹھنا ان کے لیے نصیب میں نہیں رہتا۔ کبھی یہاں کبھی وہاں! کھانے پینے کی ہوش ہی باقی نہیں رہتی۔ بس ہر دم یہی فکر کہ دیکھیں کرسی ملتی ہے کہ نہیں۔ میرے بھائیو! پھر اگر کرسی مل جائے تو چاہئے تو یہ کہ دل اب مطمئن ہوجائے اور کوئی فکر و اندیشہ باقی نہ رہے لیکن کرسی مل جانے کے بعد خطرات و اندیشے اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ پہلے یہ فکر تھی کہ دیکھیں کہ کرسی رہتی ہے یا نہیں؟ کوئی مخالف اسے کھسکا نہ لے۔ اب اسے برقرار رکھنے کے لیے ہزار کوشش اور ہر دم خطرہ گویا ہر حال میں پریشانی ہی پریشانی تو خود ہی سوچ لیجئے۔ کہ پریشانیوں اور تفکرات میں گھری ہوئی تنگ زندگی نہیں تو اور کیا ہے؟

معلوم ہوا کہ اصل چیز سکون و اطمینان ہے اگر یہی نہیں تو سب کچھ ہوتے ہوئے بھی زندگی تنگ ہے۔

بھائیو! دنیوی مال و دولت کے ہونے سے اگر زندگی آسودہ اور دلی سکون مل سکتا تو آج کسی رئیس و امیر کا ہارٹ فیل نہ ہوتا۔ حالاں کہ آج کل یہ مرض زیادہ تر بڑے بڑے امیروں ہی میں نظر آرہا ہے اور جو لوگ غریب ہیں۔ وہ ان نئی نئی بیماریوں سے کسی حد تک محفوظ ہی ہیں۔ کیوں صاحب! کیا کبھی کسی مزدور۔ باربردار اور محنت و مشقت کرنے والے کا بھی ہارٹ فیل ہوا؟ یہ نئی نئی

بیماریاں جو آج نظر آرہی ہیں۔ زیادہ تر کوٹھیوں اور بنگلوں میں ہی نظر آتی ہیں۔ اس زمانہ کو ترقی کا دَور کہا جاتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن دوسری ترقیوں کے ساتھ ساتھ بیماریوں میں بھی خوب ترقی ہوئی ہے۔ یہ آج کل جو ہسپتال اور بڑے بڑے شفاخانے بن گئے ہیں خدا تعالےٰ بچائے۔ ان میں جاکر دیکھئے کہ امراض نے بھی کس قدر ترقی کر لی ہے اور یہ سب کچھ امارت و دولت ہی کے باعث ہے۔ امارت و دولت نے سردیوں میں چسٹر و سویٹر پہنا دیئے۔ مگر زندگی آسودہ پھر بھی نہ ہوئی۔ بلکہ ذرا جو چسٹر یا سویٹر کھسکا تو نمونیہ کا اٹیک ہوا۔ ساون بھادوں میں کسی رئیس نے کھیرا یا امرود کھالیا تو ہیضہ کا حملہ ہو گیا گویا بیماریاں تاک میں بیٹھی ہیں کہ موقعہ ملے تو جا دبوچیں۔ برعکس اس کے غریب آدمی سخت سردی میں ننگے بدن بھی پھرے تو محفوظ۔ ساون بھادوں میں کھیرے، امرود تربوز وغیرہ سب کچھ رگڑ جائے تو بھی چنگا بھلا۔

لطیفہ

کہتے ہیں۔ دہلی کا ایک رئیس کسی گاؤں میں گیا اس نے ایک دہقانی کو دیکھا کہ اس نے باجرے کی چار روٹیاں کھاکر پھر ایک بہت بڑا پیالہ لسی کا پی لیا۔ رئیس یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، اور کہنے لگا۔ میاں! تم نے یہ کیا غضب کیا کہ اتنی موٹی چار روٹیاں کھاکر پھر لسی کا پورا پیالہ پی گئے۔ بہتر ہوتا اگر تم دو روٹیاں کھاکر پھر لسی پیتے اور دو روٹیاں لسی پینے کے بعد کھاتے تاکہ لسی درمیان میں ہو جاتی اس طرح تم بچ جاتے۔ مگر اب جبکہ لسی درمیان میں نہیں رہی، ممکن ہے تم مر جاؤ۔"

دہقانی ہنسا، اور بولا! اچھا اگر لسی درمیان میں ہو جاتی تو میں بچ سکتا تھا تو لو میں لسی درمیان میں کر لیتا ہوں۔ بیٹے کو آواز دی، بیٹا! چار روٹیاں اور لے آؤ تاکہ میں انہیں کھاکر لسی درمیان میں کر لوں۔ چنانچہ وہ چار روٹیاں اور کھا گیا اور کہا، لیجئے صاحب! اب تو میں بچ جاؤں گا نا!

رئیس حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ یہ آسودگی ہمیں میسر نہیں۔

تو بھائیو! دنیوی مال و دولت کے باوجود بھی زندگی آسودہ ہونا دوسری بات ہے اور وہ گناہوں کے ترک اور اللہ کی یاد ہی سے میسر ہے۔

اطمینان

حضرات! اللہ تعالےٰ نے ہمارے ذمہ جو کام لگایا ہے یعنی اس کی عبادت۔ جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ مطمئن ہیں اور جو لوگ اپنے اس فرض سے غافل ہیں۔ وہ کبھی اطمینان نہیں پا سکتے۔ ہزار مال و دولت ان کے پاس ہو مگر اصل چیز اطمینان ہے اور ع

نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

یہ گوہر اگر ملتا ہے تو گناہوں کے ترک اور اللہ کی یاد سے

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ

یہ آیت اس حقیقت پر شاہد ہے۔ میرے بھائیو! گناہوں کے ترک اور اللہ کی یاد سے یہاں بھی آسودگی ملتی ہے، اور وہاں بھی آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے مرنے سے بھی نہیں ڈرتے۔ دو ملازم ایسے ہوں۔ جن کے ذمہ ایک خاص کام رکھا گیا ہو۔ ایک ملازم تو اپنے اس کام کو بڑے انہماک اور غور و فکر سے کرتا ہو اور دوسرا اپنے اس کام کے قریب بھی نہ جاتا ہو۔ تو اگر ان کا افسر انسپکشن کے لیے آجائے تو دیکھ لیجئے۔ کام چور ملازم اپنے افسر کے سامنے جاتے ہوئے ڈرے گا اور نہ چاہے گا کہ اس کا افسر سے سامنا ہو۔ اور جو کام کرتا ہو وہ خوشی خوشی افسر کے سامنے جائے گا۔ کیونکہ اسے اطمینان حاصل ہے کہ جو کام اس کے سپرد کیا گیا تھا اسے اس نے پورا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ گار مرنے سے ڈرتا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اللہ تعالےٰ سے اس کا سامنا ہو اور اللہ والے ع

چو مرگ آید تبسم برلب اوست

کے مطابق ہنستے ہوئے دنیا سے جاتے ہیں اور مرنے سے وہ خائف نہیں ہوتے کیونکہ ان کا حساب صاف ہے اور انہیں اطمینان حاصل ہے۔ بلکہ وہ موت کی انتظار میں رہتے ہیں تاکہ

اَلْمَوْتُ جِسْرٌ یُّوْصِلُ الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ

کے مطابق اپنے محبوب حقیقی سے جلدی جا ملیں۔

طوطا پنجرے میں

بھائیو! اللہ والوں کی اور ہم گناہ گاروں کی موت میں فرق ایک مثال سے سمجھ لیجئے۔ ایک طوطا پنجرے میں قید ہو۔ باغ میں جب وہ دوسرے طوطوں کو کھلی فضا میں اڑتے اور سیر کرتے دیکھے تو ان کو دیکھ کر وہ پھڑ پھڑاتا ہے۔ اور تمنا کرتا ہے کہ کاش میں اس پنجرے سے رہائی پاؤں اور ان کی طرح آزاد ہو جاؤں۔ اسی طرح یہ جسم ایک پنجرہ ہے۔ جس میں روح کا طائر اس طوطے کی طرح قید ہے۔ اللہ والوں کی روح دیگر طائرانِ قدس کو دیکھ کر بے چین ہوتی ہے اور چاہتی ہے کہ وہ کسی طرح اس جسم کے پنجرے سے آزاد ہو کر ان دوسرے طائرانِ قدس میں جا ملے۔ مگر بھائیو! ایک طوطا وہ بھی ہے جو پنجرے میں قید ہے اور اس کے پنجرے کے چاروں طرف بلیاں بیٹھی ہیں کہ یہ نکلے تو ہم اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ تو دیکھ لیجئے کہ وہ طوطا اس پنجرے ہی کو غنیمت سمجھتا ہے اور وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا یہ ہے گناہ گار کی مثال کہ وہ مرنا چاہتا ہی نہیں اور اسی جسم کے پنجرے میں قید رہنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ اسے اپنے گناہوں کے پیش نظر یہ پتہ ہے کہ مرتے ہی اپنے گناہوں کی بلیاں دبوچ لیں گی اور مصیبت میں پڑ جاؤں گا۔

الغرض اللہ کی فرماں برداری و طاعت سے اس دنیوی زندگی میں بھی آسودگی ملتی ہے اور موت میں بھی۔ اور نافرمانی اور گناہ وہ بلا ہے کہ خواہ کتنا ہی سامان عیش و عشرت میسر ہو، حتیٰ کہ سلطنت بھی ہو مگر پریشانی ہی پریشانی ہوتی ہے۔

توبہ و استغفار

حضرات! میں توبہ و استغفار کے متعلق عرض کر رہا تھا کہ ہمیں اپنے گناہوں کی معافی کے لیے اللہ کی طرف رجوع کرنا اور اپنے گناہوں کی اللہ سے بصدق دل معافی مانگنا چاہئے۔

بھائیو! جس طرح اس حکیم ازلی نے ہر مرض کے لیے دوا پیدا فرما دی ہے۔

اسی طرح اس نے بیمار عصیاں کے لیے بھی ایک دوا بتا دی ہے۔ جسے اگر مریض عصیاں استعمال کرے تو اسے فوراً شفا ہو جائے۔ میلے کچیلے کپڑے سے میل دور کرنے کے لیے صابن کی ضرورت ہے۔ کسی گرم کپڑے سے داغ دھبہ دور کرنے کے لیے پٹرول وغیرہ کی حاجت ہے۔ اسی طرح ایک ایسی چیز کی بھی اشد ضرورت ہے۔ جس سے گناہوں سے میلا شدہ اور سیاہ دل کے دھبے اور میل کچیل سب دُور ہو جائے۔ اس کا نام توبہ و استغفار ہے۔

بھائیو! جس طرح سلیٹی کا لکھا ہوا پانی ڈالنے سے صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کی ساری سیاہی ندامت و توبہ کے آنسوؤں سے صاف ہو جاتی ہے۔

رحمت کی ہمہ گیری

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا گناہ گار کے لیے بھی اللہ کی رحمت میں حصہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دو برتن منگوائے۔ ایک ان میں سے نہایت خوبصورت اور ایک بہت بدنما تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو اگر بارش میں رکھا جائے تو بتاؤ یہ دونوں ہی پانی سے بھر جائیں گے یا جو خوبصورت ہے وہ تو پانی سے بھر جائے گا اور بدنما خالی رہ جائے گا؟ اس نے جواب دیا کہ دونوں ہی بھر جائیں گے۔ آپ نے فرمایا:

کَذٰلِکَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعُمُّ الطَّائِعَ وَالْعَاصِیَ

"اسی طرح اللہ کی رحمت بھی ہر نیک و بد کے لیے عام ہے"

فرعون کی بات

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تفسیر فرماتے ہوئے ایک روایت لکھی ہے کہ فرعون نے قبل دعوائے الوہیت ایک مکان تعمیر کروایا اور حکم دیا کہ اس کے دروازے پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لکھا جائے۔ اور جب اس نے الوہیت کا دعوےٰ کیا تو خدا تعالےٰ نے اس کی ہدایت کے لیے حضرت موسےٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا حضرت موسےٰ علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی۔

مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ہلاکت کی دعا کی
لیکن وہ ہلاک نہ ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ الٰہی! میں اس کی ہلاکت
کی دعا کر رہا ہوں تو قبول کیوں نہیں فرماتا۔ تو خدا نے جواب دیا:

یَا مُوْسٰی اَنْتَ تَنْظُرُ اِلٰی کُفْرِہٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلٰی مَا کَتَبَہٗ عَلٰی بَابِہٖ

"اے موسیٰ! تم اس کے کفر کو دیکھتے ہو اور میں اس نے جو اپنے
دروازے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ رکھی ہے اسے دیکھتا ہوں"

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے دروازے سے اس کے
لکھے ہوئے کو مٹایا۔ تب جا کر وہ ہلاک ہوا۔

امام موصوف یہ روایت لکھ کر لکھتے ہیں کہ:

وَالنُّکْتَۃُ اَنَّ مَنْ کَتَبَ ھٰذِہِ الْکَلِمَۃَ عَلٰی بَابِہِ الْخَارِجِ صَارَ
اٰمِنًا مِنَ الْھَلَاکِ وَاِنْ کَانَ کَافِرًا۔ فَالَّذِیْ کَتَبَہٗ عَلٰی سُوَیْدَآءِ
قَلْبِہٖ مِنْ اَوَّلِ عُمُرِہٖ اِلٰی اٰخِرِہٖ کَیْفَ یَکُوْنُ حَالُہٗ

"یعنی جس نے یہ کلمہ دروازے کے باہر لکھا، اگرچہ وہ کافر تھا پھر
بھی وہ ہلاکت سے محفوظ رہا، تو جس نے ساری عمر اپنے دل پر
اس کلمہ کو منقش کر لیا، اس کا تو پھر کیا ہی کہنا"

دیکھا آپ نے اللہ کی رحمت کتنی عام ہے کہ اس دنیا میں کافر کے لیے بھی
اس سے حصہ ہے۔ پھر جو مسلمان ہیں وہ اس کی رحمت سے ناامید کیوں ہوں۔
بھائیو! آؤ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اس کی رحمت پالو۔ اور اپنی ساری
پریشانیاں دور کر لو۔

حدیث شریف

اب میں آپ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد سناؤں کہ اس توبہ و استغفار کی کتنی اہمیت ہے اور
اس قرآنی نسخہ کے استعمال سے کس قدر فوائد حاصل ہوتے ہیں:

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ مَخْرَجًا۔ وَمِنْ
کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا وَّرَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (مشکوٰۃ شریف)

"جو شخص استغفار کو لازم کر لے گا۔ خدا تعالےٰ اس کی ہر تنگی
دور فرمائے گا، اور اس کا ہر غم خوشی سے بدل دے گا اور جہاں
سے اُسے گمان بھی نہ ہو وہاں سے اُسے رزق دے گا"

دیکھا آپ نے استغفار کا فائدہ! حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں
کہ اس قرآنی نسخہ پر عمل کرنے سے ساری تنگیاں دور اور سارے غم کافور ہو
جائیں گے اور رزق بھی خدا تعالےٰ اس طرح عطا فرمائے گا کہ جہاں سے انسان کو
وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔ وہاں سے اللہ تعالےٰ اسے رزق پہنچائے گا"

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! اپنی پریشانیوں کے ازالہ کے لیے۔ اس
دنیا کی پریشانیوں کے دور کرنے کے لیے اور کل قیامت کی پریشانیوں سے
بھی بچنے کے لیے توبہ و استغفار کو اپناؤ، اور اپنے اللہ کی مغفرتوں اور
رحمتوں سے مالامال ہو جاؤ۔

شیطان کا جواب

حضرات! حدیث شریف میں وارد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شیطان نے
اللہ تعالےٰ سے کہا:

وَعِزَّتِکَ یَا رَبِّ لَا اَبْرَحُ اُغْوِیْ عِبَادَکَ مَا دَامَتْ اَرْوَاحُھُمْ
فِیْ اَجْسَادِھِمْ۔

"اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم! جب تک تیرے بندے
زندہ رہیں گے میں انہیں گمراہ کرتا ہی رہوں گا"

مسلمانو! سنو شیطان کی اس بکواس کا خدا تعالےٰ نے کیا جواب دیا؟
حضور فرماتے ہیں کہ خدا تعالےٰ نے جواب دیا:

وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَارْتِفَاعِ مَکَانِیْ لَا اَزَالُ اَغْفِرُ لَھُمْ مَا اسْتَغْفَرُوْنِیْ

"مجھے میری عزت و جلال اور میری بلندی کی قسم اکہ میں اپنے بندوں کو جب بھی وہ مجھ سے استغفار کریں گے بخش دوں گا۔

(مشکوٰۃ شریف ص۱۹۶)

مسلمانو! اللہ کا شکر ادا کرو کہ وہ ہم پر اس قدر زیادہ مہربان ہے کہ لاکھوں گناہ کر کے اس کے حضور سچے دل سے توبہ و استغفار کر لو۔ تو وہ فوراً راضی ہو جاتا ہے اور جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیتا ہے۔

اور سنئیے:

آخر دم تک

حضور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ

إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ (مشکوٰۃ ص۱۹۶)

یعنی مرتے وقت جب روح حلق تک پہنچ جائے، اس وقت بھی بندے کی توبہ اللہ قبول فرما لیتا ہے"

سبحان اللہ! کیا ہی کرم ہے کہ توبہ کا دروازہ آخر دم تک بند نہیں ہوتا ہیں سے اس مشہور اور بہت پرانے جعلی وصیت نامہ کا پول کھل جاتا ہے

جعلی وصیت نامہ

جس میں کسی شیخ احمد نامی کی طرف سے یہ اعلان شائع ہوتا چلا آرہا ہے کہ عنقریب توبہ کا دروازہ بند ہونے والا ہے۔ بھائیو! مدت سے ہم یہ جعلی وصیت نامہ دیکھتے چلے آرہے ہیں اس چھوٹے سے اشتہار میں کسی شیخ احمد کا نام لکھا ہوتا ہے۔ جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کا مجاور بتا کر اس کی طرف سے یہ اعلان ہوتا ہے، کہ جلدی توبہ کر لو۔ ورنہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ بھائیو! یہ وصیت نامہ بالکل جعلی ہے۔ شیخ احمد کے نام کا آج تک روضۂ انور کا کوئی مجاور ہوا ہی نہیں۔ یہ محض جھوٹ ہے اور اشتہار کا سارا مضمون بالکل جعلی ہے اور ہر مکتب فکر کے علماء نے اسے جعلی قرار دیا ہے۔ اور دشمنان اسلام کی سازش بتائی ہے۔ کیونکہ اس میں خدا تعالےٰ کی رحمتِ عامہ سے درپردہ مایوسی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے

اور خدا کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔ اس کی رحمت کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ اگر یہ بند ہو جائے تو ہم ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔

دعا

یہاں مجھے بہت پرانا ایک واقعہ یاد آگیا۔ تقسیم ملک سے پہلے میں احمد آباد (گجرات) گیا۔ تو وہاں بعض لوگوں نے نماز کے بعد دوسری دعا مانگنے کو بدعت قرار دے رکھا تھا۔ وہاں ہر نماز کے بعد مسلمان دو دو تین تین مرتبہ دعا مانگتے ہیں۔ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ یہ کس قدر ستم کی بات ہے کہ یہ لوگ اللہ کے مقبولوں سے کچھ مانگنے کو تو شرک بتاتے ہی تھے۔ اب خدا سے بھی کچھ مانگنے کو بدعت کہنے لگے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ دعا مانگ لو تو پھر خبردار! خدا سے بھی کچھ مت مانگنا۔ بھائیو! ذرا سوچئے تو کہ خدا کی رحمت کا دروازہ بھی کیا کسی بنک کا دروازہ ہے کہ یہ بنک بس چار بجے تک کھلا رہے گا، اس کے بعد بند پھر کوئی کچھ لینے نہ آئے۔ بھائیو! یہ خدا کی رحمت کا دروازہ ہے جو کسی وقت بند ہوتا ہی نہیں۔ نماز کے بعد اگر ایک بار دعا مانگ لی تو ایک بار کی دعا کے بعد پھر یہ دروازہ بند نہیں ہوتا کہ دوسری بار مانگنے سے کچھ نہیں ملے گا اسی طرح بعد از نماز جنازہ دعا کا مسئلہ بھی ہے کہ مانعین کے نزدیک جنازہ پڑھ لینے کے بعد پھر خدا کی رحمت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس لیے جنازہ کے بعد خبردار جو خدا سے مغفرت کی دعا مانگی، گویا جنازہ پڑھتے ہی خدا کی رحمت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور دعا مانگنے سے بجائے اس کے کہ اس سے کچھ ملے، وہ ناراض ہو جاتا ہے کہ مجھ سے بار بار کیوں کچھ مانگتے ہو؟

بھائیو! خود ہی فیصلہ کر لیجئے! کہ ایسے لوگوں نے بھی اسی جعلی وصیت نامہ کی طرح خدا کی رحمت سے مایوسی پیدا کی یا نہیں؟ خدا تعالیٰ تو یوں فرماتا ہے کہ:

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (پ۲۴ ع۱۱)

"تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا"

اور یہ کہ:

أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (پ ۲ ع ۷)

"میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب بھی وہ پکارے"

دیکھئے خدا تعالے نے کس طرح صاف صاف اعلان فرما دیا ہے کہ میری رحمت کا دروازہ کسی وقت بھی بند نہیں ہوتا۔ دعا مانگنے والا دن کو رات کو صبح یا شام گھر میں یا مسجد میں نماز کے بعد یا نماز سے پہلے جہاں بھی اور جب بھی مجھ سے دعا مانگے میں قبول کرتا ہوں۔ إِذَا دَعَانِ کا ارشاد سامنے رکھئے "جب بھی کوئی دعا مانگے" وہ سنتا ہے۔ قبول فرماتا ہے۔

پھر وہ لوگ جو نماز کے بعد دوسری دعا یا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنے سے روکتے ہیں۔ فرمائیے! وہ ان اوقات کا استثناء کس دلیل سے کرتے ہیں؟ خدا نے یا اس کے محبوب نے کہاں فرمایا ہے کہ جنازہ پڑھ لینے کے بعد دعا مت مانگنا اور نماز پڑھنے کے بعد ایک دعا مانگ کر دوسری دعا نہ مانگنا۔

الٹا زمانہ

بھائیو! یہ الٹا زمانہ ہے آج تک یہ مثل چلی آئی ہے کہ "چراغ تلے اندھیرا" مگر اس الٹے زمانہ میں بجلی کے بلب کو دیکھئے تو نیچے لائٹ اور اوپر اندھیرا۔ ایک ہندو شاعر گذرا ہے۔ جس کا نام مہتاب رائے تھا۔ اس کا ایک پرلطف شعر سنئے لکھتا ہے ؎

بنے کیوں کر کہ ہے سب کار الٹا
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

اس شعر میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شاعر نے اس الٹے زمانہ کی تفصیل اس رنگ میں لکھی ہے کہ اسی الٹ پلٹ سے اس شعر سے شاعر کا نام بھی نکل آتا ہے ملاحظہ فرمائیے ؎

ہم الٹے — "ہم" کو الٹایئے تو بنتا ہے "مہ"، بات الٹی — "بات" کو الٹایئے تو بنتا ہے "تاب"، یار

الٹا — "یار" کو الٹایئے تو بنتا ہے "رائے" اب ان تینوں لفظوں کو ملا کر پڑھیے۔ "مہ تاب رائے" تو شاعر کا نام بن گیا "مہتاب رائے"

ہاں تو اس الٹے زمانہ کی الٹی بات دیکھئے کہ جو لوگ بعد نماز دعا مانگنے کو منع بتاتے ہیں۔ دلیل تو ان کے ذمہ ہے کہ وہ کوئی ممانعت کی دلیل بتائیں۔ جس میں نہی وارد ہو کہ خبردار! نمازوں کے بعد دوسری یا نماز جنازہ کے بعد دعا نہ مانگنا۔ الٹا وہ لوگ ہم مجوزین سے دلیل طلب کرتے ہیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نمازوں کے بعد دوسری دعا یا نماز جنازہ کے بعد دعا مانگا کرو۔

بھائیو! یہ اتنی بڑی الٹی بات ہے کہ توبہ ہی بھلی۔ سیدھی بات یہ ہے کہ جواز کے لیے تو دلیل کی ضرورت ہے نہیں۔ جواز کے لیے یہی دلیل ہوتی ہے کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ اصول یہ ہے کہ اصل میں ہر چیز مباح و جائز ہے۔ شریعت نے جن چیزوں کو ناجائز و حرام کر دیا ہے۔ دلیل نہی سے وہ چیزیں ناجائز و حرام ہیں اور جنہیں شریعت نے ناجائز و حرام نہیں فرمایا۔ ان سے روکنا کسی کا حق نہیں اور ان سے کوئی روک نہیں سکتا۔ بھائیو! ہر وقت دعا مانگنے کا جواز قرآن پاک کی اس آیت سے ثابت ہے کہ

أُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ

"میں دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ جب بھی وہ دعا مانگے"

اس "جب بھی" نے ہر وقت کو اپنے اندر شامل کر لیا ہے نمازوں کے بعد ایک بار یا دو بار کے وقت اور نماز جنازہ کے بعد کا وقت بھی اس "جب بھی" میں داخل ہے، اور ان وقتوں میں دعا مانگنے والا قرآن پاک کے ارشاد إِذَا دَعَانِ کے مطابق عمل کر رہا ہے اور جو ان اوقات میں دعا مانگنے سے روکتا ہے۔ وہ ارشادِ حق "إِذَا دَعَانِ" سے ٹکرا رہا ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ توبہ کا دروازہ آخر دم تک کھلا ہے۔ ہمیں چاہیے
کہ اپنے گناہوں پہ نادم ہو کر توبہ و استغفار کو اپنا لیں اور اللہ کی رحمت و
مغفرت کو پا لیں۔

گناہ کی دو قسمیں

حضرات! یاد رکھئے! کہ جس طرح جسمانی بیماریوں کی
دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک پوشیدہ اسی طرح
گناہ جو روحانی بیماری ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور ایک پوشیدہ۔
جسمانی ظاہری بیماری کی مثال پھوڑا پھنسی ہے یا ہاتھ پیر کا کٹ جانا وغیرہ،
کہ یہ بیماریاں نظر آتی ہیں۔ اور پوشیدہ کی مثال دردِ سر یا پیٹ کا درد وغیرہ ہے
کہ بیمار کو تکلیف ہو رہی مگر دوسرے کو یہ تکلیف نظر نہیں آتی اسی طرح گناہ بھی
دو قسم کے ہیں۔ ایک ظاہری ایک باطنی۔ ظاہری جیسے نماز نہ پڑھنا یا گالیاں
دینا یا کسی کو ظلماً مارنا پیٹنا وغیرہ۔ لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص بے نمازی
ہے۔ ظالم ہے اور فحاش ہے اور باطنی جیسے حسد کہ بظاہر آدمی نماز روزہ سب
کا پابند ہے۔ مگر باطن میں یہ بیماری موجود ہے جو لوگوں کو نظر نہیں آتی۔ ایک
تقسیم اور بھی ہے اور وہ یہ کہ بعض گناہ ایسے ہیں جن کو سب گناہ سمجھتے ہیں اور
بعض ایسے ہیں جن کو ہم گناہ کی فہرست میں داخل ہی نہیں سمجھتے۔ اول کی مثال
جوا۔ چوری ڈکیتی ہے کہ ہر شخص اس کو گناہ سمجھتا ہے۔ اگرچہ اس میں مبتلا بھی ہو۔
اور دوسرے کی مثال کسبِ معاش میں ہیر پھیر اور دولت کمانے کے ناجائز
طریقے ہیں جن کو لوگ گناہ نہیں سمجھتے۔ بلکہ آج کل لوگ اسے فن اور آرٹ سمجھتے
ہیں، اور کہتے ہیں کہ دنیا کمانے کے یہ طریقے ہیں۔ دین اور شریعت کو کمائی میں کیا دخل؟
کہ یوں نہ کماؤ اور یوں کماؤ۔ خدا نے ہمارے پیچھے دنیا کی ضرورتیں لگا دی ہیں اور
عقل دی ہے کہ جس طرح ہو سکے ان ضرورتوں کو پورا کرو۔ عبادت تو صرف نماز
و روزہ کا نام ہے۔ یہ لین دین اور تجارت وغیرہ دنیا کی باتیں ہیں۔ ان میں سود
وغیرہ یا لینے دینے میں کمی بیشی کے ہیر پھیر ہوتے ہی ہیں۔ شریعت کو ان باتوں

میں کیا دخل؟

قانونِ الٰہی کا حق

حضرات! افسوس کہ آج کل اپنے ہر اجتہاد کا نشانہ دین
و شریعت ہی کو بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ دنیوی سلطنتوں
اور حکومتوں میں بھی لین دین اور تجارت کے کاموں میں حکام دخل دیتے ہیں اور
ان کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ عوام کی بہبودی و سہولت کی خاطر تاجروں، دکانداروں
کے کاروبار میں دخل دیں۔ دیکھئے! پستولوں، بندوقوں، اور بارود وغیرہ کی
تجارت میں کئی پابندیاں ہیں۔ ہر شخص کو اجازت نہیں کہ یہ تجارت کرے۔ لائسنس
اور حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی یہ کاروبار نہیں کر سکتا۔ اب یہاں کبھی یہ
منطق کیوں نہیں چلائی جاتی کہ ہماری حکومت ہمارے کاروبار میں کیوں دخل
دیتی ہے، اُسے بس اتنا کافی ہے کہ ہم اس کی رعایا ہیں اور ہم مالیہ یا ٹیکس وغیرہ
ادا کر دیتے ہیں۔ پھر وہ ہمارے ذاتی کاروبار میں دخل کیوں دیتی ہے؟ کیوں صاحب!
یہ منطق کیا کوئی حکومت سن لے گی؟ ہرگز نہیں پھر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ
خدا تعالیٰ ہی کے احکام کے لیے اپنا ہر اجتہاد اور اپنی ہر الٹی سیدھی منطق رکھی
جائے۔ بھائیو! ہماری جانوں کا، ہمارے مالوں کا، ہمارے کاروبار کا اور ہماری
ایک ایک چیز کا اصلی مالک اللہ ہی ہے۔ اس لیے اللہ کے قانون کو یہ حق حاصل
ہے کہ وہ ہمارے ہر کام میں مداخلت کرے۔ حکام دنیا کو جب کہ صرف ان کی
سلطنت کے بل بوتے پر ہر کام میں دخل دینے کا مجاز سمجھا جاتا ہے تو جس ذاتِ
پاک میں مالکانہ۔ خالقانہ اور حاکمانہ ہر قسم کا اقتدار موجود ہے وہ ہمارے ہر کام میں
دخل کیوں نہ دے، اور ہم کیوں نہ اس کے احکام کی تعمیل کریں۔

ہاں تو گناہ کی ایک قسم باطنی گناہ ہے جیسے حسد تکبر وغیرہ ایسی قسم بڑی مہلک
ہے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسے
لکڑیوں کو آگ فرمائیے اگر دل میں حسد موجود ہو تو کسی نیک کام کا کیا فائدہ؟ جبکہ
اُسے حسد کی آگ کھا جاتی ہے۔ تکبر بھی ایسی مہلک بیماری ہے کہ اس سے

آدمی کو ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے تکبر صرف اللہ تعالےٰ کے لیے ہے
اور جو بندہ ہو کر اسے اپنائے گا. خدا تعالےٰ اسے ذلیل وخوار کر دے گا۔
حضور فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی کبر وغرور ہو گا وہ جنت میں
نہ جائے گا. شیطان اسی بیماری سے ہلاک ہوا. فرعون اسی مرض سے مارا گیا.
نمرود و ہامان اور شداد وغیرہ سب اسی نامراد بیماری سے ہلاک وبرباد ہوئے.
کیوں نہ ہو کہ یہ صفت اللہ تعالےٰ ہی کی تھی انہوں نے اپنے آپ میں سمجھ لی.
اور جو شخص کسی کی چیز چھین کر اپنے ہاں لے آئے تو مالک اپنی چیز لے کر اپنی حیثیت
کے مطابق اسے سزا دیتا ہے. پھر جس شخص نے احکم الحاکمین کی خاص چیز کو جو محض
اسی کی ذات کے لائق تھی اپنے ہاں لا کر تکبر کیا. اُسے کیوں نہ ہمیشہ کی جیل ملے گی.

حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ

انبیاء کرام علیہم السلام تکبر وغرور سے بالکل
پاک ومنزہ اور معصوم ہیں اللہ تعالےٰ نے
انہیں اتنی اتنی بڑی شانیں دیں اور اتنے بلند مرتبے دیئے کہ ساری مخلوق میں ایسی
شانیں اور ایسے مرتبے کسی کو نہیں ملے. لیکن ان نفوس قدسیہ نے ہمیشہ تواضع ہی
اختیار فرمائی۔

مولانا رومی علیہ الرحمۃ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ لکھتے ہیں کہ ؎

در خبر آمد چنیں از مصطفےٰ
کہ سلیماں جن وانس ومرغ را
داد فرماں جمع تا گشتند زود
جملہ دود و صد ہزاراں اہل جود

مولانا فرماتے ہیں: کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک بار
حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنوں، انسانوں اور جانوروں کے اپنے تمام لشکر کو
جمع ہونے کا حکم دیا ؎

باد تختش را ببردہ آں زماں — تا رسانید بنزد آسماں

لشکر کو جمع فرما کر آپ نے ہوا کو حکم دیا تو ہوا نے لشکر سمیت آپ کا
تخت اڑایا اور بہت اوپر تک آسمان کے نزدیک لے گئی. اس قدر بلندی و
رفعت کے بعد آپ نے ایک آواز سنی جو یہ تھی ؎

کہ مثال ذرہ از کبر وغرور
گر سلیماں را بدل بودے عبور
زود در زیر زمینش کردمے
پیش زانکہ بر ہوائش بردمے

کہ اگر سلیمان کے دل میں ذرہ بھر بھی کبر وغرور پیدا ہوتا. تو ہم اس کا تخت
فوراً زمین میں دھنسا دیتے یعنی سلیمان علیہ السلام پیغمبر ہیں. ناممکن ہے کہ ان کے
دل میں تکبر پیدا ہو. ہاں بالفرض اگر ایسا ہوتا تو ان کا تخت بھی زمین میں دھنسا
دیا جاتا پھر اے بھائیو ہم کون ہیں. جو تکبر وغرور کریں اور سزا نہ پائیں۔

ایک متکبر کا قصہ

علامہ عبدالرحمٰن صفوری رحمۃ اللہ علیہ نزہۃ المجالس
میں ایک متکبر کا قصہ لکھتے ہیں. فرماتے ہیں کہ ایک
بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو حرم شریف میں طواف کرتے ہوئے دیکھا
کہ اس کے چند خادم آگے آگے دوڑے چلے جاتے تھے. اور لوگوں کو اس کے
لیے ہٹاتے جاتے تھے. فرماتے ہیں پھر میں نے اسی شخص کو بغداد کے پل پر بھیک
مانگتے دیکھا. میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے تو اس نے کہا کہ چونکہ میں نے
ایک ایسے موقع پر تکبر کیا جہاں لوگ تواضع وعاجزی سے کام لیتے ہیں. لہذا اس
نے مجھے ایک ایسے موقع پر ذلیل ورسوا کیا. جہاں لوگ تکبر کرتے ہیں۔

ہم نے آج بھی دیکھا ہے کہ کئی لوگ مسجد میں آتے ہی نہیں تاکہ ان کی
امارت میں کچھ فرق نہ پڑے. مسجد میں امیر وغریب سب برابر کھڑے ہو جاتے
ہیں اور متکبر امیر نہیں چاہتا کہ کسی غریب کے برابر کھڑا ہو کر اپنی "انسلٹ" خود
سی کر لے. بھائیو! ایسے لوگوں کو قبر میں جانا یاد رکھنا چاہیے جہاں امیر غریب

سبھی برابر ہوں گے۔ یعنی وہی کفن غریب کے لیے، اور وہی امیر کے لیے، وہی
سواری غریب کے لیے اور وہی امیر کے لیے ہے ؎

جو مرتے بادشاہ ہو کر تو تزئیں کچھ نہیں ہوتی
یہی دو گز کفن ہوتا یہی دو گز زمیں ہوتی

اور ایک دوسرا شاعر لکھتا ہے ؎

مہیا گو کہ سب سامان ملکی اور مالی تھے
سکندر جب گیا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

اور ایک شاعر یوں لکھتا ہے کہ ؎

کتنے مفلس ہو گئے کتنے تونگر ہو گئے
خاک میں جب مل گئے دونوں برابر ہو گئے

کاسۂ سر

ایک اور عبرت آموز واقعہ سنئے۔
شاعر لکھتا ہے ؎

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوانِ شکستہ سے چور تھا

کہتا ہے، قبرستان میں گیا تو ایک مردہ انسان کا سر پاؤں کے نیچے آگیا۔

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھی کسی کا سرِ پرغرور تھا

اس سے آواز آئی کہ میاں دیکھ کر چل! مجھے پاؤں میں نہ روند! میں بھی
کبھی کسی مغرور کا سر تھا۔ آج موت نے میرا یہ حال کر دیا ہے۔
ہاں تو بھائیو! اس چند روزہ زندگی میں تکبر و غرور کیسا؟

علمِ دین

حضرات! ایک بات یاد رکھئے! کہ علمِ دین ایک ایسی بابرکت چیز
جس سے انسان میں تواضع پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ علمِ دین سے
آدمی اپنی حقیقت کو پہچان لیتا ہے اور خدا تعالےٰ کے مقابلہ میں وہ اپنے

آپ کو کچھ نہیں سمجھتا، اور اس طرح اس کی انانیت ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جو
اہلِ علم ہیں وہ ہمیشہ اپنے آپ کو ہیچمدان۔ فقیر و حقیر اور ناچیز سمجھتے اور اپنے
نام لکھ کر عفا اللہ عنہ لکھتے ہیں۔

ایک بزرگ کا قصہ

ایک اہلِ علم بزرگ ہمیشہ یوں کہا کرتے تھے
کہ میں تو کچھ بھی نہیں۔ میں کیا جانتا ہوں، مجھ میں
کوئی کمال نہیں۔ ان کے ایک معترض نے کسی دوسرے بزرگ سے ان کی یہ
بات بیان کر کے پوچھا کہ وہ اپنے لیے جو یوں کہتے ہیں کہ میں کچھ بھی نہیں میں کیا
جانتا ہوں۔ اگر وہ اس بات میں سچے ہیں تو جاہل ثابت ہوئے اور اگر وہ جھوٹ
بولتے ہیں تو جھوٹے ثابت ہوئے۔ بہر حال وہ اچھے ثابت نہ ہوئے۔
اس کا جواب سنئے جو اس بزرگ نے دیا۔ وہ فرمانے لگے میاں وہ بڑے
ہی صاحب علم و کمال بزرگ ہیں، عالم بھی ہیں اور جھوٹے بھی نہیں۔ اس لیے
کہ ان کی نظر خدائے برتر و بالا کی ذات پر ہے۔ جس کے سامنے وہ اپنے آپ کو
کچھ بھی نہیں سمجھتے اور ہماری نظر ان کے علم و کمال پر ہیں۔ ہماری نظر میں وہ
سب کچھ ہیں اور خدا کے پیش نظر ان کی نظر میں وہ خود کچھ بھی نہیں۔
دیکھئے! جگنو رات کو کس قدر چمکتا ہے مگر دن کو وہ نظر نہیں آتا۔ کسی
نے اس سے پوچھا کہ میاں جگنو! دن کو تم کہاں رہتے ہو! نظر ہی نہیں آتے۔ وہ بولا
ہوتا تو یہیں ہوں مگر سورج کے سامنے نہ ہونے کے برابر ہوں۔ یونہی اللہ والے
اپنے آپ کو خدا کے سامنے کچھ نہیں سمجھتے۔ برخلاف دنیوی تعلیم کے کہ اس میں
نام و نمود اور نمائش و انانیت موجود ہوتی ہے۔ تھوڑی سی یہ تعلیم حاصل کیجئے۔
تو ڈگریوں کے حروف نام کے ساتھ ساتھ چپٹے نظر آتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے
نام کے ساتھ جلی حروف میں ان ڈگریوں کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔

دین کا علم

دین کا علم تواضع و انکسار پیدا کرتا ہے، اور
یہ سبق دیتا ہے:

اَلَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا

"یعنی وہ بندے جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں"

اطمینان و وقار کے ساتھ اور متواضعانہ شان سے نہ کہ متکبرانہ طریقہ پر جوتے کھٹکھٹاتے پاؤں زور سے زمین پر مارتے اتراتے کہ یہ متکبرین کی شان ہے۔ جو شریعت میں منع ہے مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ والے نگاہیں نیچی کر کے چلتے ہیں۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں نظر بازی کرتے ہوئے نہیں چلتے۔

چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

"یعنی مومنوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں"

نیچی نگاہ

میرے بھائیو! یہ نگاہ بھی فتنے و فساد پیدا کر دیتی ہے۔ اس لیے علم دین اسے نیچی رکھنے کا سبق دیتا ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ شیطان نے بنی آدم کو بھٹکانے کی چار سمتیں بیان کی ہیں:

ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ (پ ۸ ع ۹)

اس میں شیطان نے یہ کہا ہے کہ میں بنی آدم کو آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے آ کر گمراہ کروں گا، اور دو سمتوں کو بیان نہیں کیا۔ یعنی اوپر اور نیچے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ دو سمتیں محفوظ ہیں۔ لیکن اوپر کی سمت ہر وقت تو دیکھتے رہنا مشکل ہے۔ اس لیے سب سے زیادہ سلامتی والی نیچے کی سمت ہے باقی وہ چار سمتیں یعنی آگے پیچھے اور دائیں بائیں ان کی طرف دیکھنے میں انسان اکثر فتنے میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض بزرگوں نے یہاں تک کیا ہے کہ شہر چھوڑ کر جنگل میں بود و باش اختیار کر لی۔

ایک حکایت

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے ایسے ہی ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ ؎

بزرگے دیدم اندر کوہسارے
نشستہ از جہاں در کنج غارے

میں نے ایک بزرگ کو پہاڑوں میں دیکھا جو شہر سے الگ تھلگ ایک غار میں بیٹھے تھے ؎

چرا گفتم بہ شہر اندر نیائی ‌ ‌ ‌ ‌ کہ بارے بندے از دل برکشائی

میں نے پوچھا کہ آپ شہر میں کیوں نہیں آتے تو انہوں نے جواب دیا کہ ؎

بگفت آنجا پری رویان نغزند ‌ ‌ ‌ ‌ چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

شہر میں حسن و جمال والے کثرت کے ساتھ پھرتے ہیں اور جب کیچڑ زیادہ ہو جائے تو ہاتھی پھسل جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ نظروں کی حفاظت کے لیے ہم یہاں چلے آئے ہیں۔ اسی حالت کو ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے ؎

زاہد نداشت تاب جمال پری رخاں ‌ ‌ ‌ ‌ کنجے گرفت خوف خدا را بہانہ ساخت

آج کل

حضرات! کہاں ایسے پاکباز لوگ اور کہاں آج کل کے یورپ زدہ افراد جو ملک کی حسیناؤں کو جمع اور اکٹھا کر کے ان حسن و جمال کی جانچ پڑتال کرنے کو خود جج بن بیٹھتے ہیں اور پھر باقاعدہ جیوری بیٹھ کر فیصلہ دیتی ہے کہ فلاں لڑکی سارے ملک کی حسیناؤں سے زیادہ حسین اور ملکۂ حسن ہے۔ یہ آجکل کے ہاتھی ہیں جو اس کیچڑ میں پھسلنے کو فیشن سمجھتے ہیں اور خوشی سے پھسلتے ہیں اور کیچڑ میں شوق سے لت پت ہوتے ہیں۔

پنجابی حضرات جانتے ہیں کہ پنجابی زبان میں اس پھسلن اور کیچڑ کو "ترک" کہتے ہیں اور یہی وہ "ترکی" ہے جسے یہ لوگ ترقی کہتے ہیں اور "مولوی" خدا کا شکر گزار ہے کہ وہ اس قسم کی ترقی سے محفوظ ہے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ دینی علم تواضع و انکسار سکھاتا ہے اور دنیوی علم تکبر و فخر۔ حاجی حق حق لکھتے ہیں ؎

دین نے فرمایا کہ عجز و تواضع اختیار ‌ ‌ ‌ ‌ اور کہا پتلون نے رہنا اٹن شن چاہیئے

مولوی مولا کا طالب مِس کی مسٹر کو تلاش   اس کو کعبہ چاہئے اور اس کو لندن چاہئے

اور آج کل کے فیشن کے پیش نظر حاجی صاحب لکھتے ہیں کہ ؎

ہے میاں کو حکم بیوی کا کہ آٹا ہو نہ ہو
سرخی پوڈر کی مگر تعمیل فوراً چاہیئے

ہاں تو بھائیو! میں یہ کہہ رہا تھا کہ گناہوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ پوشیدہ اور باطنی گناہ، مثلاً حسد و کبر وغیرہ سب سے زیادہ مہلک گناہ ہیں، اور ان گناہوں کی بدولت آج جملہ پریشانیاں اور مشکلیں درپیش ہیں۔ ان سے نجات اور رہائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں توبہ و استغفار کا گر سکھلایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے استغفار کو اپنا لو اور جملہ پریشانیوں سے رہائی پا لو۔

مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

غم چو بینی زود استغفار کن   غم بامر خالق آمد کار کن

یعنی کوئی غم دیکھو تو فوراً توبہ و استغفار کرو اپنے گناہوں کی معافی چاہنے سے خدا خوش ہو جائے گا اور ظاہر ہے کہ خدا خوش ہو گیا تو اس کی طرف سے آیا ہوا غم یقیناً دور ہو جائے گا۔ بھائیو! یہ ایک مفید نسخہ ہے کہ اس کے استعمال سے یقیناً فائدہ ہوتا ہے اور ناممکن ہے کہ خدا کا بتایا ہوا نسخہ مفید نہ ہو۔

اب میں دعا کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمیں نیک اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔ گناہوں سے بچائے اور جو ہم سے گناہ ہو چکے ہیں۔ خدا اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں معاف فرمائے۔ آمین یارب العالمین

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تمت بالخیر